دائرۃ المعارف

یعنے

معارف اعظم گڈہ

کی

۵۶ ویں جلد

از جولائی ۱۹۴۵ء تا دسمبر ۱۹۴۵ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۵۶

جولائی ۱۹۴۵ء تا دسمبر ۱۹۴۵ء

(بہ ترتیبِ حروفِ تہجی)

شعراء

فہرست مضامین

جلد ۵۶

جولائی ۱۹۴۵ء تا دسمبر ۱۹۴۵ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۵۶ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۵ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ہندوستان کے مستقبل کا افق امیدون سے جھلک رہا ہے، پہلو کوئی ہو مگر انقلاب کا منظر سامنے ہے، سیاسی انتظامات کے تغیر کے ساتھ تعلیمی نظام کا تغیر بھی ضروری ہے، بلکہ سیاسی انتظامات کا خاکہ تو سیاسی رہنماؤن اور انگریز حاکمون کے درمیان ابھی تک مزید گفتگوؤن کا محتاج ہے، لیکن تعلیمی خاکہ تو گورنمنٹ کے تعمیر تعلیم کے نقل مین بھی آ بنا ہے،

—— ✻ ——

اس خاکہ کی جو ادپری جھلک دیکھی گئی ہے، اس سے تو یہی خیال ہوتا ہے کہ جس طرح حکومت کا پرانا نظام ایسے ہندوستانیون کی پیداوار اور پرورش مین مصروف تھا جو گو نسل اور رنگ و روغن کے لحاظ سے ہندوستانی ہون مگر دل و دماغ اور ذہنیت کے لحاظ سے انگریز ہون، اور جو حکومت کے سرکاری دفترون کے چلانے کے کام مین آئین، اسی طرح آیندہ تعلیم کا نظام کانگریسی وزارت کے زمانہ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ایسا ہو گا جو دل و دماغ اور ذہنیت کے لحاظ سے سراسر ہندی اور خالص قومی ہو اور آیندہ ہندوستان کے متوقع صنعتی انتظامات کے مطابق ہو،

—— ✻ ——

ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ مسلمان وقت سے پہلے طوفان کا اندازہ کر لین اور یہ سمجھ لین کہ ان کو ایسی تعلیم درکار ہے جس سے مسلمان مسلمان بھی باقی رہین، اور اس راہ مین جو غفلت سرکاری مدارس کے پہلے دور مین ان سے ہو چکی ہے، وہ اس آنے والے دور مین نہ ہو، اور اس کے لئے وقت سے پہلے مسلمانون کو اپنی تعلیم کا مقصد اور ملکی تعلیم کے ساتھ ساتھ جو ناگزیر ہے، اپنی مذہبی تعلیم کے شمول کا بندوبست کرنا ہے،

—— ✻ ——

تعلیم کی اہمیت بہت بڑی ہے یہی وہ سانچہ ہے جس مین ملت کے نوجوان افراد ڈھل کر نکلتے ہین، ان کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشو و نما، دماغی استعداد، اور قلبی قوت یقین یعنی ساری ذہنیت اسی کے ذریعہ بنائی، اور

بگاڑی جاسکتی ہے، امت کو جیسے افراد کی ضرورت ہے، وہ اسی کے ذریعہ تیار ہوتے ہین اور ہوسکتے ہین،

خوب سمجھئے کہ ہندوتیت کی طرح اسلامیت کوئی قومیت یا وطنیت نہین ہے، بلکہ وہ ذہنی یقین اور اعمال و اخلاق کے خاص ایک طریق کا نام ہے جس کی بقا تعلیم و تربیت کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن ہی نہین اس لئے اس کی بقا کے لئے تعلیم و تربیت کے ایک ایسے خاص نظام کی ضرورت ہے جو مسلمانون کو مسلمان رہنے اور بننے مین مدد دے،

ہم کو خوشی ہے کہ اس وقت متعدد اصحاب فکر ایسے ہین جو اس ضرورت کو اچھی طرح سمجھتے ہین اور اس کیلئے اپنی جد وجہد سے تیاری کر رہے ہین، ڈاکٹر افضال قادری صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ مسلم لیگ کے شعبۂ تعلیم کے ماتحت ایسے اصحاب کے مشورون کو یکجا کر رہے ہین، اور وہ اپنی کمیٹی کے ارکان کے مشورون سے ایک اسلامی تعلیمی نظام کا ایسا خاکہ تیار کر رہے ہین، جو موجودہ جدید علوم و فنون کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہنیت کی پرورش کا بھی کفیل ہو

موجودہ علما رمین ہمارے فاضل دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اس لحاظ سے خاص مدح کے قابل ہین، کہ وہ اس کام کی مشکل کو پوری طرح سمجھتے ہین، اور اس کا حل نکالنے کی فکر مین رہتے ہین، ابھی انھون نے ہندوستان کے اسلامی نظام تعلیم و تربیت پر ایک ضخیم تالیف شائع کی ہے، اور دکھایا ہے کہ مسلمانون نے ہندوستان مین گذشتہ زمانہ مین اس مشکل کو جس طرح حل کیا تھا، وہی اب بھی اس کے حل کا راستہ ہے،

آیندہ صفحون مین موصوف کا ایک مقالہ اسی موضوع پر آپ کے سامنے گذرے گا، جو خاکسار کی اس فرمایش پر لکھا گیا ہے کہ کم سے کم لفظون مین وہ اپنے خیالات کو اس طرح یکجا کرین کہ عام مسلمان بھی ان کو سمجھ سکین اور اس کے امکان پر غور کر سکین، اور ہو سکے تو آیندہ اسلامی نظام تعلیم کی ترتیب مین اس کو پیش نظر رکھا جائے،

مولانا موصوف کا کہنا یہ ہے کہ سرکاری دفتری زبان ہونے کی جو حیثیت آج انگریزی کو حاصل ہے کل وہی ملک مین فارسی کو حاصل تھی، اور عربی مین یونانی عقلی علوم کو جو درجہ پہلے حاصل تھا، آج جدید انگریزی عقلی علوم اور سائنس کو حاصل ہے، اس لئے جس طرح مسلمانون نے پہلے اپنے خالص مذہبی علوم فقہ و تفسیر و حدیث کی ایک

ایک دو دو کتابون کے ساتھ فارسی ادبیات اور یونانی عقلی علوم کو پیوند دے کر تمام اہل ملت کے لئے ایک نصاب تعلیم تیار کر لیا تھا، اسی طرح آج بھی ان خالص عربی علوم کی ایک ایک دو دو کتابون کو ملا کر انگریزی درسیات اور جدید عقلی علوم کا ایک ہی نصاب ایسا بنایا جا سکتا ہے، جو سارے مدارس اور اسکولون اور کالجون مین یکسان پڑھایا جائے،

اس نصاب کے ختم کرنے کے بعد جو لوگ مزید مذہبی علوم مین تحقیقی شان پیدا کرنا چاہین ان کے لئے تکمیل کا الگ زائد نصاب بنا لیا جائے اور جو جدید عقلیات اور انگریزی درسیات مین ترقی کرنا چاہین، ان کے لئے بھی راستہ تیار رکھا جائے، اس سے ایک طرف قوم مین علما اور تعلیم یافتون کی دورنگی کا خاتمہ ہو جائیگا، دوسری طرف مسلمان نوجوانون سے مذہبی بیگانگی کا عیب دور ہو جائے گا، اور تیسری طرف علما کی بیکاری کا خیال باطل ہو جائے گا، اور وہ بھی دوسرون کی طرح اگر چاہین گے تو دنیا کے کام مین بھی لگ سکین گے،

ضرورت ہے کہ اہل نظر حضرات اس تجویز پر غور کرین، اس وقت جمعیۃ العلما ہند بھی عربی مدارس کے نصاب کی اصلاح کی فکر مین ہے، اور اس کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر عمل مین آیا ہے، اور بعض تجویزین زیر غور ہین، اس لئے یہ وقت اس تجویز پر غور کرنے کے لئے بہت مناسب ہے،

ہندوستان مین عربی کتابون کی اشاعت کا کام بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے، ایک لے دے کر دائرۃ المعارف ہے، وہ بھی ان دنون جنگ کی مشکلات مین گرفتار ہے، اس سلسلہ مین بہار کے ایک شائق علم نے یہ جرأت کی ہے، کہ قدیم عربی کتابون کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک نیا ادارہ قائم کرین چنانچہ انھون نے اس کام کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا ہے کہ امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کے چھاپنے کا اہتمام کیا ہے، اور اس کا پہلا حصہ ۶۰ صفحون مین نواقض وضو تک پتھر پر چھاپا ہے، اور خریداری کے لئے اہل شوق کے سامنے پیش کیا ہے، یہ مسائل فقہیہ کی فقہ الحدیث کی حیثیت سے دائرۃ المعارف ہے، امید ہے کہ علم کے شائق، کتب خانون کے مدیر، اور عربی مدرسون کے مدرسین اس کو خرید کر ناشر کی ہمت بڑھائین گے،

پتہ :۔ شفیق احمد محلہ سکونت کلان، بہار شریف، ضلع پٹنہ،

مقالات

میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ

از
جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

مسلمانان ہند کے تعلیمی مشکلات کے حل کے متعلق خاکسار سالہا سال کے غور و فکر اور مختلف تعلیمی نظامون کے تجربہ کے بعد جن نتائج تک پہنچا ہے، ان ہی کا اظہار کتاب "نظام تعلیم و تربیت"[1] مین کیا گیا تھا لیکن اس کا افسوس ہے کہ جن تاریخی مواد کی روشنی مین اپنی ان تجویزون کو مین نے پیش کیا ہے، سوچا تو یہی تھا کہ سمجھنے مین لوگون کو اس سے مدد ملے گی لیکن احباب کے ایک بڑے طبقے کی طرف سے یہ شکایتین مسلسل موصول ہو رہی ہین، کہ اپنی تجویزون کو الگ کر کے کسی مختصر مضمون کی شکل مین اگر شائع نہ کرو گے، تو موجودہ حالت مین خود کتاب سے ان تجویزون کی صحیح اہمیت کا اندازہ لوگون کو نہ ہو سکے گا، ان ہی شکایتون کا ازالہ اس مختصر سے مقالہ سے مقصود ہے،

ابتدا ہی مین یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمان رہتے ہوئے اور جتنی الوسع اسلامی زندگی سے اپنی زندگی کو رکھتے ہوئے مسلمان کس طرح تعلیم حاصل کر سکتے ہین میری بحث کا دائرہ صرف اسی بحث تک سردست محدود ہے، چاہتا ہون کہ اپنی تجویزون کو پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کر دون کہ جن مشکلات کے تصور نے ان تجویزون کے سوچنے پر مجھے مجبور کیا ہے، وہ کیا ہین،

(۱) ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے برخاست ہو جانے کے بعد حکومت مسلطہ نے تعلیم کا جو نظام ملک مین (اسکولون اور کالجون وغیرہ) کے نام سے قائم کیا، مشاہدہ یہ بتا رہا ہے، کہ اس نظام کی تعلیم سے استفادہ کرنے والے مسلمانون مین بتدریج اسلام اور اسلامی زندگی سے بعد پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ واقعہ ہے کہ

---

[1] کتاب کا پورا نام "مسلمانان ہند کا نظام تعلیم و تربیت" ہی جس کی پہلی جلد تقریباً ۴۰۰ صفحات مین ادارہ ندوۃ المصنفین سے شائع ہو چکی ہے، اور دوسری جلد زیر طبع ہے، ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ سے مل سکتی ہے،

جن خاندانون مین جدید تعلیم تیسری اور چوتھی پشت تک اس وقت تک پہنچ چکی ہے، ان مین اسلام کا صرف نام رہ گیا ہے، عام ابتدائی باتین بھی ان لوگون کو اسلام کی معلوم نہین، یہ سنی ہوئی نہین دیکھی ہوئی بات ہے، کہ اچھے لکھے پڑھے لوگ جن کا نام بھی مسلمانون کا سا تھا، لیکن وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تک سے ناواقف نظر آئے، ظاہر ہے کہ اپنے دین سے جو اس حد تک دور ہو چکا ہو، وہ دین کی دوسری باتون سے کس حد تک واقف رہ سکتا ہے، یہ واقعہ ہے کہ جیسے جیسے دن گذرتے جاتے ہین، اس قوم کے نام نہاد مسلمانون کی تعداد بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے، اور حالات مین کوئی تغیر اگر خدانخواستہ واقع نہ ہوا تو یونہی یہ تعداد اور بڑھتی چلی جائے گی،

(۲) حکومت کا میلان عموماً تعلیم کے لزوم کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے، اس وقت تک تو اس تعلیم کے دائرے کو وسیع ہی کرنے پر حکومت قناعت کر رہی ہے، لیکن وہ دن دور نہین ہے، کہ ملک کے ہر باشندے کو مجبور کیا جائیگا کہ حکومت کے منظورہ نصاب کی تعلیم لزوماً اپنے بچے اور بچیون کو دلائے، جس کے معنی یہی ہو سکتے ہین، کہ عام مسلمانون کو تھوڑا بہت تعلق اسلام سے ابھی جو باقی ہے تعلیم کی وسعت اور اس کا لزوم اس تعلق کو بھی کمزور کرتا چلا جائیگا، تعلیم یافتہ طبقہ سے مایوس ہو کر علماے اسلام جن عام مسلمانون کی دینی عقیدت پر بھروسہ کئے ہوئے ہین، اس عقیدت کی عمر بھی زیادہ دراز نظر نہین آتی،

(۳) مذہب کے خلاف ہر زمانہ مین مختلف تحریکین مختلف بھیسون مین رونما ہوتی رہی ہین، ان تحریکون کا مقابلہ ہر زمانہ کے علما رنے ان تحریکون کی گہرائیون تک خود پہونچنے کے بعد کیا ہے، اور ہے بھی یہی بات کہ مرض کا علاج مرض کی صحیح واقفیت ہی کے بعد ممکن ہے، لیکن مرض کو مرض جیسی ناپاک چیز قرار دے کر اگر طبیب اس کے جاننے سے گریز کرے گا، تو مریضون کا علاج ہو چکا،

دراصل یہی تین باتین ہین جنھین دیکھ دیکھ کر شعوری اور غیر شعوری طور پر اسلام کے مخلصین بے چین ہین، خاکسار بھی ان حالات سے ہمیشہ متاثر رہا ہے، تیس چالیس سال کے اس طویل عرصہ مین کیا کیا تجویزین خود میری دماغ مین آئین، یا مجھ سے پہلے لوگون نے اس سلسلہ مین مشکلات کے حل کی جو تدبیرین سوچین ان سے بحث مین طوالت ہو گی، اس وقت جن تجویزون کو اپنے دماغ مین رکھتا ہون، اور تفصیلی ذکر جن کا اپنی کتاب تعلیم وتربیت مین مین نے کیا ہے ان کا خلاصہ صرف یہ ہے. کہ مسلمانون مین تعلیم کے جو دو مستقل نظام (حکومت مسلطہ) کے قیام کے بعد جاری ہو گئے ہین، اس کی دوئی اور اثنینیت کو توڑ کر صرف ایک ہی نظام کو قبول کر لیا جائے اسی لئے اپنی تعلیمی تجویز کا نام مین نے

"نظریۂ وحدتِ نظامِ تعلیم"

رکھا ہے،

مین نے اپنی کتاب مین بتایا ہے کہ حکومتِ مسلطہ سے پہلے مسلمانانِ ہند مین تعلیم کا جو نظام قائم تھا، عام طور پر "درس نظامیہ" کے نام سے جسے شہرت حاصل ہوگئی ہے، اس کے متعلق لوگون کا یہ خیال صحیح نہین ہے، کہ وہ مسلمانون کے صرف دینی تعلیم کا نظام تھا، میں نے تفصیل سے دکھایا ہے، کہ درحقیقت اس نصاب مین اس عہد کی دفتری زبان فارسی کی نظم و نثر و انشاء وغیرہ کی بیسیون کتابون کے ساتھ ساتھ حساب خطاطی وغیرہ کی مشق کرانے کے بعد اعلیٰ تعلیم عربی زبان کی کتابون کے ذریعہ دی جاتی تھی، ابتداء سے آخر تک اس زمانہ کے تعلیمی نصاب کے ختم کرنے کی مدت پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی، اور اس پوری مدتِ تعلیم مین درس نظامیہ سے فارغ ہونے والے علما صحیح معنون مین خالص دینیات کی کل تین کتابین پڑھا کرتے تھے، یعنی چند مختصر فقہی متون کے سوا قرآن کے متعلق جلالین (جو عربی زبان مین قرآن کا ترجمہ اور مختصر حل ہے) حدیث کے متعلق مشکوٰۃ اور فقہ کے سلسلہ مین گو بظاہر نام تو دو کتابون کا لیا جاتا تھا، یعنی شرح وقایہ اور ہدایہ لیکن عملاً ان کو ایک ہی کتاب سمجھنا چاہئے، کیونکہ کچھ ابواب شرح وقایہ سے اور کچھ ہدایہ کے اس طور پر پڑھا دیئے جاتے تھے، کہ جن ابواب کی تعلیم شرح وقایہ مین دی جاتی تھی ہدایہ کے ان ابواب کو نہین پڑھایا جاتا تھا، اسی لئے میں کہتا ہون کہ حکماً و عملاً یہ ایک ہی کتاب کی تعلیم تھی، زیادہ سے زیادہ میرے اس بیان پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے، کہ ڈھائی پارے قرآن کے تفسیر بیضاوی کی مدد سے بھی پڑھائے جاتے تھے، اولاً یہ ڈھائی پارے ہر جگہ نہین پڑھائے جاتے تھے، خیرآبادی خانوادے مین صرف سوا پارہ بیضاوی کا جزء نصاب تھا لیکن اگر مان لیا جائے کہ بیضاوی بھی قرآن کے متعلق ایک کتاب درس نظامیہ والون کو پڑھائی جاتی تھی، تو مطلب کیا ہوا؟ یہی تو کہ پندرہ سولہ سال کی مدت مین گویا خالص اسلامی دینیات کی چار کتابون کا پڑھنا دینی علوم سے مناسبت پیدا کرانے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا، ان چار کتابون کے سوا تعلیم کی اس طویل مدت مین طلبہ جو کچھ بھی پڑھتے تھے، فارسی (یعنی دفتری زبان) کی مذکورۂ بالا بیسیون نظم و نثر کی کتابون کے سوا منطق، فلسفہ، ہیئت، اقلیدس، ادب عربی، اور بعض ایسے عقلی و ادبی علوم جنھین خود مسلمانون نے ایجاد کیا تھا، یعنی علم کلام، اور علم اصول فقہ، معانی، بیان وغیرہ ان ہی علوم و فنون کی اتنی کتابون کا ختم کرنا ضروری تھا جن مین صرف منطق و فلسفہ کی کتابون کی تعداد آخر زمانہ مین چالیس پچاس سے متجاوز تھی،

مین نے بزرگون کے اسی طرزِ عمل کو پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا، کہ دینیات کی عمومی تعلیم کے لئے جب

تین یا زیادہ سے زیادہ چار کتابوں کا پڑھ لینا کافی خیال کیا گیا تھا، اور زیادہ وقت غیر دینی علوم ہی کی تعلیم میں صرف ہوتا تھا، تو آج بھی کیا یہ ممکن نہیں ہے، کہ غیر دینی علوم کے اس حصہ کو جس کے اکثر نظریات و مسائل مسترد ہو چکے ہیں، کم از کم دنیا میں ان کی مانگ باقی نہیں رہی ہے، ان کو نکال کر عصر جدید کے مقبولہ علوم اور عہد حاضر کی دفتری زبان انگریزی کے نصاب کو قبول کر کے مذہب کی تعلیم کو ان ہی تین کتابوں کے معیا کے مطابق باقی رکھتے ہوئے دینی اور دنیاوی تعلیم کے مدارس کی اس تفریق کو ختم کر دیا جائے،

میرا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے حکومت سے یہ استدعا کی جائے کہ جیسے پہلے ان کی تعلیم میں دین کا عنصر ہر زمانہ میں ایک لازمی اور ضروری مضمون کی حیثیت رکھتا تھا، اب بھی اس عنصر کو لازم کر دیا جائے اور اس طور پر لازم کر دیا جائے کہ جیسے درس نظامیہ سے فارغ ہونے والے 'دین کا علم ان کتابوں کے معیار کے مطابق اپنے پاس رکھتے تھے، اسی طرح بی اے کی تعلیم سے فارغ ہونے والے اس زمانہ میں بھی اس حد تک مذہب کے عالم ہو کر نکلا کریں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں پھر دینیات کے مدارس کے نام سے الگ عام مدرسوں کے قائم کرنے کی ضرورت مسلمانوں کو باقی نہ رہے گی، ہر عالم اس وقت گریجویٹ ہوگا، اور ہر گریجویٹ عالم، ملا ہی مسٹر ہوں گے اور مسٹر ملا، عالم و تعلیم یافتہ کی تفریق کا قصہ ختم ہو جائے گا،

یہ ہے خلاصہ اس تجویز کا جسے نظریۂ "وحدت نظام تعلیم" کے نام سے اپنی کتاب میں میں نے پیش کیا ہے، اور اس کے تمام پہلوؤں پر جہاں تک میرے امکان میں تھا، بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں، میری تجویز پر جو شبہات کئے جاتے ہیں، ان ہی کا جواب اس خلاصہ میں دیا جائے گا، پہلا شبہہ یہ ہے کہ دینیات کی ان تین کتابوں کے پڑھنے کے لئے عربی زبان سے کافی واقفیت ناگزیر ہے، اور عربی زبان کا سیکھنا آسان نہیں ہے، اسی کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عربی زبان کے الفاظ کا ایک حصہ تو وہ ہے جس میں مسلمانوں کی دینی چیزیں مثلاً قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ محفوظ ہیں، اس حصہ کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ اردو بولنے والی قوموں کے لئے عربی زبان کا یہ حصہ تقریباً مادری زبان کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی اسی پچاسی فی صدی الفاظ اس حصہ کے ہر اردو بولنے والے ہندی مسلمان کو باضابطہ عربی زبان سیکھے بغیر یوں ہی معلوم ہیں، چند اصولی باتوں کے جان لینے کے بعد اس عربی کو آدمی خود بخود سمجھنے لگتا ہے، البتہ عربی زبان کا وہ ذخیرہ جس میں ایام جاہلیت و عہد اسلامی کے شعراء کے اشعار یا محاضرات و مسامرات و انشاء اور خالص ادبی نثر و نظم کی کتابیں ہیں یقیناً دشوار ہے، لیکن اس عربی کے سیکھنے کی ضرورت ہر اس شخص کو

نہین ہے، جو اپنی واقفیت صرف اسلامی امور تک محدود رکھنا چاہتا ہے،

دوسرا شبہہ یہ کیا گیا ہے کہ صرف ان تین کتابون کے پڑھنے سے کیا اسلام کے دینی علوم مین ماہرانہ قابلیت اور تبحر کیا کوئی حاصل کر سکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ عام لزومی واقفیت اور چیز ہے، اور تبحر واختصاص کسی علم مین یہ بالکل ایک جداگانہ مقصد ہے، میری گفتگو صرف عام اور لزومی واقفیت تک محدود ہے، درس نظامیہ سے فارغ ہونے والے عام علماء کی واقفیت ومناسبت کا جو معیار اسلامی علوم کے متعلق ہونا تھا، یہ دعوی کیا گیا تھا، کہ ان تین کتابون کو صحیح طور پر پڑھ لینے کے بعد امید کیجاتی ہے، کہ اب بھی ان کے پڑھنے والے واقفیت ومناسبت کے اس معیار تک پہنچ سکتے ہین،

باقی تبحر واختصاص اور ان علوم مین سے کسی خاص علم مین مہارت خصوصی کا مالک ہونا اس کے لئے ظاہر ہے کہ خصوصی مدارج کی تعلیم کی یقیناً ضرورت پڑے گی، جیسے غیر دینی علوم کے معیار کو خصوصی کلاسون کی تعلیم سے بلند کیا جاتا ہے، وہی طرز عمل ہم اسلامی علوم کے متعلق بھی اختیار کر سکتے ہین، بلکہ قطعاً اختیار کرنا چاہئے،

تیسرا شبہہ یہ کیا گیا ہے کہ مسلمانون کے ارباب فکر ونظر نے اب تک جو کچھ سوچا سمجھا لکھا پڑھا تھا دین سے ان کا خواہ تعلق نہ بھی ہو، تو کیا ان کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا مناسب ہوگا، علی الخصوص ایسے علوم جن کا دین سے گونہ تعلق بھی ہے، خصوصاً جن فنون کو مسلمانون نے اسلام ہی کی صحیح تشریح وتوضیح کے لئے ایجاد کیا تھا، مثلاً اصول فقہ، کلام، یا بیان ومعانی وبدیع وغیرہ کا جو حال ہے، مین نے اس کا اپنی کتاب مین بھی جواب دیا ہے کہ ان علوم کو زندہ رکھنے کے لئے یہ مناسب ہوگا، کہ دوسرے اختیاری مضامین کے ساتھ ان مضامین کو بھی اختیاری مضامین کے ذیل مین رکھ دینا کافی ہوگا، کچھ لوگون کا پڑھنا پڑھانا ان کی بقاء وارتقاء کے لئے کافی ہے،

بلکہ عربی زبان کے دوسرے ادبی حصہ کے متعلق بھی میرا یہی خیال ہے، کہ ان کو بھی اختیاری مضامین مین شریک کرکے زندہ رکھا جائے لیکن ہر مسلمان کو میلان باقی رہنے کے لئے خصوصاً موجودہ حالات مین یعنی دماغ کی تعلیمی بیداری کے بعد اس عربی کی لزومی تعلیم قطعاً ضروری نہین ہے،

ایک شبہہ یہ بھی کیا جاتا ہے، کہ موجودہ مغربی تعلیمگاہون کے نصاب مین دینیات کی تعلیم کے لازم کر دینے کے بعد بھی اس کی توقع کی جا سکتی ہے، کہ پڑھنے والون کی زندگی اسلامی زندگی بن جائے گی،؟ کیا ان کا جو ماحول ہے، اس کے سمی اثرات کے ازالہ کے لئے صرف تعلیم کافی ہے؟ بلاشبہہ یہ آخری سوال بڑا جانگسل

زہرہ گداز اور حوصلہ شکن سوال ہے، ماحول حکومت کے نقطۂ نظر کا تابع ہوتا ہے، جب تک حکومت غیر اسلامی ہو اس کے پیدا کردہ ماحول مین اسلام کی قدر و عزت کی توقع غلط توقع ہے، لیکن پھر کیا کیا جائے، کیا مسلمانون کو اسی حال مین چھوڑ دیا جائے؟ میرا خیال ہے کہ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ اثر قلوب پر ضرور پڑتا ہے خصوصاً اگر پڑھانے والون مین اثر کو متعدی کرنے کا سلیقہ ہو، اسی کے ساتھ طبائع بھی ایک طرح کے نہین ہوتے اسی مخالفانہ ماحول سے آخر مولانا عبد الماجد دریاآبادی مولانا محمد علی مرحوم، ڈاکٹر اقبال مرحوم جیسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہین، جب ناواقفیت کے باوجود اسلام نے ان لوگون کو اتنا متاثر کیا، کہ بالآخر ان کو صحیح اسلام سے واقف ہونا پڑا، تو پھر خدا کی رحمت سے ناامیدی کی راہ کیون اختیار کی جائے، ہو سکتا ہے کہ قرآن کی پیغمبر کی زندگی کی، اسلامی نظامِ حیات (فقہ) کی تعلیم ان کو خود متاثر کرے، سب کو نہین تو بعض کو تو انشاء اللہ ضرور متاثر کرکے رہے گی، اور ان بعض کا تاثر انشاء اللہ دوسرون کے متاثر ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے،

بلکہ تعلیمی نظام کی وحدت کے ساتھ ساتھ مسلمان محکومیت کے اس دور مین اتنا کام اسی تعلیم کے متعلق اپنے ذمہ اگر ادا کرلے لین، یعنی ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ مسلمان طلبہ کے لئے خاص اسلامی اقامت خانے بھی قائم کئے جائین، اور ان اقامت خانون کی نگرانی اربابِ تقوی و دیانت کے سپرد کی جائے، ان کا ماحول بالکلیہ اسلامی ماحول رکھا جائے گا، تو جو اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے، اس کے علاج کی ایک کافی کارگر صورت یہ بھی ہو سکتی ہے،

علاوہ ان تمام باتون کے ایک چیز اس سلسلہ مین قابلِ غور یہ بھی ہے کہ انگریزی جوامع اور مغربی طرز کی یونیورسٹیون کے ماحول پر اگر ہم قابو نہین پا سکتے، تو آج مسلمانون کے جو دینی مدارس ہین، ان مین جب جدید نصاب کو جاری کر دیا جائے گا، تو ان کے ماحول تو ہمارے زیر اقتدار رہ سکتے ہین، جدید علوم و فنون اور سرکاری عصری زبان کی تعلیم کے لئے مدرسین ان مدارس مین ایسے منتخب کئے جائین، جو نام کے ساتھ کام بھی مسلمانون کا کرتے ہون، بحمد اللہ اب ان کی ایک کافی تعداد ملک مین پیدا ہو چکی ہے، تلاش سے ایسے لوگ مل سکتے ہین، اور بالفرض سردست نہ بھی ملین تو ایسی صورت مین میرا خیال ہے کہ بجائے ملحد اور بے دین نام نہاد مسلمانون کے غیر اقوام کے اہلِ علم کا تقرر کرکے ہم خود اپنے یہان ایسے لوگ پیدا کر سکتے ہین، جو آگے چل کر خود ہمارے قدیم مدارس مین جدید علوم و فنون کی تعلیم کا کام انجام دے سکتے ہین، مین ملحد مسلمانون سے غیر اقوام کے

دھرمی معلمون کو اس باب مین زیادہ بہتر سمجھتا ہون،

آخری بات اس سلسلہ مین ابتدائی تعلیم کے متعلق میری جو تجویز ہے، اس کا پیش کرنا ہے،

میرا خیال ہے کہ مسلمانون پر عربی تعلیم کے لزوم کا مطالبہ شروع ہی سے حکومت کے آگے پیش کرنا چاہئے لیکن عربی پڑھانے کا طریقہ یہ اختیار کرنا چاہئے، کہ پہلے بچون کو بغدادی قاعدہ کے اصول پر عربی حروف ہجا سے آشنا کیا جائے اور اسی طرح آشنا کیا جائے کہ جیسے اس وقت تک کیا جاتا ہے، پھر ناظرہ قرآن بھی ہر بچے کو اسی طرح پڑھایا جائے، جیسے اب تک رواج ہے، قرآن کے بعد یا موقع ہو تو قرآن کے ساتھ ان ہی عربی حروف کی دوسری شکل یعنی خطِ نستعلیق[۱] سے بھی ان کو آشنا کیا جائے، یعنی اردو پڑھائی جائے، اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ خواندگی کی قدرت بچے مین اردو کی پیدا ہو چکی ہے، آیندہ اردو کو چھوڑ کر فارسی کے آمد نامہ اور کچھ تھوڑی بہت مناسبت اس سے پیدا کرا کے عربی مین طلبہ کو لگا دیا جائے یہی عربی پڑھتے ہوئے بی اے تک پہنچ گی، اور اسی سلسلہ مین کچھ تھوڑی بہت ابتدائی عربی کے بعد دینیات کی مذکورۂ بالا درسِ نظامیہ والی کتبِ ثلثہ کے ختم کرانے کی کوشش کی جائے گی، عربی زبان کی تعلیم کا مطلب دینیات کی ان ہی تین کتابون کا پڑھانا ہوگا،

میری تجویز کا یہ اجمالی خاکہ ہے، زہین تفصیلات تو اصول کے طے پا جانے کے بعد ان کا مسئلہ چندان دشوار نہیں ہے، مشورہ سے ان تفصیلات کو مرتب کیا جا سکتا ہے، البتہ اجمالاً چند کلی باتین اس سلسلہ مین بھی جو میری سمجھ مین آئی ہین، اگر عرض کر دون تو نامناسب نہ ہوگا،

(۱) تعلیم کی مدت اگر وہی باقی رکھی جائے جو اس وقت یونیورسٹیون مین مقرر ہے تو میٹرک تک عربی کے اس سلسلہ کو اس طریقہ سے پہنچانا چاہئے کہ میٹرک پاس کرنے والے معنی اور مختصر مطلب کے ساتھ قرآن ختم کر لین اور انٹرمیڈیٹ پاس کرنے والون کو مشکوٰۃ یا اسی قسم کی کوئی کتاب مجموعۂ حدیث کی پڑھا دی جائے، اور بی اے پاس کرنے والون کو فقہ کے متعلق اتنے معلومات حاصل کر لینا چاہئے، جو شرح وقایہ اور ہدایہ کے پڑھنے

---

[۱] نستعلیق یا فارسی حروف سے طلبہ کو آشنا کرنے کی ضرورت بھی اسی وقت تک ہے، جب تک طباعت کے لئے نسخ کے حروف کو اردو کے لئے تسلیم نہین کیا گیا ہے اگر یہ مسئلہ طے ہو گیا تو پھر اس کی بھی چندان ضرورت باقی نہین رہے گی، البتہ لکھنے کی حد تک نستعلیق کو باقی رکھنا چاہئے، انگریزی مین طباعت اور کتابت کے حروف کی شکل جیسے ذرا بدلی ہوئی ہے، یہی طرزِ عمل ہم بھی اختیار کرین گے، نسخ طباعت کے لئے اور نستعلیق کتابت کے لئے، ۱۲

سے حاصل ہو سکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دینیات کی جن تین کتابوں کا تذکرہ شروع سے میں کرتا چلا آرہا ہوں ان میں سے قرآن کو تو بہرحال قرآن ہی کے ذریعہ سے پڑھانا چاہئے، لیکن مشکوٰۃ و ہدایہ وغیرہ کا تذکرہ میں نے تمثیلاً کیا ہے، مقصود معیار کو متعین کرنا ہے یعنی ان کتابوں کے پڑھ لینے کے بعد حدیث و فقہ میں جتنی دسترس کے حاصل ہونے کی توقع کی جاتی ہے، اسی کو کسی ذریعہ سے حاصل کرنا چاہئے، املا کا طریقہ اگر مفید سمجھا جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے، اور اگر یہ خیال ہو کہ کتاب کے ذریعہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو کتابی تعلیم کے اس طریقہ کو باقی رکھا جائے جو اب تک عربی مدرسوں میں جاری ہے،

(۲) میرا خیال ہے کہ وحدتِ تعلیم کے نظریہ پر اگر اتفاق کر لیا جائے تو عربی کے عام مدارس کو مدارس فوقانیہ (ہائی اسکول) کی شکل میں بدل دیا جائے، جن میں دینیات کی تعلیم صرف قرآن پڑھانے تک ختم ہو جائے گی، البتہ بعض بڑے تعلیمی مراکز ان کے تحتانی درجوں کو تو ہائی اسکول کی حیثیت دے دی جائے، اور ان بڑے مراکز میں سے مختلف مرکزوں کو مختلف دینی و اسلامی علوم کی تکمیل کی تعلیم گاہ بنا دی جائے جہاں عام یونیورسٹیوں کے فارغ شدہ طیلسانیوں کو دینی علوم میں سے کسی خاص علم مثلاً تفسیر یا حدیث یا فقہ یا کلام میں اعلیٰ تکمیلی تعلیم کے حاصل کرنے کا موقع مل سکتا ہو، ہو سکتا ہے کہ تفسیر کے لئے ندوہ کو اور حدیث کے لئے دیوبند کو مختص کر دیا جائے، اور فقہ کے لئے فرنگی محل میں کوئی تکمیلی ادارہ قائم کیا جائے، کلام اور تصوف کے لئے اجمیر شریف میں انتظام کیا جائے، جہاں اس وقت بھی سرکار نظام کی طرف سے عربی کا ایک بڑا مدرسہ قائم ہے،

اس مختصر سے مضمون میں جن باتوں کا اجمالاً تذکرہ مقصود تھا وہ ختم ہو چکیں، آخر میں یہ بھی کہدینا چاہتا ہوں کہ بعضوں نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حکومت مسلمانوں کے اس تعلیمی مطالبے کو کیا تسلیم کرے گی،؟ اس کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک مطالبوں کے تسلیم کرنے پر اس زمانہ میں جب حکومت کو مجبور کیا جا سکتا ہے، تو مسلمانوں کا صرف اتنا مطالبہ کہ ایسی تعلیم جو بتدریج ہماری نسلوں کو غیر مسلم بناتی چلی جا رہی ہے، اس تعلیم میں اتنی ترمیم کر دی جائے جس سے ارتداد و بے دینی کے اس سیلاب کا انسداد ممکن ہو جائے تو یقیناً کوئی ایسا مطالبہ نہیں ہے، جسے خواہ مخواہ حکومت مسترد کرنے پر ضد کرے گی، ممکن ہے کہ ہندوستان اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات کو حیلہ بنا کر پیش کیا جائے، لیکن اس حیلہ کا جواب بآسانی دیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بھی مناسب ہوگا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی میں یہ تحریک جو ہندو لیڈروں نے پیش کی تھی، پاس ہو گئی ہے، کہ سنسکرت زبان کی تعلیم

ہندو طلبہ کے لئے لازم کر دی جائے گو مسلمانون کی طرف سے کوئی ہونے والا کھڑا نہ ہوا لیکن تعلیمی وزن کو برابر کرنے کے لئے مسلمان طلبہ پر بھی ان کی کلاسیکل زبانون (عربی وفارسی) مین سے کسی زبان کا لینا ضروری قرار دیا گیا ہے، نہ جاننے کی وجہ سے کیئے یا خود مولویون کی طرف سے عربی کی دشواری کی غلط شہرت عموماً بجائے عربی کے فارسی ہی کے لینے پر طلبہ کو سُنا ہے کہ آمادہ کر رہی ہے، اگر یہ واقعہ ہے اور جن ذرائع سے یہ خبر مجھ تک پہنچی ہے، اس مین شک کی بظاہر کوئی وجہ بھی نظر نہین آتی، تو یون سمجھئے کہ جس مطالبہ کی منظوری مین لوگ مایوسی کا اظہار کر رہے ہین، حکومت اس مطالبہ کو منظور کر چکی ہے، کلاسیکل زبان کی تشریح وتفصیل خود ہم مسلمانون کو اسی شکل مین کرنا چاہئے جس کا ذکر اپنی تجویز مین خاکسار نے کیا ہے جس مین اردو فارسی وعربی تینون زبان کی تعلیم عربی زبان کی تعلیم کی عملی شکل ہو گی، مین سچ کہتا ہون کہ اردو زبان کے مسئلہ کو بھی اسی تعبیر اور اسی تدبیر سے ہم بغیر کسی کش مکش کے باسانی حل کر سکتے ہین مین نے اپنی کتاب مین لکھا ہے کہ اردو کو مضبوط اور قوی کرنے کا صحیح ذریعہ نہین ہے کہ اردو کی ایک کتاب کے بعد اردو ہی کی دوسری کتاب مسلسل بچون کو پڑھائی جائے، بلکہ اردو کو قوی کرنے کے لئے ضرورت ہے فارسی سے مناسبت پیدا کرانے کی، اور فارسی مین قوت وہی حاصل کر سکتا ہے جس نے عربی زبان سیکھی ہو، پانی مین پانی ملاتے چلے جانے سے کوئی نئی کیفیت پیدا نہین ہو سکتی، اسی طرح اردو کی ایک کتاب کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کے پڑھانے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جو وقت اردو کے پڑھانے مین صرف کیا جاتا ہے اسی وقت مین اردو کے بعد فارسی، اور فارسی کے بعد عربی سے طلبہ کا لگاؤ پیدا کیا جائے، یہ اردو ہی کے قوی کرنے کا ایک کارگر بے خطا نسخہ ہوگا،

بعض بزرگون نے میری تجویز پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ علوم جدیدہ خصوصاً سائنس کیمیا وغیرہ جیسے علوم کی تعلیم بہت پُرمصارف ہے، عربی کے غریب مدارس سے ان مصارف کی پابجائی ناممکن ہے لیکن خاکسار یہ کب کہتا ہے کہ عربی مدارس مین ان علوم کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، میری تجویز تو یہ ہے کہ دینیات کی تعلیم کو ان مدارس مین منتقل کر دیا جائے جہان حکومت نے جدید علوم وفنون کی تعلیم کا نظم کر رکھا ہے، چاہیے تو کہہ سکتے ہین کہ اسلامی مدارس کو انگریزی مدارس نہین، بلکہ انگریزی مدارس کو مین چاہتا ہون کہ مسلمان بنا لیا جائے، رہے عربی مدارس سو عرض کر چکا ہون کہ غیر مرکزی مدارس جو عموماً اس وقت شہرون اور قصبون مین قائم ہین، ان کو قرآن کی بامعنی تعلیم کا مدرسہ قرار دے کر جدید علوم وفنون کا ہائی اسکول مسلمانون کے لئے بنا لیا جائے اور اسلامی علوم کی تکمیلی تعلیم کا مرکز عربی کے مختلف مرکزی مدارس کو قرار دے دیا جائے،

اس وقت ہر صوبہ مین شہر کا سے وطن کے سینکڑون فوقانی مدارس یعنی ہائی اسکول قائم ہین، لیکن

مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ بعض صوبوں میں تو ان کا کوئی اسلامی اسکول ہی نہیں ہے اور جہاں کہیں ہیں بھی تو ان کی تعداد وشمار اسے وطن کے قائم کردہ اسکولوں کی تعداد کے مقابلہ میں صرف صفر کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن جو تجویز پیش کی گئی ہے، اگر عمل کا قالب اس نے اختیار کیا تو مسلمانوں کے اسکولوں کی تعداد بھی اپنی آبادی کی نسبت سے کم نہ رہے گی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس مناسبت سے ان کی تعداد بڑھ جائے، کیونکہ مشکل ہی سے ہندوستان کے کسی صوبہ کا کوئی ضلع، ضلع کا کوئی ایسا تعلقہ برٹش انڈیا یا خصوصاً شمالی ہند میں ایسا ہوگا، جہاں کسی نہ کسی قسم کا عربی مدرسہ نہ قائم ہو، جدید علوم وفنون کی تعلیم کو قبول کر لینے کے بعد حکومت کا محکمۂ تعلیمات مالی اعانت پر مجبور ہوگا، میں خیال کرتا ہوں کہ حکومت کی مالی اعانت اور چندوں سے جو امداد اب تک ان مدارس کو مل رہی ہے، ان دونوں قسم کی رقوم سے بآسانی ہمارے عام عربی مدارس اچھے ہائی اسکولوں کی شکل اختیار کر لیں گے، کہنے کو تو یہ ہائی اسکول کہلائیں گے، لیکن دراصل قرآن پڑھانے اور سمجھانے کے یہ مدارس ہوں گے، علما ہی کی نگرانی میں عموماً چونکہ یہ مدارس ہوں گے اس لئے توقع کی جاتی ہے اکہ تعلیم کا یہ ابتدائی دور مسلمان بچوں کا اسلامی ماحول ہی میں گذرے گا، باوجود اختصار کی شدید کوشش کے مضمون میں پھر بھی کافی طوالت پیدا ہوگئی، لیکن کیا کروں ضروری چیزوں سے خاموشی اختیار کرنے پر دل راضی نہیں ہوتا، آخر میں اتنی بات جس پر اپنی کتاب میں میں نے کافی بحث کی ہے، اور بھی کہہ دینی چاہتا ہوں کہ مسلمانان ہند کی تعلیم کے ان دو مستقل نظاموں کو ختم کرکے ایک ہی نظام تعلیم عمومی کا اگر نہ قائم کیا جائے گا، تو اس علمی رقابت کی وجہ سے جو ان دونوں نظاموں سے استفادہ کرنے والے طبقات میں پیدا ہوگئی ہے، روز بروز اس میں اور شدت پیدا ہوتی چلی جائے گی، اس کا خاتمہ نہیں ہوسکتا، آج تو اس کے نتائج چنداں اہم نہیں محسوس ہوتے ہیں لیکن خدانخواستہ بات اگر یوں ہی بڑھتی رہی، تو کچھ بعید نہیں ہے کہ مسلمانوں ہی میں مذہب اسلام کے دشمن اس لئے پیدا ہوجائیں، کہ مذہب کے نمایندوں سے ان کے قلوب میں نفرت بڑھ رہی ہے، بالکل ممکن ہے کہ مذہبی نمایندوں کی یہ نفرت خدانخواستہ خود مذہب سے نفرت کا ذریعہ بن جائے (لا فعلہ اللہ) میرا خیال ہے کہ ملا اور مسٹر یا عالم اور تعلیم یافتہ کی تفریق کا جہاں تک جلد ممکن ہو خاتمہ کر دینا چاہئے اور نظام تعلیم کی وحدت کے سوا اس کا بظاہر کوئی دوسرا علاج کم از کم میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے،

بلکہ آج اپنے مذہب اور مذہب کی اساسی کتابوں سے ناواقف تعلیم یافتہ مسلمانوں کو یہ دھوکا جو دیا جارہا ہے، کہ جس شکل میں مذہب ان کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، یہ مولویوں کا خود تراشیدہ مذہب ہے، اس

مغالطہ کے ازالہ کی شکل بھی یہی ہے کہ ہر پڑھے لکھے مسلمان مین اس کی صلاحیت پیدا کر دی جائے، کہ اپنے دین کی بنیادی کتابون کا وہ خود مطالعہ کر سکے، جو تجویز خاکسار نے پیش کی ہے انشاء اللہ اس سے یہ توقع پوری ہو جائے گی،

یہ خدشہ کہ جدید تعلیم یافتہ طبقات کو قرآن وحدیث سے واقف بنانا

دادن تیغے بدستے راہ زن

کے انجام کو کہین نہ پیدا کرے، بظاہر بے بنیاد خطرہ نہیں ہے، بلکہ اوّلاً قرآن کی لاہوتی قوت پر اعتماد کرنا چاہیے، تجربہ اس کا مصدق ہے کہ انسانی دماغ کی منطق کے سلجھانے مین قرآن سے زیادہ کارگر کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی، یہ درست ہے کہ مغربی تعلیم کے باطنی رجحانات آدمی کی فطرت کو سلامتی وصحت کے نقطۂ اعتدال سے ہٹا دیتے ہین، اور اسی لئے

ہرچہ گیرد علتی علت شود

کا خطرہ غلط نہین ہے، ڈر ہے کہ مذہب بھی ان کے ہاتھون مین پہنچکر علت کی شکل نہ اختیار کرے، لیکن پہلے بھی مین نے کہا ہے کہ ہمین یہ امید رکھنی چاہئے کہ ان ہی الجھے ہوؤن مین سے انشاء اللہ سلجھے ہوئے بھی نکلتے رہین گے، اور بگڑے ہوؤن کو درست کرنے کا کام بھی انشاء اللہ وہی انجام دین گے، بہرحال مذہب اور مذہبی تعلیم کی عمومیت سے گریز میرے نزدیک تو برہمنیت ہے، اسلام نے ان خطرات کا مقابلہ کیا ہے، ہمارا کام صرف یہ ہے کہ جس حد تک عمومیت اس کی تعلیم مین پیدا ہونے کا امکان ہو، اس سے نفع اٹھائین، اور اس قسم کے خطرات کو خدا کے سپرد کرین، اپنے آخری دین کی بہرحال وہ حفاظت فرمائے گا، واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون،

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام
اور
ان کی فارسی تصانیف

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب (علیگ) رفیق دار المصنفین

تمہید گذشتہ دسمبر ۱۹۴۲ء مین استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندوی دامت معالیہ نے مدراس مین انڈین ہسٹری کانگرس کے خطبۂ صدارت مین فرمایا تھا کہ صوفیہ کرام کی تصانیف ہندوستان کے اسلامی عہد کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی تاریخ کے لئے ایسی ضروری ہین کہ ان کے بغیر ان تینون پہلوؤن کی تصویر واضح نہین ہوسکتی، ہندستان کے اسلامی دور مین دو قسم کی بادشاہت ساتھ ساتھ قائم تھی، ایک تخت و تاج کے حکمرانون کی اور دوسری خانقاہ کے بوریانشینون کی، ایک توپ و تفنگ سے مملکت زیرنگین کرتے تھے، اور دوسرے اپنے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کے ذریعہ انسانی قلوب کو تسخیر کرتے تھے، اور آج یہ کہنا مشکل ہے کہ دونون مین کس کے اثرات زیادہ غالب رہے، ذیل کے صفحات مین سلاطین دہلی کے زمانہ کے اکابر صوفیۂ کرام اور ان کی فارسی تصانیف کے اجمالی مطالعہ کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤن کے رزم و بزم سے علٰحدہ ہوکر ہم یہ دیکھین کہ خانقاہ کے درویشون اور بے تاج کے بادشاہون نے اپنے علم و عمل سے ہندستان مین تصوف کو کس رنگ مین پیش کیا، اور اس کے ذریعہ اس عہد کے مسلمانون کے مذہب، اخلاق و معاشرت اور تمدن کو کس طرح سنوارنے کی کوشش کی، اس لئے اس مضمون مین بادۂ تصوف کے لذت شناسون کو صوفیانہ مسائل کے غامض اور دقیق مباحث نہ ملین گے، جس کے لئے راقم سطور ان سے معذرت خواہ ہے، اور بارگاہ ایزدی مین دست بدعا ہے کہ جس غرض سے یہ سطرین لکھی گئی ہین، اس مین اس کو کامیابی کی سعادت عطا فرمائے۔

وَمَا توفیقی اِلّا باللّٰہ العلیّ العظیم؛

ابو الحسن علی ہجویریؒ ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ فارسی زبان کی قدیم ترین صوفیانہ تصنیف کشف المحجوب

کا مصنف اسی سرزمین مین آسودۂ خواب ہے،

کشف المحجوب کے مصنف کا اسم گرامی ابو الحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی الہجویری الجلابی اللاہوری ہے، ہجویر اور جلاب غزنین کے دو قریے ہین، شروع مین ان کا قیام یہین رہا، اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے آخر زندگی مین لاہور آ کر رہے، اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے، پیدائش ۴۰۰ھ مین بتائی جاتی ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن عبد الرحمن بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضی،

ان کے ابتدائی حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہین ہے، ابو العباس بن محمد الاشقانی کے ذکر کے سلسلہ مین لکھتے ہین، کہ "اندر بعضے علوم استاد من بود"[1] مگر کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی علمی استعداد غیر معمولی تھی، ملا جامی ان کے علمی تبحر کے معترف ہین،

ان کے شیخ کا نام ابو الفضل بن حسن ختلی ہے، ایک ضمنی موقع پر اپنے شیخ کے حال مین وہ خود لکھتے ہین:

تعلیم تفسیر و روایات و اندر تصوف مذہب جنید داشت، مرید حصری بود و صاحب سروانی واز اقران ابو عمرو قزوینی و ابو الحسن بن سالبہ بودہ است و شصت سال بحکم عزلتی بگوشہا اندر می گریخت و نام خود از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر بجبل لکام (؟) بود، عمر نیکو یافت و دیرا آیات و براہین بسیار بود، اما لباس و رسوم متصوفہ نداشتی، و با اہل رسم سشدید بودے و من از وے ہیبت ترسے ندیدہ بودم"۔

روحانی کسب کمال کے لئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہان کے اولیاے عظام مثلاً ابو القاسم قشیری، ابو القاسم گرگانی اور ابو سعید ابو الخیر کی روح پرور صحبتون سے مستفیض ہوئے ان مشائخ کبار کا ذکر ایک مستقل باب مین لکھا ہے،

[1] ان کے حالات تذکرون مین نہین ملے، ہجویری نے خود لکھا ہے:-

اندر فنون علم اصولی و فروعی امام بود، و اندر ہمہ معانی برسیدہ و مشائخ بسیار را دیدہ از کبار و اجلہ اہل تصوف بود و راہ خود را بفنا عبارت کردی بعبارت مغلق ودی بدان مخصوص بود، و یدم اگر دہے از جہلہ کہ بدان عبارت وی تقلید کردہ بودند و شطحات وے بدست گرفتہ و تقلید معنی ناستودہ بود بعبارت چگونہ باشد، مرا با وے انسے عظیم بود و برا بر من شفقتی صادق،

خراسان مین وہ تین سو مشائخ سے ملے،

اس سیر و سیاحت کے بعد لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے، حضرت نظام الدین اولیا، سے روایت ہے کہ وہ لاہور اپنے مرشد کے حکم سے آئے، ان کے آنے کے قبل ان کے پیر کے مرید شیخ حسین زنجانی لاہور مین مقیم تھے، مگر جس شب کو وہ لاہور پہونچے، اسی شب مین شیخ حسین زنجانی نے انتقال فرمایا،

آخر زندگی تک لاہور مین قیام پذیر رہے، اور یہین دفن ہوئے، سن وفات ۴۶۵ھ ہے، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے ان کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کرکے رخصت ہونے لگے، تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا

کاملان را پیر کامل ناقصان را رہنما

خزینۃ الاصفیار کے مصنف کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے عوام داتا بخش کہتے ہین، حضرت فریدالدین گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے آپ کا مزار پرانوار ہر زمانہ مین مرجع خلائق رہا ہے،

دارا شکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے:-

" خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آن روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفہ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد بحصول می انجامد فقیر نیز بزیارت روضۂ منورہ ایشان و والدین خال ایشان مشرف گشتہ"[۲]

کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات مین سے حسب ذیل کتابون کے نام ملتے ہین:-

(۱) منہاج الدین اس مین اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابون کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہین، (۲) کتاب الفنا، والبقا، (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ،

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب مین اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابون کا پتہ چلتا ہے:-

---

[۱] فوائد الفوائد ص ۳۵، نولکشور پریس لکھنؤ [۲] سفینۃ الاولیا ص ۲۰۳،

"پیش ازین اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتبے ساختہ ام"

"من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"

لیکن ان کتابون مین سے اب کسی کا بھی پتہ نہین ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے، کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جابجا ذکر فرماتے ہین، حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کی تصنیف لطائف اشرفی مین اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہین :-

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ درین فن است و لطائف وحقائق دران کتاب جمع کردہ است"[۲]

دارا شکوہ لکھتا ہے :-

"حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور ومعروف است، وہیچ کس رابرآن سخن نیست ومرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابے تصنیف نشدہ"[۳]

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہین، اسی کے جواب مین شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤن پر روشنی ڈالی ہے جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان مین پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کئے جاتے ہین،

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب مین پانچ فصلین ہین، شروع مین کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی مین علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور

---

[۱] در نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی، مین نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبد الماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے جنھون نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل تبصرہ لکھا ہے [۲] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [۳] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۲،

درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندوں کا علم ایسا ہونا چاہئے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمۂ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا، اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا،

ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے، اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے،

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت،

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے، اور حضرت ابو بکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے، کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہوگیا،

دوسرا باب، فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقیر کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے، اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الٰہی

کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزون کو نظرانداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونون جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے مین رکھے جائین، تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہون، اور اس کی ایک سانس دونون عالم مین نہ سمائے،

دوسری فصل مین صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا، فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہین، اور دوستی مین ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہین،

شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات مین مماثلت کی کوشش آپس مین برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لئے دونون مین مماثلت ممکن نہین، غنی خدا کے منجملہ اور نامون کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لئے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہین ہو سکتا، بندہ کے غنا، کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا، مین حدوث و تغیرات ہوتے ہین، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہین، وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا، کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد ہجویریؒ نے غنا، کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہین،

مگر ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہین، الغنی مَن اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لئے غنی باللہ فاعل ہے، اور اغناہ اللہ مفعول ہے، فاعل بالذات تمام ہوتا ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت مین غفلت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر مین حرص، اس لئے بندہ اگر غنی ہے، تو اس کو غافل نہ ہونا چاہئے، اور اگر فقر رکھتا ہو، تو اس کو حریص نہ ہونا چاہئے، ہجویریؒ کے نزدیک غنا مین دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر مین دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزون سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونون نام اس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہین،

تیسری فصل مین فقر و فقیر سے متعلق مشائخِ عظام کے جو اقوال ہین، ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے،

مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہین کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدون کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، ہجویری نے اس کی تشریح یہ کی ہے، کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اوس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے، اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابو الحسن نوریؒ فرماتے ہین کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت مین سکوت کرے، اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لئے بے چین ہو، شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کے رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا، تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا، مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہین کرتا، اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسرے دن کو دیکر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہین رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہین ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے،

تیسرے باب مین صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس مین بھی تین فصلیں ہین،

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے، کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صفِ اول مین رہتا ہے، اسی لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہین کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہین، مگر ہجویریؒ نے ان مین سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہین، کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہین، کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتون سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت مین صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہین،

اہلِ تصوف کی تین قسمین قرار دی ہین،

(۱) صوفی : جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات مین بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، (۲) متصوف :- جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور

اس تلاش مین اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف :- جو شخص مال و منال اور جاہ و حشمت کے لئے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے،

پس صوفی صاحبِ وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحبِ اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحبِ فضول ہوتا ہے،

دوسری فصل مین ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہین، جن سے ان کے مذکورۂ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوری فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہین جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہوگیا ہو اور نفسانی آفتون سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہانتک کہ غیر خدا سے بری ہوکر وہ صف اول اور درجۂ اولی میں پہنچ جاتے ہین،

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی مین صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہین ہوتی ہے، اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے،

حضرت شبلی کا قول ہے، کہ صوفی وہ ہے کہ دونون جہان مین خدائے عزوجل کے سوا کوئی چیز نہ دیکھے ہجویریؒ نے اس کی تشریح کرکے بتایا ہے، کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا، تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا،

اس بحث مین ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے، کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتون پر ہے، جس سے آٹھ پیغمبرون کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف مین سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہون، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو،

تیسری فصل مین ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہین، بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا یا رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمین ہین،

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہوکر پورا کرنا، (۲) بڑون کی عزت کرنا اور چھوٹون کیساتھ شفقت سے پیش آنا

اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشون کا اتباع نہ کرنا،

چوتھے باب مین صوفیون کے لباس پر تین فصلون مین بحث کی ہے، صوفی سنت رسول کی پیروی مین کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لئے ہجویری ؒ نے بہت سی شرطین مقرر کی ہین، گدڑی پہننے والون کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہئے اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب کہ اس کو مشائخ پہنائین، اس کے لئے ضروری ہو کہ موخرالذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لین، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کرین، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور ان کی خدمت اپنے ملئے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے کو ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس مین ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہون، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینون شرطین پوری ہو جائین تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے جس کے بعد زندگی کی تمام لذتون اور آسایشون سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے،

چھٹا باب ملامت پر ہے ہجویری ؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستون کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمین بتائی ہین :-

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات مین درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی پرواہ مطلق نہ کرتا ہو، مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار مین جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق کہان جاتا ہے" ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھون نے روک دیا، اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن مین ان کو کسی مین شیخ زکی، کسی مین شیخ زاہد، کسی مین شیخ الاسلام، اور کسی مین شیخ الحرمین کہکر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے کہ مگر یہ سب اسم نہین ہین، القاب ہین کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیون کیا جائے،

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے مین سفر حجاز سے اپنے شہر مین واپس آئے، تو لوگون نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی

یاد سے غافل ہوگئے، انھون نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کردیا، لوگون نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا توان کو ملامت کرنے لگے، اوران سے برگشتہ ہوگئے، ابویزید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والون کی طرف متوجہ نہ ہونے پائین،

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی مین مبتلا ہو، اوراس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہان تک کہ شریعت کو بھی ترک کردیتا ہو، جو ہجویری کے نزدیک صحیح نہین،

شیخ ہجویری نے اس قول کی تائید کی ہے، کہ ملامت عاشقون کے لئے ایک تر وتازہ باغ، دوستون کے لئے مایۂ تفریح، مشتاقون کے لئے راحت اور مریدون کے لئے سرور ہے، اور آخر مین خود اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا ہے، کہ مین ایک مرتبہ شیخ ابویزید کے مزار پر تین مہینے حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کرکے بیٹھا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا، جو ایک بار وہین حاصل ہوچکا تھا آخر مین وہان سے اٹھکر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤن مین پہنچا، تو ایک خانقاہ مین متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، مین اس جماعت کی نگاہ مین بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان مین سے کچھ کہنے لگے کہ یہ ہم مین سے نہیں ہے، اور واقعی مین ان مین سے نہ تھا، انھون نے مجھ کو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو سوکھی روٹی دی، اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتین کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہان تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہوگیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا، کہ مشائخ جاہلون کو اپنے یہان کیون جگہ دیتے ہین،

آگے سات بابون مین صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل البیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے،

چودھوان باب نہایت اہم ہے اس میں صوفیون کے مختلف فرقون کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہین تفصیل عنالبا نامناسب نہ ہوگی،

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات مین سے نہین، بلکہ احوال میں سے ہے، ہجویری نے رضا اور مقامات کی تشریح کرکے حارث کی مدافعت کی ہے، اور رضا کی دو قسمین بتائی ہین (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے (۲) بندہ

کی رضا خداوند تعالیٰ سے،

بندون سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندون کی رضا یہ ہے، کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کرین، خداوند تعالیٰ اپنے احکام مین یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت مین ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہین، جیسے اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہین، اس کا جلال اور جمال ان کی نظرون مین یکسان ہے، اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہین، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم و الم سے آزاد ہو جاتا ہے،

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہین، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہین، یہ معرفت ہے دوسرے اس کی نعمتون (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہین، وہ دنیا والے ہین، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہین، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہین، یہ محبت ہے،

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہین، جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہین، ملامت پر بحث چھٹے باب مین گذر چکی ہے، اس لئے ہجویریؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہین ڈالی ہے،

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اوّل الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید بن محمد ہین، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ مین ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہین، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی مین اس کے ادراک اور ہوش باقی نہین رہتے، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے جس مین جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہین رہتی، صحو مین غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونون کی اصل صحیح ہون تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونون ایک دوسرے کی علت و معلول ہین،

لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہوں تو دونوں بے فائدہ ہیں، ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے،

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحاب صحبت کے لئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے، اور اگر صحبت کے ساتھ ایثار و رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے،

(۶) سہلیہ:- اس کے امام حضرت سہل بن تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جد وجہد مشقت) مجاہدہ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لئے ہجویریؒ نے نفس کی تصریح واضح طور سے کی ہے،

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبد اللہ تستری نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو، اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں، اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصل حق کا طریق اور ذریعہ سمجھتے ہیں،

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا تبع ہوتا ہے وہ ایمان کی طرف جاتا ہے اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ

وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا "ہوئی کا ترک کرنا" ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوئی کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے،

ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنے سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو،

(۷) فرقہ حکیمیہ :- یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے، کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں، کہ دنیا دی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذاتِ خداوندی سے محبت کرتے ہیں، ان کے چہرے نورانی ہوتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے، اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں تو یہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائیگی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں لیکن ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں (۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقبا (۶) قطب یا غوث،

ایک گروہ کا اعتراض ہے، کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے لیکن ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے،

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی

خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے اور نہ اصول شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض "مقدور خداوندی" ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہین بلکہ خدا کی بخششون سے ہوتا ہے،

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابویزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیف وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال مین ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال مین ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال مین رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت مین مدہوش ہوجاتا ہے، تو اس حال مین (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونون برابر ہوجاتے ہین،

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے، کہ کرامت سکر مین نہین، بلکہ صحو اور تمکین مین ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر و واقف کار اور والی ہوتا ہے، اور اس سے ملک کی گتھیان سلجھتی ہین، اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر مین حاصل نہین ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہین، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو مین منتقل ہوجاتے ہین تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے،

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتون کا بیان ہے، پھر دو فصلون مین یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہین، اور انبیاء و اولیاء فرشتون پر فضیلت رکھتے ہین،

(۸) فرقہ خرازی:- یہ فرقہ حضرت ابوسعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے، جنھون نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لئے اس فصل مین ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے،

کچھ لوگون کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہوکر اس مین حلول کرجانا ہے لیکن ہجویریؒ نے ان دونون کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہوکر خدا مین حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہین ہوسکتا، ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کرکے خصائص بشریت سے اس طرح علحدہ ہوجانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر مین کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے، اور جب یہ مقصود حاصل ہوجائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ مین یون کہا جاسکتا ہو کہ نفسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے،

یا علائق دنیوی سے علحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے،

(۹) فرقۂ خفیفی: یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف "غیبت و حضور" ہے،

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے، کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں، اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں،

اس سلسلہ میں صوفیۂ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، ہجویری کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی،

(۱۰) فرقۂ سیاریہ: یہ فرقہ ابو عباس سیاری کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ جو کچھ سنتا ہے، وہ خدا سے وہ . . . اگر کچھ دیکھتا ہے، تو خدا کو کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے، تو خدا سے پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقۂ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور

جمع اجتماع ضدین مین جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے، کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہین ہو سکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علحدہ نہین ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی موخر، مقدم کی حالت مین مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت مین ہوتا ہے اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہین ہوتی، کیونکہ یہ حالتِ حضوری مین ہوتا ہے، ہجویریؒ نے دونون کو لازم ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے،

اس کے بعد ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمین بتائی ہین، (۱) جمع سلامت (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت مین بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے مین نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابویزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے لیکن نماز کے وقت اپنے حال مین لوٹ جاتے تھے اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے،

جمع تکسیر مین بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنونون کی سی ہو جاتی ہے، اسی لئے یہ معذور اور اوّل الذکر مشکور کہلاتے ہین، ہجویریؒ نے مشکور بندون کو زیادہ فوقیت دی ہے،

گیارھوان فرقہ حلولیہ ہے جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارھوین فرقہ کا نام نہین لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے،

ہجویریؒ نے فرقۂ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے.... خدائے تعالیٰ مین بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہین، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہین.... خالق اور مخلوق کی صفت یکسان نہین ہو سکتی، پھر قدیم حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے مین حلول کر سکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف نہین کہا جا سکتا ہے،

(باقی)

"اقبال، انا اور تخلیق"

از

جناب اسد ملتانی

حضرت علامہ اقبالؒ کے شعر و فلسفہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، اور علمی نقطۂ نظر سے یہ ایک مبارک علامت ہے، لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یا تو ان کے متفرق اشعار کچھ کہین سے اور کچھ کہین سے لیکر چند تشریحی جملون کے ذریعہ باہم مربوط کر دیے جاتے ہین، اور اس طرح ایک خاصا دلچسپ مگر بالکل سطحی قسم کا ادبی مضمون تیار ہو جاتا ہے، اور یا پھر کوئی مقالہ نگار اپنے ذہن مین چند مخصوص فلسفیانہ نظریات جمع کر لیتا ہے، اور جہان جہان اُسے اقبال کے اشعار سے اُن نظریات کی تائید ہوتی نظر آتی ہے، وہان اُن اشعار کو بے تکلف استعمال کرتا چلا جاتا ہے، اور اس طرح ایک اچھا خاصہ فلسفیانہ مقالہ لکھ ڈالتا ہے، ظاہر ہے کہ اقبال کے شعر و فلسفہ کی صحیح تفسیر نہ ایسے مضامین سے ہو سکتی ہے، اور نہ اس قسم کے فلسفیانہ مقالات سے، اندرین حالات کوئی ایسا مضمون دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہو جس مین ذرا محنت دکاوش سے اقبال کے نظریات اور تعبیرات کی اصلی روح کو نمایان کرنے کی کوشش کی گئی ہو، چنانچہ اسی قسم کا ایک قابلِ قدر مقالہ تھا جو خواجہ عبد الحمید صاحب ایم اے لکچرر گورنمنٹ کالج لاہور کے قلم سے بہ عنوان "اقبال۔ انا اور تخلیق" نومبر اور دسمبر ۱۹۴۵ء کے معارف مین شائع ہوا، جیسا کہ تمہیدی نوٹ مین بتایا گیا ہے کہ خواجہ صاحب نے "کل ہند فلاسفی کانگریس" کے اجلاس لاہور مین اس موضوع پر انگریزی زبان مین ایک لکچر دیا تھا، اس کا ملخص رسالہ وشوا بھارتی شانتی نکیتن کے دو نمبرون مین اشاعت پذیر ہوا، اور وہی معارف مین ایک تفصیلی مقالے کی صورت مین نکلا ہے،

اس مقالے کا پہلا حصّہ اس لحاظ سے خاص طور پر جاذبِ توجّہ ہے، کہ اس مین علامہ اقبالؒ کے "نظریۂ خودی" کو نہایت وضاحت سے پیش کیا گیا ہے، اور جہان کہین اس نظریہ اور بعض فلاسفۂ قدیم و جدید کے نظریات مین مماثلت نظر آئی ہے، وہان اس بنیادی فرق کو نمایان کیا گیا ہے، جو اس ظاہری مماثلت کے پردے مین پایا جاتا ہے، اس طرح جہان فلسفہ مین اقبال کی مجتہدانہ حیثیت آشکارا ہو جاتی ہے، وہان اُن

سطحی تبصرہ نگاروں کی بھی قلعی کھل جاتی ہے، جو ذرا سی ظاہری مماثلت کی بنا پر اقبال کے نظریہ کو بعض مغربی فلسفیوں کی خوشہ چینی سمجھنے لگتے ہیں، اسی طرح مقالے کا دوسرا حصہ بھی خوب ہے لیکن موضوع کو بہت پھیلا کر سمیٹنے کی کوشش میں بہت سی باتیں تشنۂ تشریح رہ گئی ہیں، بلکہ بعض مقامات پر تو غلط فہمیوں کا بھی احتمال پیدا ہو گیا ہے، چنانچہ ان کے متعلق معارف کی طرف سے اختتامی نوٹ میں مناسب طور پر اشارہ کر دیا گیا ہے، یہاں اس مقالے کے ان اختلافی پہلوؤں پر بحث کرنا مقصود نہیں لیکن اس میں اقبال کے چند اشعار کی جو انوکھی تاویل کی گئی ہے، اس پر اظہار خیال کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا،

زبور عجم میں ایک نظم ہے :-

این جہان چیست؟ صنم خانۂ پندار من است | جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
همه آفاق که گیرم به نگاہے او را | حلقہ ہست کہ از گردش پرکار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من | چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است
از فسون کاری دل سیر و سکون غیب و حضور | این کہ غماز و کشایندۂ اسرار من است
آن جہانے کہ درو کاشتہ را می دروند | نور و نارش ہمہ از سبحہ و زنار من است
ساز تقدیرم و صد نغمۂ پنہان دارم | ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تار من است

اے من از فیض تو پایندہ، نشان تو کجاست!
این دو گیتی اثر ماست، جہان تو کجاست!

تعجب کی بات ہے کہ اس نظم کے سمجھنے اور سمجھانے میں اکثر ارباب فکر نے ٹھوکر کھائی ہے اور اس کے صاف اور سیدھے معانی بیان کر دینے کے بجائے خواہ مخواہ بے سر و پا توجیہوں اور دور از کار تاویلوں سے کام لیا ہے،

علامہ اقبال کی شاعری کے متعلق اردو میں جس قدر کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں ڈاکٹر یوسف حسین خان کی تصنیف "روح اقبال" غالباً سب سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مندرجۂ بالا نظم کے ساتھ اس کتاب میں بھی مناسب سلوک نہیں کیا گیا، محترم مصنف نے "شاعر اور عالم فطرت" کا عنوان دیکر پہلے یوں تمہید باندھی ہے،

"یہ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا آرٹسٹ یا شاعر کے اندرونی جذبات و کیفیات کا تجزیہ تھا،

ان کی بدولت وہ اپنے دل کو کائنات سے متحد کر لیتا ہے، اس کے دل کی ہنگامہ زائیاں شورش حیات کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن جاتی ہیں، اس کا نغمہ زندگی کے زیر و بم میں توازن پیدا کرتا ہے، اور اس کے درد کی کسک کائنات کی روح کو تڑپا دیتی ہے، شاعر کے دل کی اندرونی دنیا کا حال ہم سن چکے، اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی دنیا اور خارجی عالم میں کس طرح رشتہ جوڑتا ہے، وہ اپنے آرٹ کے ذریعہ فطرت سے تعلق پیدا کرتا اور اپنے نفس گرم سے اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے، وہ فطرت کی سرگوشیوں کو سنتا ہے، یا یوں کہئے کہ اپنے جذبات کو فطرت پر طاری کر دیتا ہے، فطرت جو بات ہکلا ہکلا کر اکھڑے اکھڑے طور پر کہتی ہے، اس کو وہ اپنی شدت احساس کی بدولت موزوں طریقے سے بیان کر دیتا ہے، وہ اپنے جذب دروں سے حقیقت مدرکہ میں گہرائی پیدا کر دیتا ہے، فطرت کے جلووں کی رنگا رنگی اور رعنائی آرٹسٹ کے دل میں جب اپنا عکس ڈالتی ہے، اور اس کے جذبات میں حل ہو کر اظہار چاہتی ہے، تو اس وقت در اصل وہ اپنے وجود کی غایت پوری کرتی ہے، فطرت کا کمال وجود یہ ہے کہ وہ اہل نظر کو اپنی طرف مائل کرے، اور اس کی مشہود بنے تاکہ وہ اپنے تاثر جمال کو اس کے توسط سے ظاہر کر سکے، فطرت اس وقت تک حسن سے عاری رہتی ہے، جب تک انسانی نظر اس میں جمال آفرینی نہ کرے، شفق کے منظر میں اسی وقت دل کشی آتی ہے، جب کوئی صاحب نظر اس کو دیکھ کر پکار اٹھتا ہے کہ وہ دیکھو کیا خوبصورت منظر ہے، فطرت کا وجود آرٹسٹ کا ممنون نظر ہوتا ہے، اقبال نے اس مضمون کو کیا خوب ادا کیا ہے،

جہان رنگ و بو گلدستۂ ما	ز ما آزاد و ہم وابستۂ ما
خودی او را بہ یک تارِ نگہ بست	زمین و آسمان و مہر و مہ بست
دلِ ما را بہ او پوشیدہ راہے است	کہ ہر موجود ممنونِ نگاہے است
گر او را کس نہ بیند زار گردد	اگر بیندیم و کہسار گردد
جہان غیر از تجلی ہائے ما نیست	کہ بے ما جلوۂ نور و صدا نیست

(روح اقبال ص ۲۹-۳۰)

اور اس کے بعد نظم مذکور کے معانی کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کی ہے :-

"فطرت کے بے معنی طوماروں میں آرٹسٹ کی نظر نظم و معنی پیدا کرتی ہے، آرٹسٹ فطرت کے تضادوں اور غیر ضروری تفصیلات کو الگ کر کے اُن میں ربط قائم کر دیتا ہے" "جب اپنے تصورات میں ربط و نظم پیدا کرنا چاہتا ہے، تو عالم کو بھی اپنے ذہنی ربط و نظم سے وابستہ کر لیتا ہے، وہ ایک ایک کر کے ان سب رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے" جو فطرت کے اظہار میں مانع آتی ہیں' اور اس کی راہ میں سنگِ گراں بنکر کھڑی ہوتی ہیں، وہ حقیقت کو آزاد کرتا، اور اس میں اپنی شوخی فکر سے نزاکت پیدا کر دیتا ہے، فطرت کے جلووں کی بوقلمونی اس کے دیدۂ بیدار کی رہینِ منت ہے، بغیر اس کے دستِ فطرت کی حنابندی کرنے والا کوئی نہیں، زمان و مکان بھی اس کی شوخئ فکر کے آئینہ دار ہیں،

این جہان چیست صنم خانۂ پندار من است | جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے اُورا | حلقۂ ہست کہ از گردش پرکار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من | چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

(روح اقبال - ص ۳۰-۳۱)

اس کے برعکس خواجہ عبد الحمید صاحب پیش نظر مقالے میں اس طرح رقمطراز ہیں :-

انا جب اپنی خودی سے آگاہ ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ انا نے جب اپنی خودی کی تعمیر کر لی تو وہ اپنے سامنے نئی دنیائیں کھلتی دیکھتا ہے، اس کا پہلا ماحول اس کے لئے تنگ ہو جاتا ہے، (شایانِ جنون من پہنا سے دو گیتی نیست) اس کی نظر زیادہ جسور اور شوخ، اس کی امنگ بے قید، اس کا بازو ہمہ گیر اور اس کی گرفت مضبوط تر ہو جاتی ہے، نگاہ ما بہ گریبانِ کہکشان افتد، ایسا انا اپنے تخلیقی جوش سے سرشار و مجبور ہو کر بول اٹھتا ہے۔ ؎

این جہان چیست ؟ صنم خانۂ پندار من است | جلوۂ او گرو دیدہ بیدار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من | چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

کیا یہ دعوی مجذوب کی بڑ یا مبنی بہ حقیقت ہے ؟ شاعر کا مبالغہ ہے یا امر واقعہ کا اقرار؟ یہ بحث لمبی ہے

اقبال مبالغہ کا قائل نہیں ہے، اس لئے اس کے منشار کی صحیح تعیین کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہو کہ ان (اور ایسے دوسرے اشعار میں) من و ما سے کیا مراد لیتا ہے، ظاہر ہے کہ "من و ما" فرد ہے لیکن صوفیہ اور حکما کا ایک گروہ ایسا گذرا ہو جن کی تعلیم یہ تھی کہ یہ من درحقیقت بشری انا نہیں ہے، بلکہ اس کی وہ حالت ہے، جب وہ اپنی معراج پر پہنچ کر انائے کبیر میں مل جاتا ہے، اقبال کی تعلیمات سے اس عقیدہ کی تائید نہیں ہوتی، لیکن ایک دوسرا گروہ ہے، جن سے (کم ازکم اس اہم امر میں) اقبال متفق نظر آتا ہے، انا کی معراج یہ نہیں ہے، کہ وہ انائے کبیر میں ضم ہو جائے، بلکہ وہ اس سے اس طرح سیراب اور فیضیاب ہوتا ہے، کہ انائے کبیر کی تخلیقی فعلیت کمال جوش و خروش سے اس میں جاری و ساری ہو جاتی ہے۔" (معارف نومبر ۴۴ء)

اور کچھ تمثیل و تشریح کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں :-

" الغرض اقبال کے نزدیک انا ہر حالت میں فرد ہے۔ اور جب یہ فرد انا اقبال کی زبان سے پکارتا ہے کہ

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من   چہ زمان و چہ مکان شوخیِ افکار من است

تو ہمیں یہ اجازت نہیں ہے کہ ہم اس دعوی کی محض داخلی تاویل کریں، بلکہ صحیح تاویل یہ ہے کہ بشری انا ارتقار کے اس درجے تک پہنچ گیا ہے، کہ جو کچھ وہ دیکھتا ہے، انائے کبیر کی نظر سے دیکھتا ہے، یا یوں سمجھئے کہ کم ازکم ایک خاص لمحے کے لئے انائے کبیر کی ہمہ گیر نظر اسے مستعار مل گئی ہے، اور وہ سب قیود سے بالاتر ہو کر ہر چیز کو دنیوی، امکانی اور اضافی نظر سے نہیں بلکہ اسی مطلق نظر سے دیکھتا ہے، جو انائے کبیر سے مخصوص ہے ......"

(معارف دسمبر ۴۴ء)

گویا ایک کے نزدیک آرٹسٹ عالم فطرت کی بے ترتیبی میں اپنے تخیل سے نظم و ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کرتا اور اس بنا پر کائنات کو اپنی تخلیق سمجھنے لگتا ہے، دوسرے کے نزدیک کائنات کا یہ تصور انسان کی طاقت ہی سے باہر ہے، اور اس کا احساس اسے صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ اپنی نہیں بلکہ انائے کبیر کی نظر سے دیکھتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں تشریحیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں

لہٰذا دونوں تو صحیح ہو نہیں سکتیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو میں سے کون سی شرح صحیح ہے؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہے یہ دونوں شرحیں حقیقت سے بہت دور ہیں، اور غلط فہمی کا باعث ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ پوری نظم بالخصوص آخری شعر کو مدنظر نہیں رکھا گیا، اور دوسرے یہ کہ اشعار کو کائنات کی تخلیق سے متعلق سمجھا گیا ہے، حالانکہ یہ محض ادراک و مشاہدہ سے تعلق رکھتے ہیں، پوری نظم کو سامنے رکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نظم نہ شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، اور نہ خدائی نقطۂ نظر کی ترجمانی، بلکہ انسان اور محض انسان کے مطالعۂ کائنات پر مبنی ہے، یہ دعوے نہ مجذوب کی بڑ ہے، نہ شاعر کا مبالغہ بلکہ امر واقعہ ہے اور عین حقیقت، ان اشعار میں "من و ما" سے کوئی فوق البشر یا غیر معمولی انا نہیں، بلکہ انسان اور مطلق انسان مراد ہے، جو حواس خمسہ کے ذریعہ اس مادی دنیا کو محسوس کرتا، اور ذہنی طور پر اس دنیا کے مقابلے میں ایک عقبیٰ کا تصور کر سکتا ہے، اس نظم کے پہلے تین شعر "این جہان" یعنی اسی مادی دنیا کے متعلق ہیں، پانچواں اور چھٹا شعر "آن جہان" یعنی عقبیٰ کے بارے میں ہے اور چوتھا شعر دونوں جہان پر حاوی ہے، آخری شعر کا استفہام پوری نظم کی جان ہے، اور ایسا سوال جس کے اندر جواب بھی پوشیدہ ہے،

اب آئیے ذرا دیکھیں کہ اقبال نے اس جہان کو اپنے پندار کا صنم خانہ کیوں کہا ہے، بات یہ ہے کہ اس مادی دنیا کا علم ہمیں اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے، شروع شروع میں تو ماہرین طبیعیات نے اپنی معلومات کے گھمنڈ میں یہی خیال کیا، کہ بس کل کائنات یہی ہے جس کا پتہ ہمارے حواس خمسہ دے رہے ہیں، اس پر انھیں ایک طرح کی ہمہ دانی کا احساس ہونے لگا، اور اسی سبب سے مادیت کو خاص فروغ حاصل ہوا، لیکن جوں جوں تحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، بجلی کی رو، مختلف قسم کی شعاعوں اور ریڈیو کی لہروں جیسی چیزوں کا انکشاف ہوا، تو اہلِ سائنس کا نقطۂ نظر بدلنے لگا، اب انھیں اس بات کا یقین نہ رہا کہ کائنات صرف انھی اشیاء پر مشتمل ہے جن کا علم ہمیں حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے، جب ہمیں اپنے گرد و پیش کی بعض چیزوں کا علم اتنے عرصہ کے بعد ہوا تو کیا عجب ہے کہ یہاں اور بھی بہت سی چیزیں ایسی موجود ہوں جن کا انکشاف ہماری مزید علمی ترقی کا منتظر ہو، اس اندازِ خیال نے مادیت کو بہت جلد لاادریت کی منزل میں پہنچا دیا، اب کوئی اہل علم بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے حواس خمسہ تمام موجودات عالم کا ادراک کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں حواس خمسہ میں سے ہر ایک کا دائرۂ علم بالکل الگ ہے، آنکھ کسی آواز کو سُن نہیں سکتی، اور کان کسی روشنی کو دیکھ نہیں سکتے، ظاہر ہے کہ اگر بنی نوع انسان کے کسی ایک حاسہ کی قوت سلب کر لی جائے تو کائنات کا

ایک جزو انسان کے دائرۂ علم سے خارج ہو جائے گا، اور اگر ان پانچ حواس پر کسی اور حاسہ کا اضافہ کر دیا جائے تو معلومات کا ایک نیا باب کھل جائے گا، گویا موجودہ صورت میں ہماری معلومات کی دنیا انہی حواس خمسہ کے دائرہ کے اندر محصور ہے،

پھر یہ حواس بھی اپنی اپنی جگہ بالکل محدود ہیں، مثلاً قوتِ سامعہ کے ذریعے ہم طرح طرح کی آوازیں سن سکتے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں، کہ اس قوت کا دارو مدار ہمارے پردۂ گوش کی مخصوص ساخت پر ہے، جو آواز کی لہروں سے متاثر ہو کر ان کے احساس کو ہمارے دماغ تک پہنچا دیتی ہے، آواز کی لہریں کچھ تو اتنی شدید ہوتی ہیں، کہ ان کی ضرب سے کان کا پردہ پھٹ سکتا ہے، ایسی لہروں کی چوٹ ہم برداشت نہیں کر سکتے، اور جہاں ان کا احتمال ہوتا ہے ہم فوراً اپنے کانوں میں انگلی یا روئی دے لیتے ہیں، اسی طرح دوسری جانب آواز ہلکی ہوتی جائے تو آخر ایک ایسی حد آجاتی ہے، کہ اس کے بعد کان کا پردہ ان لہروں سے اثر پذیر نہیں ہو سکتا یعنی ہم اس آواز کو نہیں سن سکتے، گویا انسان کے کان میں سننے کی طاقت کی ایک حد بندی کر دی گئی ہے، کہ ایک طرف تو وہ مقررہ معیار سے بلند آواز نہیں سن سکتا، اور دوسری جانب مقررہ معیار سے باریک آواز سننے سے قاصر ہے یعنی اس کائنات کی بے شمار آوازوں میں سے صرف ایک محدود اندازے کی آوازیں انسان کے علم میں آسکتی ہیں، انسان شاید اپنے خیال میں یہی سمجھ لیتا، کہ کائنات کی تمام آوازیں ہیں ہی اتنی، لیکن مشکل یہ ہے کہ خود عقل انسانی نے بعض ایسے ذکی الحس آلات ایجاد کر لئے ہیں، جن سے ایسی آوازیں سنی جا سکتی ہیں جو ویسے پردۂ گوش کی گرفت میں نہیں آسکتیں،

علیٰ ہذا القیاس انسان کی نگاہ کی بھی حد بندی کر دی گئی ہے، چنانچہ خوردبین اور دوربین کی ایجاد نے ثابت کر دیا ہے، کہ زمین اور آسمان میں بے اندازہ ایسے اجسام موجود ہیں، جو ان آلات کی مدد کے بغیر آنکھوں کو نظر نہیں آسکتے، اس سلسلہ میں مطلب کو واضح کرنے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہو گی، سورج کی سفید روشنی جب منشور مثلث سے گذرتی ہے، تو قوس قزح کے سات رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، یہ ساتوں رنگ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں، اور اسی بنا پر ایک عرصہ تک یہی خیال قائم رہا کہ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے، لیکن بعد کے تجربات نے روشن کر دیا کہ ان سات رنگوں کے علاوہ دو رنگ (الٹرا وائلٹ اور انفرا ریڈ) اور بھی پیدا ہوتے ہیں، جو یوں تو بالکل نظر نہیں آتے، لیکن خاص قسم کی تیار شدہ لوحوں پر صاف دکھائی دیتے ہیں، ان تجربات نے اب سابقہ یقین کو شبہہ سے بدل دیا ہے، کہ سورج کی روشنی سے ان

نور نگون کے علاوہ شاید کچھ اور رنگ بھی پیدا ہوتے ہون جن کا علم مزید آلات کی ایجاد کے بعد ہو سکے، بہر کیف جس طرح ہماری قوتِ سامعہ محدود آوازین سُن سکتی ہے، اسی طرح ہماری قوتِ باصرہ بھی محدود اشیاء کو دیکھ سکتی ہے، اور کم و بیش یہی حال باقی حواس کا ہے،

ان حالات مین صاف ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی پوری کائنات کا علم ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر ہے، ہمارے حواس اس کائنات کے ایک محدود جزو کو محسوس کر سکتے ہین، اور اسی کو ہم عالم یا جہان سمجھتے ہین، دوسرے الفاظ مین جس کو ہم جہان کہتے ہین، وہ خدا کی تمام و کمال کائنات نہین، بلکہ اس کا ایک محدود جزو ہے جس کے وجود کا علم ہمین اپنے مخصوص حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے، ایسی حالت مین کیا یہ دعویٰ بالکل امر واقعہ نہین، کہ یہ جہان ہمارے ہی خیال کا بتخانہ ہے، کیونکہ اس کا جلوہ ہمارے دیدۂ بیدار پر منحصر ہے، ہم جب بھی کائنات پر نظر ڈالتے ہین، تو اپنے آپ کو مرکز قرار دے کر ظاہری و باطنی حدِ نگاہ تک ایک دائرہ کھینچ لیتے ہین، اور اپنے پرکار کے اس حلقے کو "جہان" سمجھتے ہین، گویا جو کچھ ہمین نظر آتا یا حواسِ خمسہ کے ذریعہ محسوس ہوتا ہے، اُسے ہم "ہست" جانتے ہین، اور جو کچھ ہمین نہ نظر آتا ہے، اور نہ حواس کے ذریعہ محسوس ہوتا ہے، اسے ہم "نیست" ٹھہراتے ہین، یہ تو ہوا مادی دنیا کے متعلق ہمارا احساس اس کے ساتھ ہی ہمین زمان اور مکان کا جو تصور ہوتا ہے، وہ ہمارے افکار کی شوخی کے سوا کچھ نہیں، اسی طرح سیر و سکون اور غیب و حضور بھی ہمارے اس دل کی فسون کاری کا نتیجہ ہین، جو ہمارے بھیدون کا کھولنے والا ہے، غرضیکہ نہ صرف یہ مادی کائنات ہمارے حواس و تخیل کی رہین منت ہے، بلکہ زمان ہماری فکر کی شوخی اور غیب ہمارے دل کی فسون کاری کا نتیجہ ہونے کے باعث دوسرا جہان بھی ہمارے حواسِ باطنی کا ممنون ہے، چونکہ اس جہان کا بویا ہوا اُس جہان مین کاٹا جاتا ہے، اس لئے اس جہان کے نور و نار بھی ہمارے اسی جہان کے کفر و ایمان کا حاصل ہین، مختصر یہ کہ ہم تقدیر کے ساز ہین، اور ہمارے اندر سیکڑون نغمے چھپے ہوئے ہین، جہان کہین بھی خیال کا مضراب پہنچ سکتا ہے، وہان ہمارا ہی تار موجود ہوتا ہے،

"گلشن راز جدید" کے وہ چند اشعار بھی جو "روحِ اقبال" کے محولۂ بالا ٹکڑے مین پیش کئے گئے ہین صاف طور پر اسی تشریح کی تائید کرتے ہین کہ یہ جہانِ رنگ و بو ہمارا گلدستہ ہے، بلحاظ بے جان اور بے حس ہونے کے ہم مین سے بالکل الگ ہے لیکن ہمارے مدرکات کا نتیجہ ہونے کے باعث ہم سے وابستہ ہے، ہماری خودی نے اُسے ایک تارِ نگاہ کے ساتھ باندھ دیا ہے اور اس طرح زمین و آسمان، چاند اور سورج کی صورت بندی

کر دی ہے، ہمارے دل کو اُس کے ساتھ ایک پوشیدہ تعلق ہے، کیونکہ ہر موجود کسی نگاہ کا ممنون ہوتا ہے، اگر کوئی نہ دیکھے تو اس کا عدم و وجود برابر ہو جائے، اگر دیکھے تو کہین دریا اور کہین پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، یہ جہان ہماری تجلیات کے سوا کچھ نہین، کیونکہ ہمارے بغیر نہ روشنی کا جلوہ ہے، نہ آواز کا،

یہان تک تو اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی کی ہے، کہ یہ دونون جہان ہمارے ادراک و تخیل کا نتیجہ ہین، اب اس تمہید کے بعد خالق کون ومکان کو مخاطب کرکے سوال کیا ہے کہ تیرا نشان کہان ہے؟ جب یہ دونون جہان ہمارے آثار ہین، تو تیرا جہان کونسا ہے، ؟ سوال نہایت نازک ہے، کیونکہ واقعی جو کائنات ہمارے ہی خیال کا بتخانہ ہو، اس کے مطالعہ سے تو ہمین خود اپنی ذات کا پتہ چلے گا، ایسی محدود کائنات مین خدا کا نشان کیونکر مل سکتا ہے، لیکن شاعر نے بکمال حکمت اسی سوال مین "اے من از تو پایندہ" کا ٹکڑا رکھ کر انسان اور خدا کے تعلق کی طرف بلیغ اشارہ کر دیا ہے، یعنی انسان نے یہ پہلے ہی بے ساختہ طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ میرا وجود خدا کے فیض سے قائم ہے، یہ مان لینے کے بعد انسان کے فکر و خیال کے پیدا کردہ جہان بھی بالواسطہ خدا ہی کے فیض کا نتیجہ ثابت ہوتے ہین، لیکن شاعر کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہی کہ خدا کو اس مادی کائنات کے اندر تلاش کرنا بے حاصل ہے، کیونکہ یہ مادی کائنات ہمارے ہی پندار کا صنم خانہ ہے، اس مادی کائنات سے تو انسان کے وجود کا پتہ چلتا ہے، ہان جب انسان اپنے نفس کا مطالعہ کرے تو یہان سے اُسے خدا کا سُراغ مل سکتا ہے، گویا یہ کائنات تو انسان کا جہان ہے، اور انسان کی خودی کا عالم خدا کا جہان، اس مضمون کو اقبال نے بہت سے مقامات پر مختلف انداز سے ادا کیا ہی، مثلاً ایک جگہ فرماتے ہین،

زانجم تا بہ انجم صد جہان بود خرد ہر جا کہ پر زد آسمان بود
ولیکن چون بہ خود نگریستم من کرانِ بیکران در من نہان بود

ذیل کے شعر مین تو مضمون کو اس قدر واضح کر دیا ہے کہ شبہہ و تاویل کی گنجایش ہی باقی نہین رہتی، انسان کائنات کو مخاطب کرکے پوچھتا ہے:-

عالم آب و خاک و باد! سرّ عیان ہے تو کہ مین
وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان ہے تو کہ مین

استفسار و جواب

"ختم رسالت"

جناب سید حسن امام صاحب	"برادرم (آنریبل) سید حسین امام سے ان کے ایک بی۔
حسین منزل گیا،	ایس سی، زنار دار ہمسفر نے سوال کیا کہ "ولکن

رسول اللہ وخاتم النبیین" سے نبوت کی خاتمیت تو ثابت ہوجاتی ہے، لیکن اس سے رسالت کا ختم ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے؟ اس کا جواب مطلوب ہے، بعد مین معلوم ہوا کہ ان کے وہ ہمسفر ندیا بہائی تھے۔"

معارف:- پہلے بی ایس سی زنار دار ہمسفر سے پوچھنا تھا کہ وہ رسالت کے معنی کیا سمجھتے ہین جو "رسالت" و "نبوت" مین فرق کرتے ہین، قرآن مجید کے رو سے "رسول" "مرسل" اور "ارسال" کے الفاظ رسالت و نبوت کے معنی مین خاص نہین ہین، بلکہ ان کا استعمال عموماً پیغامبری کے معنی مین آیا ہے، اور اسی لحاظ سے ملائکہ کو بھی رسول سے موسوم کیا گیا ہے، اسی طرح ارسال کا لفظ اچھون اور برون سب کے لئے بلا تخصیص استعمال کیا گیا ہے، اس لئے نفس رسالت کی خاتمیت کے متعلق سوال ہی سرے سے صحیح نہین، قرآن مجید کے رو سے رسالت کے ان معانی کا اندازہ ذیل کی چند آیات پاک سے ہوسکتا ہے، فرمایا:-

۱- بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون (زخرف ع-۷)	ہان (ہم سنتے ہین) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہین، وہ بھی لکھتے ہین،
۲- فلما جاءہ الرسول (یوسف ع-۶)	پھر جب ان کے پاس وہ قاصد پہنچا،
۳- ان رسلنا یکتبون ما تمکرون (یونس-۳)	بالیقین فرشتے تمھاری سب شرارتون کو لکھ رہے ہین،
۴- قال فما خطبکم ایھا المرسلون (۳۷)	فرمانے لگے اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو،

۵- انہ لقول رسول کریم،	یہ قرآن کلام ہے، ایک معزز فرشتہ
(تکویر ع-۱)	کا لایا ہوا،
۶- انا رسل ربک،	ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے
(ھود-ع-۷)	فرشتے ہین،
۷- الم تر انا ارسلنا الشیاطین	کیا آپ کو معلوم نہین کہ ہم نے شیاطین
علی الکافرین، (مریم ع-)	کو کفار پر چھوڑ رکھا ہے،
۸- جاعل الملائکۃ رسلا (فاطر ع-۱)	جو فرشتون کو پیغام رسان بنانے والا ہے،

پیغام رسان اور ملائکہ کے معنی مین عمومی استعمال کے علاوہ مرسل کا لفظ بعض جگہ "ممسک" کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے، ارشاد ہے،

۹- ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ	اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگون کے لئے کھول دے
فلا ممسک لھا وما یمسک	تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہین، اور جس کو
فلا مرسل لہ من بعدہ،	بند کر دے، تو اس کے بعد اس کا کوئی
(فاطر ع-۱)	جاری کرنے والا نہین،

آیاتِ بالا سے اندازہ ہو گا کہ لفظ رسول و مرسل وغیرہ کی حیثیت عمومی ہے، یہ لفظ خاص نبی کے معنی کے لئے مختص نہین، بلکہ جیسے عام معنون کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی طرح منصب نبوت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے،

اس کے برخلاف "النبی" کا لفظ خاص اس ذات گرامی کے لئے قرآن مجید مین آیا ہے جس کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا ہو، قرآن مجید مین اس لفظ کا استعمال بجز نبی کی ذاتِ گرامی کے کسی اور معنی مین نہین آیا ہے، اس لئے دراصل منصب "منصب نبوت" ہے، نہ کہ "منصب رسالت" جس کے ذاتی اوصاف کی تعیین و توصیف و تحدید آئی ہو، اس لئے جب رسالت کا لفظ "منصب نبوت" کے معنی مین بولا جائے گا، تو قدرتی طور پر نبوت کے منصب کی خاتمیت کے ساتھ اس معنی کی رسالت کی خاتمیت کے بھی سمجھے جائین گے، اسی وجہ سے قرآن مجید مین کسی موقع پر نبی کی تعیین و تخصیص رسول سے نہین کی گئی، بلکہ ہر جگہ "رسول" کی تعیین و تخصیص "نبی سے کی گئی ہے، ارشاد ہوا:-

وَكَانَ رَسُوْلاً نَبِيًّا، اور بھیجے ہوئے نبی تھے،

(مریم ع -۴)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ، (اعراف ع ۱۹) جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ (اعراف ع ۲۰) تو اللہ پر اور اس کے رسول "نبی امی" پر ایمان لاؤ،

اسی طرح فرمایا،

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب ع ۵) لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں،

اس لئے جب "منصب نبوت" کی خاتمیت کا ثبوت "خاتم النبیین" سے ہوگیا، تو اس "رسالت" کی خاتمیت آپ سے آپ ہوگئی، جو "منصب نبوت" کے لئے تھی، اور اس خاص رسالت کے ختم ہونے کا سوال علیحدہ سے پیدا نہیں ہوگا،

باقی عمومی "ارسال" یا رسل کا عالم بالا سے عالم دنیا پر آنا تو یہ آج بھی جاری ہے، ملائکہ بھی رسول کہے گئے ہیں، وہ عالم بالا سے عالم دنیا میں آیا جایا کرتے ہیں، اور بے شمار انعامات الہیہ کے ارسال کا سلسلہ ہر لمحہ و ہر آن جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا، اس لئے عمومی معنی میں رسول، رسل، مرسل، "مرسل علیہ" اب بھی ہیں، اور تا قیامت رہیں گے، لیکن اگر رسول بمعنی نبی لئے جائیں گے، تو منصب نبوت کا خاتمہ ہوچکا اس خاتمیت کے بعد اب اس منصب کے معنی میں لفظ "رسول" کا اطلاق کسی نئے مدعی کے لئے صحیح نہیں ہوسکتا، کہ منصب نبوت کے خاتمہ کے ساتھ منصب رسالت (بمعنی نبوت) کا خاتمہ آپ سے آپ ہوچکا، اور "خاتم النبین" ہی سے اس رسالت کی خاتمیت پر بھی مہر لگ چکی ہے،

یہ خیال شریف میں رہے کہ یہ جو کچھ عرض کیا گیا محض قرآن مجید کی آیات کریمہ کی روشنی میں کیا گیا ہے لیکن اگر آپ انہیں ان اصطلاحوں کے ذریعہ سمجھنا چاہیں، جو رسول و نبی کے معنی کے لئے بعد میں اختیار کی گئی ہیں تو اس لحاظ سے بھی لفظ نبی میں عموم اور لفظ رسول میں خصوص پایا جاتا ہے، اور عموم کی خاتمیت خصوص کی خاتمیت کو آپ سے آپ مستلزم ہوتی ہے، رسول وہ ہے جو صاحب کتاب یا صاحب شریعت جدید ہو، یا قدیم شریعت کو

کسی جدید قوم مین لایا ہو، اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو، اور ان قیود سے مقید ہو یا نہ ہو، دوسرے لفظون مین یون کہہ سکتے ہین، کہ ہر رسول جو منصب نبوت پر آتے، وہ نبی بھی ہو، یا نبی صرف نبی ہو، اس کو کوئی کتاب یا شریعت نہین ملی ہو، اس لئے جب عموم منصب نبوت کی خاتمیت علی الاطلاق ہوگئی، تو خصوص (رسالت) کا خاتمہ اسی عموم (نبوت) کے تحت بھی ہوگیا، اس لئے اس آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین مین رسول و نبی کے ان اصطلاحی معانی کے لحاظ سے پہلے لفظ خاص (رسول) پھر لفظ عام (نبی) لایا گیا ہے، اس موقع پر کلام عرب کا جنھین مذاق ہے، وہ اس کو بآسانی سمجھ سکتے ہین کہ اگر رسول و نبی مین معنًی مساوات ہوتی، تو اس محل پر "اظہار" کے بجائے "ارجاع ضمیر" سے کام لیا جاتا، لیکن ارجاع ضمیر کے بجائے "خاتم النبیین" اسی لئے کہا گیا کہ ہر قسم کی نبوت کا خواہ وہ تشریعی ہو، یا غیر تشریعی، کلیتًہ خاتمہ ہو جائے، اور جھوٹے نبیون کے لئے ادعاے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے، "والسلام" "س"

شجر ممنوعہ

مولوی ابو النور محمد فاضل صاحب مدرس اسلامیہ ہائی اسکول کوہاٹ (صوبہ سرحد) } "مین آپ کی توجہ سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۵۰۵ و ۵۰۶ (تقطیع کلان) کی طرف دلانا چاہتا ہون جہان آپ نے توریت کے تتبع مین لکھا ہے، کہ شجرۂ ممنوعہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا اور اس کے کھانے سے ان کو اپنی برہنگی کا علم ہوا، (یعنی وہ برہنہ تھے، لیکن جانتے نہ تھے) قرآن مجید اس کے خلاف ہے :-

عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ (ای المسمیات) کلّھا مین تمیز نیک و بد شامل ہے، مندرجۂ ذیل آیات دال ہین، کہ وہ برہنہ نہ تھے،

۱- ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوآتھما (اعراف ۲-۳)	ان کا لباس بھی ان سے اتروادیا تاکہ ان کو ان کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے،
۲- فاکلا منھا فبدت لھما سوآتھما (طٰہٰ ۷)	پس دونون نے اس درخت سے کھالیا تو ان دونون کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے،

۳- اَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى (طٰہٰ ۷) تم نہ کبھی بھوکے رہوگے اور نہ ننگے ہوگے،

زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، امید ہے کہ آپ اس کے متعلق غور فرمادیں گے،

والسّلام

معارف :- شجر ممنوعہ کو "نیک و بد کی شناخت کا درخت" توراۃ کے تتبع میں نہیں کہا گیا، بلکہ اس آیت پاک سے اس کا اشارہ سمجھا گیا ہے، جس میں شیطان نے اس درخت کے پھل کو یہ کہہ کر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلایا، کہ یہ حیات جاوید اور ملک جاودانی کا درخت ہے اور اس درخت کا پھل کھاتے ہی جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ انھیں "برہنگی کے علم" کا حاصل ہونا ہے، ارشاد فرمایا:-

فوسوس اليه الشيطان قال	پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا اے
يا آدم هل ادلك على شجرة الخلد	آدم کیا میں تم کو حیاتِ جاودانی اور
وملك لا يبلى فاكلا منها فبدت	غیر فانی بادشاہی کا درخت بتلاؤں
لهما سوآتهما،	تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا
(طٰہٰ - ۷)	تو ان کی بری چیزیں ان پر کھل گئیں،

یہ دوسری بات ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت پاک سے جو اشارہ سمجھا گیا، اس کی تصریح توراۃ میں آئی ہے، پھر اس کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ "تن پوشی" اور "برہنگی" اسماء نہیں، بلکہ صفات و کیفیات ہیں اس لئے اس درخت کا پھل کھانے کے بعد نیک و بد کی تمیز کا پیدا ہونا عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا کے منافی نہیں ہے،

سیرت میں اس موقع کی جو عبارت ہے، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ "حضرت آدم علیہ السلام پہلے سے برہنہ تھے لیکن جانتے نہ تھے" اس پھل کے کھانے کے بعد انہیں اس کا علم ہوسکا، اور اس طرح سورۂ اعراف و طٰہٰ کی وہ آیتیں جن کو مکتوب میں نقل کیا گیا، ہے اس کے منافی ثابت ہوں، بلکہ اس موقع پر مرتب سیرۃ کا مسلک بھی یہی ہے، جو عام مفسرین و سلف صالحین کا ہے، کہ ان کے جسم نورانی لباس سے ڈھکے ہوئے تھے، لیکن ان تفصیلات کے ذکر کا یہاں موقع نہ تھا، یہاں مرتب سیرۃ کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے، کہ چونکہ اس درخت کا پھل کھانے کے بعد ان کے جسم پر برہنگی طاری ہوئی، اور انھیں تن پوشی اور برہنگی میں تمیز کرنے کا موقع مل سکا، اس لئے اگر اس درخت کو نیک و بد کی شناخت کا درخت سمجھا جائے، تو اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت پاک کے اشارہ اور توراۃ کے بیان کی تصریح سے ہوتی ہے، اور چونکہ نیک و بد کی تمیز ہی پر

انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اس لئے اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، جو انسان کے سر ڈالی گئی، اور یہ مصلحت الٰہی پوری ہوئی کہ انسان حیاتِ جاوید اور غیرفانی بادشاہی کو اپنی محنت، جد و جہد اور سعی و عمل سے حاصل کرے، اور اپنی فانی زندگی کی سعی و عمل سے آسمانی بادشاہی کی لازوال دولت پالے، اور یہ وہی "حیاتِ جاوید و ملک جاویدانی" ہے جس کو شیطان نے حضرت آدمؑ کو بلا سعی و محنت محض بخت و اتفاق سے حاصل کر لینے کی ترغیب دی تھی، اس موقع پر مرتبِ سیرت کا موضوع سخن ان حقائق کا بیان کرنا ہے، نہ کہ حضرت آدمؑ کا جنت مین جانا اور وہان مختلف واقعات کا پیش آنا، موضوع سخن کے اس فرق کو پیش نظر رکھیں، تو یہ شبہات دور ہو جائین گے، چنانچہ اسی سلسلۂ بیان مین آگے چل کر سیرت مین مذکور ہے:-

"آدم اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، اور ننگے بھی ہوئے، پیاس بھی ان کو معلوم ہوئی، اور دھوپ کی تپش کی بھی تکلیف ہوئی، اور زمین مین آکر انہی چار چیزون کی مشقت مین گرفتار رہوئے، کھانا، پینا، پہننا، رہنا" (ج ۴ ص ۵۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ جنت مین وہ لباس سے ملبوس تھے، ننگے ہونے اور پہننے کی ضرورت کے پیش آنے کا سابقہ انھین جنت سے نکلنے کے بعد ہوا لیکن جنت مین انھین اپنی تن پوشی کا احساس اسی طرح سے نہین تھا جیسے ماں کی گود کے بچے لباس مین ملبوس ہونے کے باوجود اس سے بے خبر ہوتے ہین اور جس طرح بچون کو شعور کے حاصل ہونیکے بعد اپنی تن پوشی یا برہنگی کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح حضرت آدمؑ کو اس نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل کھانے کے بعد اپنے برہنہ ہونے کا حال معلوم ہوا، اور انھین اپنی تن پوشی کی ضرورت پیش آئی،

بہر حال یہ نظریہ ہے کوئی یقینی اعتقاد نہین، اور ہر نظریہ محلِ نظر بھی ہو سکتا ہے،

"ص"

امیر بشیر لبنانی

مالک جدید پریس بیگم پور، پٹنہ | "ابراہیم بن محمد علی مصری نے ۱۸۳۲ء مین شام پر حملہ کیا، تو اس نے شام کا نظم کس کے سپرد کیا تھا؟ امیر بشیر لبنانی کون شخص تھا، اس کے سیاسی اثر و نفوذ کی کیا حیثیت تھی، یہ ترکون کا حامی تھا، یا ابراہیم پاشا کا؟"

معارف (الف) شام پر حملہ اور اس کے نظم کے سپرد ہونے کے سوال سے آپ کا شاید مقصود فتح شام کے بعد وہان کے اس نظم و نسق کو دریافت کرنا ہے جس کو ابراہیم بن محمد علی مصری نے وہان اختیار کیا، تو اس سلسلہ مین اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے وہان نئے طرز حکومت کے مطابق کشوری و عسکری مجلسین ترتیب دے دی تھین، اور خراج و مالیات اور عدالت کے نظم و نسق کے لئے چند اصول مقرر کر دئے تھے، انہی مجلسون کے ہاتھ مین ان اصولون کے ماتحت وہان کے نظام حکومت کی باگ ڈور تھی،

(ب) امیر بشیر بن قاسم بن عمر شہابی لبنانی کو لبنان و شام مین نمایان سیاسی اثر و نفوذ حاصل تھا، وہ بیروت کے قریب ایک قریہ عزیزیہ مین بسنہ ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۷ء مین پیدا ہوا، ابتدائی نشو و نما اور تعلیم و تربیت کے بعد احمد باشا الجزار والی صیدا کے دامن سے وابستہ ہوا، اس نے اس کو ۱۲۰۳ھ مین لبنان کی امارت پر مامور کیا، اور اس نے اپنے سیاسی فہم و تدبر اور شجاعت و دلاوری سے عام شہرت اور ہر دلعزیزی حاصل کی، وہ دل سے عثمانیون کا ہمدرد تھا، ابراہیم پاشا کے حملۂ شام کے موقع پر اولاً اوس نے اس کی مخالفت مین حصہ لیا، لیکن اس کی فتحمندیون کے بعد اس کی اطاعت قبول کر لی، پھر اس کے شام سے چلے جانے کے بعد انگریزون نے اس کو گرفتار کرکے مالٹا جلا وطن کر دیا تھا، اس کے بعد آستانہ مین اس کو قیام کرنے کی اجازت مل گئی، پھر مختلف سالون مین مختلف مقامون مین سکونت پذیر رہا، آخر الامر آستانہ مین آیا، اور وہین بسنہ ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء مین وفات پائی، بیروت اور لبنان مین اس کی امارت کے دور کے مختلف آثار موجود ہین،

"س"

وفیات

ضیاء الحسن علوی مرحوم

افسوس کہ میرے رفیق قدیم اور صدیق حمیم مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی ندوی نے ایک مختصر علالت کے بعد ۱۴ جون ۱۹۴۵ء کو الہ آباد میں جہان وہ عربی مدرسون کے انسپکٹر اور مشرقی امتحانون کے رجسٹرار تھے ستاون برس کی عمر میں وفات پائی، اس حادثہ کی اطلاع مجھے ۱۸ جون کو لکھنؤ مین اوسی مدرسہ مین ملی جہان مین اور مرحوم مل کر ایک جان دو قالب ہوئے تھے، افسوس کہ ایک قالب خالی ہوگیا، اور دوسرا نیم جان موجود ہے، مرحوم مجھ سے عمر مین تقریبًا پانچ برس چھوٹے (گو تعلیم کے درجہ مین وہ ایک سال بڑے تھے) اس لئے بظاہر امید یہی تھی، کہ انہی کو میری جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑیگا، مگر تقدیر یہی تھی کہ مجھے ان کے فراق کا غم سہنا پڑے اس لئے امید غلط ثابت ہوئی، اور تقدیر کا فرمان نافذ ہوکر رہا،

اکنون چہ توان کرد کہ تقدیر چنین بود

مرحوم کاکوری ضلع لکھنؤ کے مشہور علوی خاندان کے چشم و چراغ تھے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے حامیون بلکہ بانیون مین رؤسا، کا جو طبقہ شامل تھا، ان مین منشی محمد اطہر علی صاحب مرحوم کا نام بہت جلی ہے، یہ خاندان قطب وقت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارادتمند و معتقد تھا، جو ندوہ کی تحریک کے روحانی مرکز و مدار تھے، اس لئے جب ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸ء مین لکھنؤ مین ندوہ کا دار العلوم کھلا تو منشی صاحب مرحوم نے اس درسگاہ کو اپنے سب سے چھوٹے بچے اور ایک ننھے بھتیجے کو نذر کیا، یہی ننھا بھتیجا مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی ندوی تھے، دار العلوم کے طلبہ کے داخلہ مین ان کا نمبر شاید دوسرا تیسرا تھا، عربی کی پوری تعلیم یہین حاصل کی اور یہین سے فراغت پائی،

یون دار العلوم کے سارے اساتذۂ وقت مولانا حفیظ اللہ صاحب، مولانا عبد الشکور صاحب (اڈیٹر النجم) اور مفتی عبد اللطیف صاحب سب ہی سے تعلیم پائی تھی، مگر جس کی تعلیم نے ان کے لوح دل

مین علم و فن کے ذوق کا نقش اولین بنایا، وہ دار العلوم کے صدر مدرس مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی تھے، وہ ادب اور معقولات کے امام تھے، اور یہی دونون فن مرحوم کی گھٹی مین پڑے، اور عمر بھر انہی سے ان کو ذوق رہا،

۱۹۰۴ء مین مولانا شبلی مرحوم حیدر آباد سے جب لکھنؤ دار العلوم مین پہلے پہل آئے تو جو طلبہ ان کے حلقہ مین پہلے بیٹھے، ان مین سب سے پہلا نام مولوی ضیاء الحسن مرحوم کا ہے، چنانچہ مولانا کی مردم شناس نگاہ نے ان کے ذوق اور استعداد کو تاڑ لیا، مولانا کے حیدر آباد واپس چلے جانے کے بعد مرحوم نے جو سب سے پہلا خط ان کو لکھا، اس کا جواب مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین موجود ہے، خط کے آخر مین ہے،[1]

"مین چاہتا ہون کہ چند روز تک آپ کا اور میرا ساتھ رہتا، تاکہ مین ادب اور فلسفہ کی بعض کتابین آپ کو پڑھاتا، اور مضمون نگاری کی بھی تعلیم دیتا، دیکھئے کب خدا موقع لاتا ہے"

(شبلی ۴ر جنوری ۱۹۰۴ء)

اس کے بعد جون ۱۹۰۵ء مین ندوہ تشریف لے آئے اور جس موقع کا انتظار تھا، وہ جلد مل گیا، مرحوم کے بعد اس طلب مین ان کا دوسرا رفیق سفر راقم الحروف تھا، ہم دونون نے حضرۃ الاستاذ کے سامنے زانوے ادب تہ کئے، اور علم کلام معقولات اور اعجاز القرآن کے اسباق شروع ہوئے، مرحوم مجھ سے زیادہ دلیر اور بے تکلف تھے، وہ پرائیوٹ صحبتون مین بھی شریک ہوتے تھے، اور ہر روز علم کا نیا فیض حاصل کرتے تھے، اسی زمانہ مین مولانا ابوالکلام آزاد ندوہ ہی مین مولانا کے پاس مقیم تھے، مولانا حمید الدین صاحب مصنف نظام القرآن بھی آیا کرتے تھے، اور ہفتون ندوہ مین رہا کرتے تھے، مولانا عبد اللہ عمادی اڈیٹر البیان بھی لکھنؤ مین مقیم اور اکثر صحبتون مین شریک ہوتے تھے، خواجہ غلام الثقلین بھی آتے جاتے رہتے تھے مرحوم ان لوگون کے ساتھ بے تکلف ملتے جلتے تھے، اور اس خوانِ ادب سے بہرہ ور ہوتے تھے،

مرحوم کو جدید علوم کے حصول کی طرف میلان مرزا ہادی صاحب رسوا (سابق عربی پروفیسر کرسچین کالج لکھنؤ) کی صحبتون اور ملاقاتون سے ہوا، وہ عربی کے عالم، انگریزی کے گریجویٹ اور جدید فلسفہ اور ریاضیات کے ماہر تھے، آخر مین دار الترجمہ عثمانیہ سے متعلق ہو کر فلسفہ کی متعدد کتابین اردو مین ترجمہ کین، مولانا شبلی نے ایک دفعہ ان کو مدرسہ مین ہم چند طلبہ کو جدید فلسفہ پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا، مگر وہ بڑے لاابالی تھے، چند سبق سے زیادہ کا معاملہ ان سے نہ چل سکا،

---

[1] مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین بسلسلۂ تلامذہ ان کے خطوط شامل ہین،

بہر حال مرحوم نے ۱۹۰۵ء مین عربی تعلیم سے فراغت پائی، اور ۱۹۰۶ء کے مشہور جلسۂ دستار بندی مین میرے ساتھ ہی ان کی بھی دستار بندی ہوئی، اس جلسہ مین انھون نے اعجاز القرآن کے موضوع پر ایک عالمانہ تقریر کی تھی، جو بعد کو مرتب ہو کر الندوہ مین شائع ہوئی، اور مدح و تعریف کی مستحق ہوئی،

مرحوم کو اردو ادب کا ذوق فطرۃً تھا، گھر کا ماحول، مشاہیر نظم و نثر کی ان کے ہان آمد و رفت، پیارے صاحب رشید اور مرزا رسوا جیسے نظم و نثر کے ادیبون سے ان کے خاندانی مراسم تھے، اور پھر بچپن سے لکھنؤ کی سکونت، ان سب کا اثر یہ تھا کہ وہ اردو روزمرہ کے جان دادہ تھے، شعر بھی کہتے تھے، مگر صرف اپنے لئے، علمی مضامین تو حضرۃ الاستاذ مرحوم کی پیروی مین لکھتے تھے، مگر عام انداز تحریر شوخ و شگفتہ روزمرہ کی بول چال کا تھا،

مرحوم کا پہلا مضمون "صحت اور عمر کی درازی" ہے، جو المقتطف مصر کے ایک مضمون کا ترجمہ تھا، اور رسالہ الندوہ ۱۹۰۵ء مین چھپا، اس کے بعد دوسرے مضامین لکھے، جو الندوہ ہی مین چھپا کئے، ان کا ایک ابتدائی ادبی مضمون اردوے معلی علی گڈھ مین چھپا، خواجہ غلام الثقلین ان دنون دار العلوم کے پاس ہی ایک مکان مین رہتے تھے، اور اسلامی کانفرنس علی گڈھ کے صیغۂ اصلاح و تمدن کے سکریٹری تھے، اور اس تعلق سے وہ عصر جدید نام ایک ماہانہ رسالہ نکالا کرتے تھے، خواجہ صاحب کے تقاضے اور اصرار سے اس مین بہت سے اصلاحی مضمون لکھے، اور وہ چھپے،

مرحوم نے عربی سے فراغت پا کر انگریزی کی طرف توجہ کی، جس کا آغاز لکھنؤ مین ہو چکا تھا، مگر انجام علی گڈھ مین ہوا، ۱۹۰۹ء مین وہان سے میٹرک پاس کیا، حضرۃ الاستاذ نے مبارکباد لکھی،

> مبارک، تمھارے پاس ہونے سے بیحد خوشی ہوئی، اور تمھاری نسبت حسن ظن بڑھ گیا، ...... اب تم ضرور کالج مین پڑھو گے، الندوہ مین تم پر نوٹ دون گا،

۱۹۰۹ء میں وہ کالج مین داخل ہوے، اور ۶ برس مین ایم اے تک تعلیم پائی، اس زمانہ مین عربی کے پروفیسر یوسف ہارویز نام ایک جرمن فاضل تھے، جنھون نے طبقات ابن سعد کے بعض اجزا کی تصحیح کی، اور جو علی گڈھ مین ۱۹۱۴ء کی گذشتہ جنگ عظیم کے شروع تک رہے، اور اسی کے آغاز ہی مین قید ہو کر بعد کو جرمنی واپس چلے گئے تھے، مرحوم کالج مین پہنچ کر ان کے حلقہ مین داخل ہوئے، اور ان پر ایسے چھائے کہ ان کے جزو کل پر حاوی ہو گئے، اُن سے مستشرقین کے معلومات حاصل کئے، کچھ جرمن زبان اور کچھ عبرانی زبان

کے سبق پڑھے، مولانا شبلی اور پروفیسر ہارویز کے درمیان ربط و ضبط کا واسطہ مرحوم ہی تھے،

۱۹۱۶ء مین غالباً انھون نے ایم اے پاس کیا، اس وقت یو پی کی گورنمنٹ عربی مدارس کی نگرانی کے لئے ایک انسپکٹر کے تقرر پر غور کر رہی تھی، مرحوم سے بڑھ کر اس کام کے لئے دوسرا موزون نہین ہوسکتا تھا، وہ ایک طرف ٹھیٹھ مولوی اور دوسری طرف ممتاز گریجویٹ تھے، چنانچہ ۱۹۱۷ء مین وہ عربی مدرسون کے انسپکٹر مقرر ہوئے، اور اسی عہدہ پر اخیر تک قائم رہے، ابھی اسی جولائی میں وہ قید ملازمت سے چھوٹنے والے تھے، کہ اوس سے چند روز پہلے قید حیات ہی سے آزاد ہوگئے،

مرحوم نے عربی نصاب، اور اردو فارسی اور عربی کے سرکاری امتحانات کی اصلاح اور ترقی مین بہت بڑا کام کیا ہے، جب وہ اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے تو نام کے سوا اس صیغہ مین کچھ اور نہ تھا، لیکن انھون نے چند برس کے اندر اپنی محنت، لیاقت، اخلاق اور محبت سے چالیس پنیتالیس مدرسون کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور اصلاحِ نصاب کا وہ خاکہ جو استاذ مرحوم صرف ندوہ کی حد تک کھینچ سکے تھے ان کے لائق شاگرد کے ہاتھون وہ پورے صوبہ کے دائرہ مین وسیع ہوگیا،

مرحوم کو کتابون کا بہت شوق تھا، وہ خود بھی ہر قسم کی علمی کتابین عربی اور انگریزی کی خریداری کرتے تھے، ان کا مطالعہ برابر جاری رہتا تھا، اور اہلِ علم دوستون سے مسائل علیمہ پر مباحثہ کرتے تھے،

ان کی قلمی یادگار وہ چند ابتدائی مضامین ہین، جو الندوہ مین چھپے، یا اسلامی جنگی جہازون پر ان کا وہ مضمون ہے جو ۱۹۱۰ء کے قریب علی گڈھ منتھلی میگزین مین چھپا، اور حضرت الاستاذ کی پسند سے انعام کا مستحق ہوا، اسی طرح عصر جدید کے اصلاحی مضامین بھی ہین، جو کبھی ان کے نام سے اور کبھی بے نام چھپے، آخر مین ان کا طویل مضمون جو "یادِ ایام" کے عنوان سے جدید الندوہ مین ۱۹۴۱ء کے آٹھ نو نمبرون میں شائع ہوا تھا ذکر کے قابل ہے، یہ گویا ان کی آپ بیتی ہے جس میں جگ بیتی کے بہت سے دلچسپ مناظر شامل ہین، اس مضمون مین لکھنؤ کی زبان کا مزہ اور روزمرہ کا چٹخارا ایسا تھا کہ سب اہلِ ذوق نے اس کو بیحد پسند کیا، حیف افسوس کہ یہ کہانی ناتمام رہی،

ان کو ادب سے فطری ذوق تھا، الف لیلۃ و لیلۃ جو عربی داستان سرائی کی بے مثال کتاب سمجھی جاتی ہے، اس کے اردو ترجمہ کی امنگ ان کے دل مین ایک مدت سے تھی، چنانچہ انھون نے ایک زمانہ سے

اس کام کو شروع کر رکھا تھا، اس ترجمہ مین اس کا بھی خاص اہتمام تھا کہ عربی شعرون کا ترجمہ اردو ہی شعرون مین ہو، معلوم نہین یہ چیز کہان تک پہونچی، سبعہ معلقہ مین سے امرء القیس کے قصیدہ کا ترجمہ اردو نظم مین کیا تھا،

وہ دار المصنفین کے رکن تھے، اور استاذ مرحوم کی نسبت سے اس سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، ان کی فرمایش سے ہمارے فاضل رفیق مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے امام رازیؔ کی سوانحعمری اور ان کے فلسفہ پر تبصرہ کا کام انجام دیا، مین نے مناسب سمجھا کہ اس پر مرحوم سے ایک مقدمہ لکھوایا جائے، جس مین امام رازی کے فلسفہ کو یورپ کے فلسفیون کی نگاہ سے دیکھا جائے، اور موازنہ کیا جائے، افسوس کہ ان کی موت سے یہ کام بھی ناتمام رہ گیا،

مرحوم کا بچپن مذہبی و صوفیانہ ماحول مین گذرا تھا، اس لئے با این ہمہ ان پر یہ اثر غالب تھا، طالب علمی ہی مین حضرت مولانا شاہ ابو احمد صاحب مخدومی بھوپالی (مرید شاہ عبد الغنی صاحب مجددی مہاجر) سے لکھنؤ مین بیعت کی تھی، جو اس وقت اتفاق سے لکھنؤ آگئے تھے، اور مین نے بھی ما مبین کی مسجد مین ان کی زیارت کی اور بھوپال مین تو کئی دفعہ حاضری کا اتفاق ہوا، چونکہ میرے بڑے بھائی صاحب مرحوم بھی انہی سے بیعت تھے اور خلافت سے ممتاز تھے، اس لئے مرحوم ضیاء الحسن سے میری محبت کی نسبت مین اس نئے رشتہ سے اور مضبوطی پیدا ہوگئی تھی، حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد مرحوم نے حضرت شاہ نجم الدین صاحب فتحپوری سے تعلق پیدا کیا جن سے وہ بچپن سے واقف تھے، کیونکہ دار العلوم ندوہ کا افتتاح انہی کے مبارک ہاتھون سے ہوا تھا، ان کی وفات کے بعد ایک اور بزرگ کی طرف انھون نے رجوع کیا، جو غالبًا کہیں آگرہ کے قریب کے تھے، مولانا شاہ ابو الخیر صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہان بھی کبھی کبھی حاضری دی ہے، ذکر و فکر و اشغال مین بھی مصروف رہتے تھے، اور ان کے برکات دوستون مین کبھی کبھی بیان کرتے تھے،

افسوس کہ میرے تعلیمی عہد محبت کا یہ نخل بار آور عمر کی ستاون بہارین دیکھ کر اب ہمیشہ کے لئے مرجھا گیا، حضرۃ الاستاذ نے بھی عمر اتنی ہی پائی تھی، ستاون برس کی عمر کے حساب سے ۱۸۸۸ء یا ۱۸۸۹ء کی پیدایش ظاہر ہے،

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جُذَيْمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

ہم دونون ایک مدت تک بادشاہ جذیمہ کے دو مصاحبون کی طرح ایک ساتھ رہے یہان تک کہا گیا کہ اب یہ الگ نہ ہون گے،

فلما تفرقنا کانی ومالکا بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

پھر جب ہم الگ ہوگئے ہیں، ہم مالک طول اجتماع کے ہوتے ہوئے بھی گویا ہم نے ایک رات بھی ایک ساتھ نہیں گذاری،

مرحوم کی دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی، دونوں بالغ ہیں، لڑکے کا نام حسن ہے، جو امسال بی اے بی ٹی ہوئے ہیں، اور ادبی ذوق میں اپنے باپ کی یادگار ہیں، دوسری بیوی سے چند بچے ہیں، اور سب چھوٹے اور کم سن،

اللہ تعالی مرنے والے کی قبر پر رحمت کے پھول برسائے، "س"

سیر الصحابہ رض

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ بن سکتے ہیں، حضرات صحابہ کرام ہیں، دار المصنفین نے ۱۵ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابہ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں حدیث و سیر کے ہزاروں صفحے سے چن کر مرتب کیں، اور بحسن و خوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویا مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں اور اس شمع ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علحدہ علحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ ۲۲ ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو ۲۱ میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول	خلفاے راشدین رض	للعہ	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم	عہ
جلد دوم	مہاجرین اول	ہے	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم	عہ
جلد سوم	مہاجرین دوم	ہے	جلد ہشتم	سیر الصحابیات طبع دوم	عہ
جلد چہارم	سیر الانصار اول	ہے	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اول	عہ
جلد پنجم	سیر الانصار دوم	عہ	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم	ہے

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

باب التقریظ والانتقاد

اسلام اور حرمت ربا

رسالۂ اسلام اور سود" مؤلفہ ڈاکٹر اقبال انور قریشی پر مقدمہ یا تبصرہ ضخامت ۲۳۸ صفحے
کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد سے ربیہ ادارہٗ معاشیات فاطمہ منزل حمایت نگر حیدرآباد

یورپ کے موجودہ تمدن کی ظاہری چمک دمک اور رنگ و روغن نے لوگون کے دلون کو ایسا اپنی طرف لبھایا ہے، کہ دلائل کے بجائے یورپ کا طرز عمل ہی مسائل کے خطا و صواب اور اعمال کے خیر و شر کا معیار قرار پا گیا ہے کسی رائے کے صواب اور عمل کے خیر ہونے کے لئے یہ دیکھنا کافی ہے، کہ یورپ نے اس کا کیا فیصلہ کیا ہے اور اس باب مین اس کا طریق کار کیا ہے، اب ہر وہ مسئلہ جو اس کے مطابق نہین وہ خطا اور ہر وہ عمل جو اس کے موافق نہین وہ شر ہے، چنانچہ آج کل کے اکثر مدعیان عقل کے نزدیک تحقیق کی یہی صحیح رائے ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہم کو اس کے بدولت اپنے بہت سے اصول چھوڑنے پڑے، بہت سے مسائل مین مذہبی احکام کی غلطی محسوس کرنے لگے، اور ہمارے بہت سے نوجوانون کو اپنے مذہبی مسائل مین تبدیلی کا خیال پیدا ہونے لگا، اور بہت سے متکلمین جدید نے اسلام کی مدافعت مین معذرت اور اپالوجی کا رنگ اختیار کیا، مثلاً کوشش کرنے لگے کہ کاش کسی طرح اسلام کی پیشانی سے ربا کی حرمت کا داغ مٹایا جا سکتا، چنانچہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ مسلمانون مین سودی رواج کو ترقی دینے کے لئے ایک سوسائٹی بنی، اور علی گڈھ سے اور پھر بدایون سے اس کا اخبار بھی نکلا اور کئی رسالے چھاپے گئے اور لوگون کو مسلمانون کی موجودہ عدم ترقی کا سبب اسی مسئلۂ حرمت سود کے اعتقاد کو قرار دیا گیا، اور یہ دلائل اس زور و شور سے پیش کئے گئے، کہ خود قرآن پاک، احادیث اور فقہی روایات تک کی توجیہ و تاویل سے جھجک نہین رہی، اور کم از کم ایک صدی اس مناظرہ مین ختم ہوگئی، اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ علماے دین اس مسئلہ مین دین کا جو حکم سناتے ہین، وہ قطعاً ان کی ذاتی رائے ہے، مگر کیا معلوم تھا، کہ ایک دن ایسا آئے گا، جب یورپ ان غلط اقتصادی مسائل اور

اعمال کا خمیازہ بھگتنے کے بعد اپنے گذشتہ نشہ سے چونکے گا، اور خود آزر کے گھر مین ایسے ابراہیم پیدا ہون گے جو اپنی غلطی کو تسلیم کرین گے، اور ہر قسم کے ربا کی حرمت کا فتویٰ خود اپنے تجربون اور علم اقتصاد کے حقیقی اصولون سے صادر کرین گے، پہلے تو سوشلزم اور بالشویزم تحریکون کے لازمی نتیجہ کے طور پر جواز سود کی اقتصادی کمزوری ظاہر ہوئی اور اب دوسرے ماہرین اقتصاد نے بھی اس کے نقصانات کا اندازہ کیا،

ہم کو خوشی ہے کہ ہمارے نوجوان ماہر اقتصادیات ڈاکٹر انور اقبال قریشی صدر شعبۂ اقتصادیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے اسلام کے مسئلہ حرمت ربا کو جدید ترین اقتصادی تحقیقات کی عینک سے دیکھا، اور موجودہ ماہرین اقتصادیات کے معیار پر جانچا، اور پرکھا، اور بتایا کہ اسلام نے حرمت ربا کا جو فتویٰ آج سے چودہ سو برس پیشتر صادر کیا تھا، وہ سراسر درست اور انسانیت کے لئے رحمت اور انسانی سوسائٹیون کی خیر و فلاح کا باعث ہے، انھون نے اس سلسلہ مین اپنے مباحث اور دلائل کو اس کتاب مین مرتب کر دیا ہے،

موصوف نے اپنی اس کتاب کو چھ بابون پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین مسئلۂ سود کے متعلق مغربی نقطۂ نظر کی تشریح ہے، اور شروع سے اس وقت تک اس مسئلہ کے جتنے نظریے بنے، اور پیش کئے گئے ان کے کمزور پہلوؤن کو فنی حیثیت سے کھول کر دکھایا ہے، دوسرے باب مین اسلام کے نظریۂ سود کو مدلل بیان کیا ہے، تیسرے باب مین سودی منافع اور بیاج کی حقیقت پر بحث کی ہے، چوتھے باب مین اسلام کے نقطۂ نظر سے بنکنگ سسٹم کے عدم جواز کو دکھایا ہے، اور فنی حیثیت سے اسلام کے اس فیصلہ کو درست ثابت کیا ہے، پانچوین باب مین سودی منافع اور بیاج کے ان اثرات کا ذکر کیا ہے، جو انسانی سوسائٹی پر پڑ رہے ہین، اور پانچوین باب مین مقررہ و محدود سودی منافع کے نقصانات بتائے ہین، اور ہر باب کو فنی دلائل سے مضبوط کیا ہے، اور جدید ترین اقتصادی مسائل اور نظریات اور موجودہ مغربی ماہرین اقتصادیات کے اصول خیالات کو اپنی تائید مین پیش کیا ہے،

مصنف نے اسلامی مسائل کی تشریح مین ہمارے دو فاضل دوستون اور جامعہ عثمانیہ کے لائق پروفیسرون مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے معلومات اور مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تحریرات اور اپنے والد مفتی محمد یوسف علی قریشی کے خیالات سے فائدہ اٹھایا ہے، دوسری طرف اقتصادی مسائل کی تحریر مین اس زمانہ کے مشہور ماہر اقتصادیات مصنفین و مفکرین یورپ کے نظریات و افکار کی ترجمانی کی ہے،

سود کی حرمت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اور اکثر قدیم حکماء یکسان متفق ہین، راقم نے سود اور صحف انبیاء کے عنوان سے الندوہ ۱۹۰۹ء مین ایک مضمون لکھا تھا جس مین یہ دکھایا

گیا تھا کہ یونانی اور رومی مفکرین نے بھی اس کو اپنے وقت میں ناجائز بتایا ہے اور تورات اور انجیل میں بھی جو مغربی قوموں کے آسمانی صحیفے ہیں، ان کو اسی طرح حرام کیا گیا ہے جس طرح وہ اسلام میں حرام ہیں لیکن یہودیوں نے ان حدود کو توڑنے کے لئے جو ان کے دین نے ان پر عائد کی ہیں، ہمیشہ سے اور ہر ملک میں کوشش کی ہے، اور انہی کی پیروی عیسائیوں نے کی ہے، اس باب میں سب سے آسان قدم یہ ہے کہ سود کے لئے جو اصل عبرانی یا یونانی لفظ ہوگا اس کا ترجمہ ناروا نفع (USURY) کر کے اس کے معنی کو تغیر و تبدل کے قالب میں ڈھال دیا گیا، (خروج ۲۳ - ۲۵ - ۲۶) اور اسی سے انٹرسٹ سودی منافع اور یوتڑری بیاج کی اصطلاحیں نمودار ہوئیں اور ان کو جائز اور دوسرے کو حرام ٹھہرایا گیا، حالانکہ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے، ان دونوں میں فرق نقصان کی کمی اور بیشی کا ہے، نقصان اور عدم نقصان کا نہیں ہے،

اسی طرح شخصی یا اجنبی قرضہ پر سود کو فن کی حیثیت سے ناجائز بتانا اور چند اشخاص کی مجموعی کاروباری شکل کو جس کا نام سترہویں صدی کے شروع سے بنکنگ سسٹم پڑا ہے جائز کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ چوری تو ناجائز ہے، مگر ڈاکہ جائز ہے یعنی ایک جرم جو تنہا ایک آدمی کرے، تو وہ تو ناجائز اور سوسائٹی کے لئے مضر ہے، مگر جب اس جرم کو سازش کر کے چند آدمی مل کر کریں تو وہ جائز ہو جائے گا،

اس سلسلہ میں مصنف نے انٹرسٹ یا محدود سودی منافع کے نظریۂ جواز پر بڑی دلچسپ بحث کی ہے، اور خود محدود منافع کی حد بندی کی تاریخ سے حد بندی کے معیار کو حد درجہ متغیر اور بے اصولا نہ بتایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہر زمانہ اور ہر ملک بلکہ خود ہندوستان اور اس کے مختلف صوبوں میں اس حد بندی کے معیار کی تعیین میں کسی ایک متعین اصول کی پابندی نہیں کی گئی ہے، اس لئے محدود منافع کی حقیقت خود ہی مشتبہ ہو،

مصنف نے اسلامی نظریات کی جو تشریح کی ہے، اور جو آیات و احادیث اور فقہی مسائل و دلائل پیش کئے ہیں، چونکہ وہ مستند علماء کی امداد اور مشورہ سے پیش کئے ہیں، اس لئے ان کے استناد و اعتبار میں کیا کلام ہو سکتا ہے، اور میں نے بھی ان کو دیکھا اور درست پایا ہے،

اسلامی [illegible] کے مطابق سود سے کبھی بھی کوئی قومی فلاح یا دنیاوی بہبود پیدا نہیں ہو سکتی،

[illegible]

یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقٰت (بقرہ - ۳۸) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سودی کاروبار سے ملک کی دولت میں ترقی ہوتی ہے، لیکن یہ محض فریب نظر اور دھوکا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ مہاجنی قرضہ کے سود سے ملک کے صرف چند اشخاص کی دولت بڑھتی، اور سارے اہل ملک کی دولت گھٹتی تھی، اب بینک اور سوسائٹی کے سسٹم میں چند اشخاص کے بجائے سینکڑوں اشخاص کی دولت کو ترقی ہوتی ہے، مگر اس کے مقابلہ میں لاکھوں کی دولت کم ہوتی ہے، تب ان سینکڑوں کی دولت بڑھتی ہے، اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سود کو جس حیثیت سے بھی رواج دیا جائے وہ اپنی تباہی پھیلائے بغیر نہیں رہ سکتا، دیہاتی اتحادی بینک (کواپریٹو بینک) کے رواج اور فوائد و برکات پر آج کل بہت زور دیا جاتا ہے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ شرح سود کی نسبتہً کمی اور طریق وصول کی نسبتہً آسانی کی بنا پر کاشتکاروں کے لئے شخصی مہاجنی سودی قرضوں کے مقابلہ میں وہ رحمت ہے، لیکن اس کے اندر بھی سوسائٹی کے بڑے زمیندار چھوٹے زمینداروں کو بے تکلف ہڑپ کرتے جاتے ہیں، بلکہ کاشتکاروں کو اپنی زمینوں اور جانوروں کو بیچنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے،

قرض انسان کی ایک ضروری حاجت ہے، اس حاجت کا دفعیہ اسلام نے قانون کے بجائے اخلاق سے کیا ہے، اس نے ضرورتمندوں کو قرض دینا ثواب کا کام بتایا، اور اس قرض پر مقروض سے کسی قسم کا بھی فائدہ اٹھانا سود قرار دیا ہے، اہل تقویٰ نے تو اس باب میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ مقروض کے یہاں دعوت کا قبول کرنا بھی مشتبہ بتایا ہے، بلکہ لوگوں کو ہدیہ اس غرض سے دینا بھی کہ ان سے کچھ زیادہ وصولی کا موقع ملے ربا کے اندر شامل کیا ہے، اسی طرح اسلام نے ہم جنس اشیاء کے مبادلہ میں زیادتی کو اگرچہ اچھائی اور برائی کا فرق ہو شبہہ ربا قرار دیا ہے، گو اس زیادتی اور جنس کی حقیقت اور اس کے قیود و شرائط میں فقہاء و مجتہدین کے اختلافات ہیں، تاہم اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح سونا چاندی کے مبادلہ میں اگر جنس ایک ہے تو زیادتی اسلام میں ربا ہے، اس سے سکوں کی کم و بیش شرح مبادلہ کا وہ ظالمانہ دستور جو آج ساری دنیا میں شائع ہے، اور جس کی بدولت یورپ میں ہزاروں آدمی گھر بیٹھے بنتے اور بگڑتے ہیں وہ تمام تر اسلام میں ناجائز ہے، اسلام میں چاندی اور سونے کی اصلی حیثیت صرف نقد کی تسلیم کی گئی ہے، اسی لئے اس کو سامان آرائش میں صرف کرنے کی اجازت حد مناسب سے آگے نہیں دی، مردوں کیلئے چاندی کے چند ماشوں کے علاوہ خالص سونا چاندی کا ہر استعمال قطعاً حرام ہے، اور عورتوں کے لئے حد مناسب سے افراط کو کراہت کے درجہ میں بہر حال رکھا ہے، سونے اور چاندی کے ظروف اور سامان کے استعمال کی

قطعی حرمت ہے، اگر دنیا ان اصولوں پر عمل کرے تو آج ملک ہی مین نہین دنیا مین ضروری کامون کے لئے نقدین کی کتنی فراوانی ہو سکتی ہے،

اسی اصول کی بنا پر سونے چاندی کو خزانہ بنا کر زمین مین گاڑ کر یا بے وجہ روک کر رکھنا گناہ عظیم ہے،

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہین سونا اور
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ	چاندی اور اللہ کی راہ مین اس کو
اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ،	خرچ نہین کرتے، سو ان کو دکھ والی
(توبہ - ۵)	مار کی خوشخبری سُنا دے،
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِيْ جَمَعَ	پھٹکار ہے ہر طعنہ دینے والے عیب
مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ	چننے والے پر جس نے مال کو اکٹھا کیا
اَخْلَدَهٗ،	اور گن گن کر رکھا، سمجھتا ہے کہ اس
(ہمزہ)	کا مال سدا رہے گا،

اسی اصول کی بنا پر احتکار جو مناپولی (MONOPOLY) کی بنیاد ہے، اسلام کے قانون مین ممنوع ہے، کیونکہ اس سے عام ضرورت کی کوئی خاص چیز کسی ایک شخص کے قبضہ میں رک کر رک جاتی ہے، انسان کا ضرورت کے سبب سے مقروض ہونا واقعۃً کم ہوتا ہے، قرض کا سبب زیادہ تر عیاشانہ فضول خرچی ہوتی ہے، اس کی پہلی روک یہ ہے کہ سونا چاندی اور سونے چاندی کی چیزون کی ادھار خرید و فروخت کی ممانعت کر دی گئی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا، کہ بے ضرورت عیاشانہ سامان وہی خریدے گا جس کے پاس زائد از ضرورت روپیہ ہوگا،

اسی طرح نقرئی و طلائی اشیا، مین صنعت کاری کی قیمت کا اعتبار اسلام نے نہین کیا ہے، گو بعض فقہا، کو اس مین اختلاف ہے، تاہم اس حد تک ماننا ضروری ہے، کہ نقری و طلائی اشیاء مین صنعت کاری کی قیمت یا اجرت کی ہمت افزائی اس نے نہین کی ہے، اس کا منشا اس آرٹ کی مخالفت نہین، بلکہ طلائی و نقرئی اشیاء کے عدم استعمال کی صورت پیدا کرنا ہے، جو اسی صنعت کاری ہی کی بدولت قابل استعمال ہوتی ہین،

اسراف اور فضول خرچی کو قرآن نے شیطان کا فعل قرار دیا ہے اور اس کا سبب بھی بتا دیا ہے کہ مسرف اور فضول خرچ سوسائٹی کے لئے وبال بن جاتا ہے، اور یہی آخر مجرم بن کر جرائم کا مرتکب بنتا ہے فتقعد ملومًا محسورًا،

دوسری طرف بخل کو اس نے قیامت کے دن گردن کا طوق بتایا سیطوقون ما بخلوا به یوم القیامۃ کیونکہ اس کا وجود بھی سوسائٹی کے لئے نحوست ہے کہ اس کی دولت مخلوق کے کام نہیں آتی،

ضرورتمند کو قرض دینا اس نے ثواب کا بہترین عمل بتایا ہے، لیکن جو لوگ قرض لیکر استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں دیر کریں ان کو ظالم کا خطاب دیا ہے، اور کہا مطل الغنی ظلم، جو لوگ بے قرض ادا کئے مر جائیں ان کے ترکہ میں سب سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری قرار دیا، اور جو لوگ اپنا قرض ادا کئے بغیر مر جائیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے میں بھی تامل کیا گیا ہے،

اسلام نے ضروری قرض کے لئے خود حکومت کو بلا سود قرض دینے کے انتظام کی اجازت دی ہے، چنانچہ خلافت راشدہ میں بیت المال سے قرض لیا جاتا تھا جس کی ادائگی اگر ان کی زندگی میں نہیں ہوتی تو ان کی متروکہ جائداد، اور دولت سے اوس کی وصولی متوفی کی وصیت کے مطابق عمل میں آتی، اور اگر وصیت نہ بھی ہوتی، تو بھی متروکہ سامان سے تقسیم ترکہ سے پہلے قرض ادا کر دیا جاتا،

تجارتی مالی تعاون کے لئے اسلام نے جس طریقہ کو پسند کیا ہے، وہ مضاربت ہے، یعنی اہل سرمایہ سرمایہ دیں، اور کام کرنے والے اپنی محنت شامل کریں، اور اس طرح سرمایہ اور محنت سے مل کر جو نفع حاصل ہو، اس کی تقسیم بحصہ مشاع قرارداد کے مطابق کی جائے، جس کے قواعد تو انین کتب فقہ میں موجود ہیں،

اگر کوئی چاہے تو بنک کو اسلامی سسٹم کے مطابق قائم کیا جا سکتا ہے، بنک سے مقصود ایک خزانہ ہے، جس میں بہت سے لوگوں کی رقوم جمع ہو سکیں، ان کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں، ایک کا نام امانتی رکھا جائے اس کی دو شاخیں ہوں:-

۱- امانت خالصہ:- یعنی ایسی امانت جس کو بعینہٖ محفوظ رکھا جانا مشروط ہو، اس امانت کی حفاظت اور انتظام کا خرچ امانت رکھوانے والوں سے وصول کیا جا سکتا ہے،

۲- امانت بااجازت یعنی ایسی امانت جس میں تصرف کا اختیار بنک کو دیا جائے، مگر مطالبہ کے وقت بلا زیادتی و کمی اس کا بدل لیا اور دیا جائے،

۳- دوسری قسم ایسی رقوم کی ہوگی، جس کے جمع کرنے والے مدت متعینہ کے لئے اپنی رقم بنک کے

حوالہ کرین، بینک ان رقوم کو مختلف تجارتی صیغون مین خود لگائے یا دوسری تجارتگاہون کو بطور مضاربت دے اور منافع کو مالکان رقوم اور کام کرنے والون مین بحصہ مشاع تقسیم کرے،

حصہ مشاع سے مقصود یہ ہے، کہ عدد معین جیسے تین فی صدی چار فی صدی کے بجائے حصہ متعین مقرر کیا جائے، مثلاً تہائی، چوتھائی، پانچوان، چھٹا وغیرہ جس کا اطلاق کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ ہر مقدار پر کیا جا سکتا ہے،

ان رقمون کا کوئی حصہ قرض یا منافع پر نہین لگایا جا سکتا، البتہ قرض یا رہن پر دیا جا سکتا ہے گو اس شے مرہون سے انتفاع مین فقہا، کا اختلاف ہے، مگر اس اختلاف کی تفصیلات کو حل کیا جا سکتا ہے لیکن فقہ حنفی اور شافعی مین اس کی گنجائش کم نکل سکتی ہے،

ہم کو امید ہے کہ یہ کتاب ایک طرف مسلمانون مین اور دوسری طرف ماہرین اقتصادیات مین قبولیت کی نظر سے دیکھی جائے گی، اور مسئلہ حرمت ربا کی اہمیت کو سمجھ کر اس کی تباہی سے دنیا کو بچانے کی فکر کی جائیگی، اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس عمل خیر کی جزائے خیر دے،

سید سلیمان ندوی

شبلی اکاڈمی اعظم گڈھ

۳۰ ذیحجہ ۱۳۶۳ھ

چند عربی کتابون کی تلاش

طبقات ابن سعد، تفسیر احکام القرآن قرطبی، کلیات ابو البقار کی ضرورت ہے، اگر کسی صاحب کے پاس ان مین سے کوئی کتاب ہو اور وہ علٰحدہ کرنا چاہین، تو مجھے اطلاع دین،

عبد الماجد دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مطبوعات جدیدہ

نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش
از مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان تقطیع چھوٹی ضخامت ... صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت ... پتہ الفرقان بریلی ۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک دعوت و تبلیغ اتنی متعارف ہو چکی ہے، کہ دینی تحریکات سے دلچسپی رکھنے والے اس سے ناواقف نہیں لیکن یہ تحریک عملی ہے، اور اس میں عملی شرکت اور تجربہ و مشاہدہ کے بغیر اس کی حقیقت و اہمیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اس کے مقاصد، نظام اور طریقۂ کار پر الفرقان میں ایک طویل مقالہ لکھا تھا، اس کو انھوں نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، یہ تحریک بظاہر اسلام کی چند ابتدائی موٹی موٹی تعلیمات کی دعوت تک محدود ہے لیکن اس کا جو نظام اور طریقۂ کار رکھا گیا ہے، اس میں دینی اصلاح کے تمام پہلو خود بخود آجاتے ہیں، چنانچہ اس میں سب سے زیادہ زور عملی شرکت پر دیا جاتا ہے، یعنی تبلیغی جماعتوں کے ساتھ اپنے مستقر اور ماحول سے دور تبلیغی سفر کئے جائیں، اور مبلغین کے لئے جو اصول و شرائط اور ان کا جو نظام رکھا گیا ہے، اس کا لازمی اور فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ان میں اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کی ایک لگن پیدا ہو جاتی ہے، اور جو مسلمان اس تحریک میں شریک ہوتے جاتے ہیں وہ سب اسی سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں، اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک مسلمانوں کی دینی اصلاح کا ایک وسیع پروگرام ہے جس کا تجربہ اس میں شرکت ہی سے ہو سکتا ہے، موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کی جتنی تحریکیں اور کوششیں ہوئیں ان میں نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک سب سے زیادہ امید افزا ہے، اس کی کامیابی کا مشاہدہ میوات کے علاقہ میں جاکر کیا جاسکتا ہے جہاں کے لاکھوں نام کے میواتی مسلمانوں کو اس تحریک کی برکت نے نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کا مبلغ بنا دیا، اس تحریک کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کو اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

فنِ صحافت مؤلفہ جناب چودھری رحم علی صاحب ہاشمی بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ہے، بے جلد ہے، پتہ انجمن ترقی اردو دہلی ۔

موجودہ زمانہ میں صحافت ایک مستقل فن بن گیا ہے، اس کے بہت سے اصول و شرائط اور ایک صحافی کی بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں، اس کے لئے بڑے وسیع علم اور تجربہ کی ضرورت ہے، ترقی یافتہ ملکوں میں دوسرے

فنون کی طرح صحافت کی بھی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، اس پر مستقل کتابیں ہیں، اب ہندوستان کی بعض یونیورسٹیون میں بھی اس کا انتظام ہوگیا ہے، لیکن ہندوستان کی صحافت ابھی ابتدائی منزل میں ہے، اردو مین اس فن پر غالباً کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، لائق مصنف نے جو ایک تجربہ کار صحافی ہیں، اور کچھ دنون تک مسلم یونیورسٹی مین اس فن کی تعلیم بھی دے چکے ہین، فنِ صحافت پر یہ مفید کتاب لکھی ہے، اس کے تین حصے ہین، پہلے حصہ میں شعبۂ ادارت کے عملہ اور کارکنون ایڈیٹر، اسسٹنٹ اڈیٹر، سب اڈیٹر، رپورٹر، مترجم وغیرہ کے شرائط و فرائض و طریقۂ کار، اخباری مواد، خبرون، اڈیٹوریل، نوٹس، مضامین و مقالات، ترجمہ اور نقد و تبصرہ کے متعلق ہدایات، دوسرے حصہ مین شعبۂ طباعت اور تیسرے مین شعبۂ انتظامی کے متعلق معلومات ہین، یہ کتاب فن صحافت کے تمام ضروری پہلوؤن پر حاوی ہے، اور اس فن کے متعلق اور بہت سے مفید و دلچسپ معلومات بھی آگئے ہین، اردو مین یہ کتاب ایک قابل قدر اضافہ ہے، جن لوگون کو فن صحافت سے دلچسپی ہے، اور انگریزی کی کتابون کا مطالعہ نہیں کرسکتے، انھین ضرور اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہئے،

تذکرہ بابِ حکومت مولفہ جناب محمد منظر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت قسم اول عہ قسم دوم صہ قسم سوم سے، پتہ حیدری گشتی کتب خانہ نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن،

دیسی ریاستون مین دولتِ آصفیہ کا نظام اپنی وسعت و تنظیم کے اعتبار سے خاص امتیاز رکھتا ہے، خصوصاً عثمانی عہد کی اصلاح و تنظیم کے بعد اس مین اور زیادہ وسعت و ترتیب پیدا ہوگئی ہے، لائق مؤلف نے جو خود اس نظام کے ایک رکن رہ چکے ہین، اس کتاب مین اس کے شعبۂ اعلیٰ یعنی بابِ حکومت کے حالات لکھے ہین، کتاب کے شروع مین وزارت کے عہد سے دکن کی اسلامی حکومتون اور دولتِ آصفیہ کے قیام کی مختصر تاریخ، اس کے قدیم وزراء کی فہرست اور غفران مآب میر محبوب علی خان کے عہد کی اصلاح و تنظیم کا مختصر حال ہے، پھر عثمانی دور مین بابِ حکومت کے قیام اور اعلیٰ انتظامی شعبون کی تنظیم جدید کی تفصیل اور بابِ حکومت کے قیام سے لیکر موجودہ دور تک کے ارکان و عمالان حکومت کے حالات، ان کی کارگذاریون کا ذکر اور اس ۲۵ سالہ دور کے انتظامی تغیرات اور اس سلسلہ مین جو حالات و واقعات پیش آئے ان سب کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اس طرح اس میں گویا دولتِ آصفیہ کی پچیس سال کی پوری انتظامی تاریخ آگئی ہے، کتاب دولتِ آصفیہ سے تعلق رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے،

پاکستان اور چھوت از چودھری افضل حق مرحوم، مترجمہ جناب اکرام قمر صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۲؎، پتہ مکتبہ اردو لاہور،

چودھری افضل حق مرحوم ان اصحاب قلم مین تھے، جن کی تصانیف سنجیدہ طبقہ مین وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہین، اپنے آخری ایام اسیری مین انھون نے پاکستان پر انگریزی مین ایک کتاب لکھی تھی، مذکورۂ بالا کتاب اسی کا ترجمہ ہے، مرحوم احرار کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے پاکستان کے خلاف تھے لیکن پاکستان کے تخیل اور ہندو مسلم اختلاف کو دونون قومون کے سیاسی اور مذہبی اختلاف کے بجائے محض سماجی اور اقتصادی اختلاف اور چھوت کا نتیجہ سمجھتے تھے، چنانچہ اس کتاب مین اسی نقطۂ نظر کو واقعات و دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور ہندو مسلمان دونوں کو آپس مین اور اچھوتون کے ساتھ چھوت چھات اور تحقیر و تذلیل کا رویہ ترک کرکے باہم مساوات اور ایک دوسرے کے جذبات کے احترام کی تلقین کی ہے، مصنف کا یہ خیال کہ ہندو مسلم اختلاف اور پاکستان محض ان کے سماجی اور اقتصادی اختلاف اور چھوت کا نتیجہ ہے صحیح نہین ہے بلکہ اس مین مذہبی اور سیاسی اختلاف کو بھی دخل ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب ہندوؤن کی تنگ نظری اور تنگ دلی ہے، چھوت بھی اسی کا نتیجہ ہے، مصنف نے اپنے خیال کی تائید مین جو واقعات و دلائل پیش کئے ہین، اس سے زیادہ اس کے خلاف پیش کئے جا سکتے ہین، تاہم مرحوم ایک صاحب فکر مسلمان تھے، اس لئے اس کتاب مین ہندو مسلمان دونون کے لئے بہت سی مفید اور قابل غور باتین بھی ہین، ترجمہ صاف اور سلیس ہے،

کتاب الہند جلد دوم، مترجمہ جناب سید اصغر علی صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۴۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ بے جلد سعہ، پتہ:- انجمن ترقی اردو نئی دہلی،

حکیم ابوریحان محمد بن احمد المعروف بہ البیرونی کی مشہور تصنیف کتاب الہند ہندوؤن کے مذاہب، عقائد، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کی مستند ترین تاریخ اور ہند قدیم کے حالات کا نہایت معتبر ماخذ ہے، حکیم مذکور نے برسون ہندوؤن مین رہ کر ہندو علماء سے سنسکرت زبان اور ان کے علوم سیکھے، اور ان مین اتنا کمال حاصل کیا، کہ اس درجہ کے ہندو علماء بھی کم نکل سکین گے، اور ہندوؤن کے علوم و فنون پر بہت سی کتابین لکھین، ان مین کتاب الہند سب سے زیادہ جامع اور مشہور ہے، اس کتاب کو جرمن فاضل ڈاکٹر اڈورڈ سخاؤ نے ۱۸۸۸ء مین مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، اس کتاب کی اہمیت اس کی متقاضی تھی کہ اردو مین اس کا ترجمہ کیا جاتا، لیکن یہ کام آسان نہین تھا، اس کے علوم و فنون کے ابواب کو جن کی

کتاب کا بڑا حصہ مشتمل ہے، وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان کی واقفیت کے ساتھ قدیم ریاضیات میں پورا درک رکھتا ہو، جس کا اجتماع شاذ و نادر نظر آتا ہے، اس لئے جناب سید اصغر علی صاحب نے اس اہم کام کو انجام دے کر اردو زبان کے علمی ذخیرہ میں ایک گران قدر کتاب کا اضافہ کیا ہے، راقم حروف ریاضیات سے ناآشنا ہے، اس لئے فنی مباحث کے ترجمہ کی صحت کے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتا، لیکن توقع یہی ہے، کہ صحیح ہوگا، پوری کتاب الہند ۸۰ ابواب پر مشتمل ہے، ترجمہ کے پہلے حصہ میں ۳۰ ابواب کا ترجمہ ہے، اور اس حصہ میں پچاس ابواب کا، امید ہو کہ یہ کتاب اہل علم میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیگی،

الف لیلۃ ولیلہ حصہ چہارم مترجمہ ڈاکٹر ابو الحسن منصور احمد مرحوم سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۴ صفحے، قیمت مجلد ۵ روپے مجلد للعہ، پتہ:- انجمن ترقی اردو دہلی،

انجمن ترقی اردو نے عربی ادب اور افسانے کی مشہور اور بے مثل کتاب الف لیلۃ ولیلہ کا بھی ترجمہ کرایا تھا، جس کے تین حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، ایک حصہ پر معارف میں بھی ریویو ہو چکا ہے، زیر نظر حصہ چوتھا ہے، اس میں چار سو باسٹھویں رات سے لیکر چھ سو چوبیسویں رات تک کی داستان ہے، ترجمہ صحیح شستہ اور سلیس ہے،

واجد علی شاہ از جناب محمد تقی احمد صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:- دانش محل امین الدولہ پارک، لکھنؤ،

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے حالات ہیں، کتاب پانچ بابوں پر تقسیم ہے، پہلے باب میں حکومت اودھ کی مختصر تاریخ ہے، دوسرے میں واجد علی شاہ کے دور کے سیاسی حالات اور حکومت اودھ کے خاتمہ کی تفصیل ہے، تیسرے میں واجد علی شاہ کے اخلاق و سیرت کا مختصر حال ہے، چوتھے میں نظام حکومت کا خاکہ، اور پانچویں میں لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کا مختصر تذکرہ ہے، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے کتاب سرسری اور تشنہ ہے، لیکن سقوط اودھ کے اسباب پر خود انگریزوں کی تحریروں اور سرکاری کاغذات سے اچھی بحث کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اودھ کی حکومت کے خاتمہ کے اصلی اسباب کیا تھے اور پروپیگنڈے نے اس کو کیا شکل دیدی ہے کتاب گو مختصر ہے لیکن فائدہ سے خالی نہیں، "م"

جلد ۵۶ ماہ شعبان المعظم و ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۵ء عدد ۲

مضامین

شذرات

شملہ کانفرنس کا حسرتناک انجام سب کے سامنے ہے، فریقین مین سے ہر ایک دوسرے کو اس کی ناکامی کا ملزم ٹھہرا رہا ہے، مگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کانفرنس کی تعمیر ہی مین خرابی کی ایک صورت مضمر تھی اور وہ یہ کہ ان مسلمانون کے انتخاب کا اختیار کس کو ہوگا، یہ ایک ایسا سوال تھا جو اول ہی دلہ مین سامنے آتا تھا، اس کا جواب سوچے بغیر جو بزم رچائی گئی اوس کی برہمی کی پیشینگوئی کوئی بڑی مشکل نہ تھی اس لئے ہز اکسلنسی وائسراے کا یہ ارشاد کہ اس کانفرنس کی ناکامی کے وہی ذمہ دار ہین تواضع کی بنا پر نہین، بلکہ واقعہ ہے اور اس تماشے سے مقصود شملہ کی بلندی سے دنیا کو اہل ہند کے باہمی اختلاف کی داستانون کو سارے عالم مین پھیلانا تھا، اور یہ مقصود حاصل ہو کر رہا،

لیبر پارٹی کی کامیابی سے ہندوستانی اہل سیاست کچھ مسرور سے نظر آتے ہین، کتنے احباب نے مزدور لیڈرون کو خوشی اور مبارکباد کے تار بھیجے ہین لیکن کیا لیبر پارٹی کا وہ زمانہ یاد نہین رہا جب ریمزے میکڈانلڈ صاحب کی وزارت مین مزدور حکومت برسراقتدار آئی تھی، اس وقت بھی بہت سی امیدین بندھی تھین، مگر کیا وہ ایک ایک کرکے آخر ٹوٹ نہین گئین، پھر اٹیلی صاحب کی وزارت مین اس سے بہتر امیدون کا خواب دیکھنا ایک ہی حماقت مین دوبارہ گرفتار ہونا ہے، ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے حق مین انگلستان کی ہر پارٹی کنسرویٹو ہے،

یورپ صرف قوت کے "دیوتا" کا پجاری ہے، خواہ یہ جنگی ہو یا مالی، اس لئے عدل و انصاف اور رحم و ترحم اور سوال و دریوزہ گری کے نام سے اوس سے کسی قوم کو کچھ نہین مل سکتا، یہود جو کبھی ذلیل تھے اور کسی سیاست مین اعتنا کے قابل نہ تھے ان کی دولت کے چشمہ نے لیبر پارٹی کے سیلاب کے بہاؤ کے رخ کو بدل دیا ہے، چنانچہ اس کے ایک نمایندہ کا یہ بیان پہلے بھی پڑھا گیا کہ وہ فلسطین مین یہود کی مدد کرین گے اور اب دوبارہ پڑھا گیا کہ اس کی پارٹی فلسطین مین ایک آزاد یہودی ریاست کی تائید مین ہے،

عرب ریاستون کی جو متحدہ کوششیں اس وقت نظر آتی ہین وہ خود مختار عرب رئیسون اور امیرون کی ارادی حرکت نہین، بلکہ گذشتہ برسراقتدار انگریزی پارٹی کے چشم و ابرو کے اشارہ کا نتیجہ تھی، اور اس بھید کو خود لیبر پارٹی کے ایک ممبر نے کھول دیا ہے، لیکن اب جب وہ کسی نہ کسی طرح اپنا متحدہ محاذ پیش کر چکے ہین، تو دیکھنا ہے کہ انگریزی اشارات کے ختم ہونے کے بعد بھی وہ کہان تک اپنی بات پر جمے رہتے ہین،

یہ کھلا ہوا راز ہے کہ نہر سویز انگریزی شہنشاہی کے گلے کی شہ رگ ہے جس کے کٹنے سے خود شہنشاہی معرض زوال مین آجائے گی، اس لئے اس کی حفاظت انگریزی قوم کی زندگی کا فرض ہے، لیکن مصر کی خود مختاری کے اعتراف کے بعد نہر کی ایک جانب سے اگر ان کا پہرہ اٹھ جائے گا، تو لازماً دوسری جانب جو فلسطین کا ملک ہے، پہرہ کی چوکی ٹھانی پڑے گی، اور یہاں کے لئے ایک ایسی قلیل التعداد باشندون کی قوم سب سے زیادہ مناسب ہے، جو اپنے وجود کے لئے ہر وقت انگریزون کی محتاج رہے اور یہی انگریزی سیاست دانون کی اصطلاح مین فلسطین مین یہودی آبادی اور یہودی ریاست کے معنی ہین،

روسی بالشوزم آہستہ آہستہ جس طرح روسی نیشنلزم کی صورت مین بدل رہا ہے، وہ ہر غور کرنے والے کو نظر آسکتا ہے، آب طلخ پر بھی نظر ہے، دردانیال کی بھی ضرورت ہے، ایرانی تیل کے چشمے بھی چاہئین، اور شاید بعض ایرانی صوبے بھی اور ٹرکی صوبون مین سے قارص اور اردھان کے دو صوبے بھی مطلوب ہین، آخر زار کا تصور بھی اس سے زیادہ کیا تھا، عجب نہین کہ ان واقعات پر ہماری ملت کے غدار افراد فلسفہ شکم کے کچھ نئے راز بتا کر ہم کو تسکین دینے کی کوشش کرین گے تاہم واقعہ واقعہ ہے، فلسفہ کے اختراع سے واقعہ نہین بدل سکتا،

نگار کے ملحدانہ مضامین کچھ نئے نہین گو رنگ بدل کر کتنے ہی اسلوب وہ اختیار کرے اس کا ماخذ اصل کفر ہی ہے، ابھی اس کے مدیر نے اپنے مذہب کا خاکہ کھینچا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کوئی چیز نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حساس قلب مصلح دل و دماغ اور حکیم فطرت انسان تھے! انھون نے گردوپیش کی قومون سے بہت سی عمدہ باتین سن کر اور ان کو اپنا کر ایک شاعرانہ دیوان قرآن نام جمع کیا، اب اگر اس مین بقول ٹسڈل دوسری کتابون سے کچھ لیکر شامل کر دیا گیا ہو تو اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات مین کوئی فرق نہین آسکتا، یہ ہے اس مضمون کا خلاصہ جس کا ماننے والا ظاہر ہے کہ کسی طرح مسلمان نہین کہلایا جاسکتا ہے، اور جس کا مقصود یہ ہوا کہ ٹسڈل کے ہفوات تمام تر صحیح ہین اور نگار کے عقیدہ کے مطابق ہین،

مدیر نگار سے مین نے خط لکھ کر مطالبہ کیا اور اب بھی کرتا ہون کہ ڈاکٹر ٹسڈل کے نام سے جس کتاب کا اشتہار وہ بار بار دے رہا ہے وہ اس کے صحیح نام اور اس مطبع سے جس مین وہ چھپی ہے، اور جو نسخہ اس کے پاس ہے اس کے سال و مقام طبع سے مطلع کرے یا وہ تھوڑی دیر کے لئے دفتر معارف مین بھیجدے تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو ترجمہ اس نے شائع کیا ہے وہ ٹسڈل کی کسی کتاب کا ترجمہ ہے بھی یا نہین، یا اسی پرانے ینابیع القرآن کا دوسرا اڈیشن ہے جس کو مدیر نگار کی جودت قلم نے خود گھڑ کر تیار کیا تاکہ اس کے لئے ھل من مبارز کا نعرہ بار بار لگ رہا ہے،

اعتراض کا یہ اچھا طریق ہے کہ آپ با این ہمہ جہل و نادانی اپنے دفتر مین چودھری بن کر بیٹھیں اور علماء سے جواب کا مطالبہ کرین اور جو جواب وہ دین اس مین ہر کسی کو ناقص اور کسی کو غیر تشفی بخش کہکر استہزا کرین گویا حافظ نے یہ شعر اسی دن کے لئے کہا تھا

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت

بہ یک نگاہ ادب آموز صد مدرس شد

اس طرح تو کسی سوال کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا، معترض کا کام کتنا آسان ہو کہ لوگ اس کو جوابات دیتے جائیں اور وہ سب سن کر آخر میں یہ کہدے کہ تسلی نہیں ہوئی، ایسے ہی لوگوں کے باب میں قرآن پاک کا یہ فتوی ہے

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ،

مدیر نگار نے اس مضمون مذکور میں اپنے اسلام کی حقیقت بیان کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مذہب ہے جس کو عرب کے مصلح و حکیم نے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر بنایا ہے، اور اپنے ان تجربات کے تاثرات کو قرآن میں اپنے لفظوں میں ادا کیا ہے، خدا کا عقیدہ قیامت اور جنت و دوزخ وغیرہ کے عقائد برائے بیت ہیں، عبادات وغیرہ رسوم ہیں، اصل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کردار کو دیکھنا چاہئے اور وہی عین اسلام ہے لیکن کیا ایسے شخص کا کردار سراہنے کے قابل ہو سکتا ہے جو عمر بھر یہ جھوٹ بولتا رہا ہو کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے، اور فرشتوں کے ذریعہ خدا کا پیغام اس کے پاس آتا ہے، اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ خدا کی بولی ہے حالانکہ وہ ساری اسی کی بنائی ہوئی ہے، اور اس کی اپنی ایجاد ہے مگر لوگوں کو سمجھانے اور منوانے کے لئے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے، اس سے زیادہ شدید الزام کسی پاک ہستی پر اور کیا ہو سکتا ہے،

مدیر نگار نے اتنے پیچ و خم سے جو بات کہی ہے وہ نئی نہیں ہے، ہر زمانہ کے زنادقہ یہی کہتے آئے ہیں، کہ انبیا علیہم السلام نے عوام کی بھلائی کے لئے یہ جھوٹ گھڑ کر پھیلایا ہے،

گویا مذہب اک دروغ مصلحت آمیز ہے،

باطنیہ اسی خیال کو تاویلاتِ فاسدہ کے رنگ میں پیش کرتے ہیں، یہ زمانہ آزادی کا ہے، اس لئے تاویل کے پردہ کی ضرورت بھی نہیں رہی، بے پردہ بات کہدی گئی، اور پھر اس پر بھی اسلام کا دعویٰ ہے،

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مسلمانوں پر اس لحاظ سے واجب نہیں ہے کہ آپ عرب کے حکیم یا انسانیت کے مصلح تھے، بلکہ اس لئے واجب ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور رسول اللہ کا تصور بغیر اس کے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے ممکن ہی نہیں ہے،

مقالات

رومن کیتھولک تاریخ کی چند من گھڑت کہانیان

بنگال سنتے ہین کہ مسلمانون کا صوبہ ہے مگر وہان کی تعلیم گاہون سے وقتاً فوقتاً مسلمان اور اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق ایسی ہنگامہ خیز اطلاعین آتی ہین کہ ہم کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا واقعی بنگال مین مسلمانون کی کوئی قوت ہے بھی یا نہین،

ابھی اکبر کی دین الٰہی والی کتاب کا ہنگامہ فرو نہین ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ کلکتہ کے ایک مشنری کالج (سینٹ زیویر کالج) کے ہائی اسکول سکشن مین ایک کتاب کیتھولک چرچ ہسٹری طالب علمون کو پڑھائی جاتی ہے، جس مین ایک باب اسلام کے سخت خلاف ہے، کتاب مذکور کے اس باب کا خلاصہ مین نے پڑھا تعجب ہوا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو مذہبی رواداری ہی کے خلاف نہین، بلکہ علم اور واقفیت کے بھی خلاف ہے، عیسائیون نے ہمیشہ مسلمانون کو یہ طعن دیا ہے کہ انھون نے تلوار کے زور سے اپنے مذہب کو پھیلایا ہے، یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، مگر بہرحال انھون نے جھوٹ اور فریب سے اپنے مذہب کو کبھی نہ پھیلایا، جیسا کہ اس زمانہ کی مشنریون کی تبلیغی کوششون مین نظر آتا ہے، اس کتاب کے اس باب کا حاصل بھی یہی ہے کہ مسلمانون نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا ہے ممکن ہے بعض صورتون مین یہ واقعہ صحیح ہو، جس طرح جرمنی کے باب مین یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہان عیسائیت تلوار کی نوک سے پھیلائی گئی ہے۔

اس باب مین پیغمبر اسلام علیہ السلام اور خلفاء کے بھی مختصر واقعات ہین، دنیا اس تحقیق کو سن کر حیران رہ جائے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ یہودیہ تھین، حضرت آمنہ بنت وہب جو قریش کی سیدہ تھین ان کو یہودی نسل یا مذہب سے بتانا ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکے گی۔

اس کتاب کا یہ بیان کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے تیسویں سال میں نبوت کا دعوی کیا مُنہ بولتی جہالت کا آئینہ ہے' دنیا جانتی ہے کہ حضور کی نبوت اس کے دس برس بعد کا واقعہ ہے، جب عمر شریف چالیس سال کی تھی، اور شباب کا عہد اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا،

ولادت کا سال سنہ ۵۸۰ء[1] بتا کر ہجرت کا سال سنہ ۶۲۲ء بتانا بھی تاریخ کا خون کرنا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ہجرت کا واقعہ آپ کی عمر کے بیالیسوین برس پیش آیا، حالانکہ آپ کی عمر اس واقعہ کے وقت باتفاق عام ترپن سال کی تھی، کیونکہ چالیسویں سال آپ کو نبوت ملی، اور اس کے بعد تیرہ سال مکہ میں رہ کر قریش کے ہر قسم کے ظلم وستم سہے تب مدینہ کو ہجرت فرمائی، اور اس کتاب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد جب بت پرستی کے خلاف آپ نے وعظ شروع کیا، تو بت پرست قریشیون کے غیظ وغضب کو دیکھ کر آپ فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ چل دیئے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے،

[1] ولادت کی صحیح تاریخ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء اور ہجرت کی ستمبر ۶۲۲ء ہے، ض

یہ بیان بھی تحقیق سے خالی ہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع کیا گیا، کوئی کتاب جس کی سطریں یکجا اور آیات مرتب نہ ہوں، نہ پڑھنے میں آسکتی ہے، اور نہ اُس کی تلاوت کیجا سکتی ہے، حالانکہ ہر ایک کو معلوم ہے، کہ قرآن پاک کا ہر حصہ اُس وقت بھی ہر مسلمان نماز میں پڑھتا تھا، اور ہر روز اس کی تلاوت کرتا تھا، ہاں یہ صحیح ہے کہ کاغذ پر اس کی تمام آیتیں اور سورتیں یکجا ترتیب کے ساتھ بشکل کتاب حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں لکھی گئیں،

اس کتاب کا بیان ہے کہ جب آپ سے درخواست کی جاتی تھی، کہ آپ کوئی مافوق الفطرت نشانات اپنے دعوی کی تائید میں پیش کریں، تو آپ جواب دیتے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے معجزات دکھانے کے لئے نہیں بھیجا ہے بلکہ دعوت دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجا ہے" اس بیان کی صداقت کے لئے مصنف نے قرآن کی سورہ ۱۳، آیۃ ۷ کا حوالہ دیا ہے، میرا چیلنج ہے کہ اس معنی کی کوئی آیت قرآن پاک میں نہیں، ہو تیرہویں سورہ رعد ہے اور اس کی جس تیرہویں آیۃ کا حوالہ دیا گیا ہو وہ شاید حسب ذیل ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ	اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار
عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ	کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری
مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ	(اے محمد) آپ تو خبردار کرنے والے ہیں
(رعد - ۱)	اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے'

اس آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو معجزہ نہ دکھانے کے واقعہ کو ظاہر کرے، اور یہ کہنے کہ آپ "لڑنے" کو بھیجے گئے ہیں، خیال ہوتا ہے کہ شاید قرآن پاک کے کسی ترجمہ میں مُنذر کا ترجمہ خبردار اور ہشیار کرنیوالے کے بجائے ڈرانے والا یا ڈرسنانے والا کیا گیا ہے، اور اس سے لڑنے کا مفہوم حاصل کیا گیا ہے، ایسے لوگوں کی اطلاع کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منذر عربی زبان میں وقت سے پہلے آنے والی مصیبت کو بیان کرکے اوس سے بچنے کی تدبیر کے لئے تیار کرنے والے کو کہتے ہیں، جیسے ڈاکٹر کسی مریض کو دیکھکر آیندہ خطرات سے اوس کو ہشیار اور متنبہ کرے کہ اگر اپنی حالت کی درستی کے لئے کوشش نہ کروگے تو تم کو فلاں فلاں بیماریاں لاحق ہو جائیں گی، اس "انذار" کو جنگ اور لڑائی سے کوئی تعلق نہیں، یہ تنبیہ اوس عذاب الٰہی کے مقابلہ میں ہر جو دوسری دنیا میں اسلام کے پیغام کے نہ ماننے اور اوس پر عمل نہ کرنے سے پیش آنے والا ہے، قرآن کی بہت سی آیتوں میں یہ لفظ آیا ہے، اور انہی معنوں میں آیا ہے، جیسے سورۂ زمر میں ہے، فرشتے قیامت میں کہیں گے:۔

اَلَمۡ یَاتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ	کیا تمھارے پاس تمھارے میں سے رسول
عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَ یُنۡذِرُوۡنَکُمۡ	تم کو تمھارے پروردگار کے حکم کو پڑھکر سنانے
لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ھٰذَا،	اور اس تمھارے دن کی ملاقات سے ڈرانے
(زمر - ۸)	اور ہشیار کرنے نہیں آئے،

کیا قیامت کا میدان لڑائی کا میدان ہے، دوسری جگہ ہے،

اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ یَّخۡشٰہَا	آپ اس کو ڈرسنانے والے ہیں جو قیامت
(نازعات-۲)	سے ڈرتا ہے،

دیکھئے اس میں ٹھیک وہی لفظ مُنذر ہے جو پہلی آیت میں ہے،

سورۂ یٰسین میں ہے:۔

وَسَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ	اور برابر ہو ان کے لئے ان کو ہشیار کریا نہ کرو، ایمان
لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِنَّمَا	نہیں لائیں گے، تم اسی کو ہشیار کر سکتے ہو
تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ	جو نصیحت کی پیروی کرتا اور بن دیکھے رحمت والے
الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ	خدا سے ڈرتا ہے، تو اس کو گناہوں کی
وَّ اَجۡرٍ کَرِیۡمٍ، (یٰسین - ۱)	معافی اور نیک مزدوری کی خوشخبری سناؤ

کیا یہ "انذار" اعلان جنگ ہے، اور کیا اسی کو اعلان جنگ ہے، جو نصیحت کو مانتا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو،

یہ کیسا حماقت کا خیال ہے،

قرآن کہتا ہے:-

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ، (فاطر - ۳)	اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہین جس مین ایک ڈر سنانے والا نہین آیا،

کیا ہر قوم مین آنے والا ہوشیار کرنے والا پیغمبر ہے، جو قومون کو ان کے اعمال بد کی پاداش سے ہشیار اور باخبر کرکے ان کے دل مین اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے، یا وہ جنگ کا الٹی میٹم دینے والا ہوتا ہو،

ایک اور آیت ہے:-

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشَاهَا (نازعات - ۲)	اے پیغمبر تم تو اس کو جو قیامت سے ڈرتا ہو ہوشیار کرنے والے ہو،

یہان صاف تصریح ہے کہ عربی مین لفظ انذار کا مفہوم ہشیار و باخبر کرنا اور عمل بد کی پاداش سے متنبہ کرنا ہو نہ کہ لڑائی اور جنگ جوئی،

اب یہ کہنا ہے کہ اس آیت مین بے شبہہ عجائب وغرائب اور خوارق عادت کے مانگنے والے کو خوارق اور معجزات کے بجائے اسلام کی تعلیم و ہدایت کی صداقت مین غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور عجائب پرستی کے عامیانہ جذبہ کے بجائے عقل و خرد کو کام مین لانے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، مگر اس سے اس کا انکار نہین نکلتا، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معجزات دکھانے سے انکار کیا ہے، قرآن خود معجزہ ہے، اور اس مین متعدد معجزون کا بیان مذکور ہے جن مین ایک شق القمر کا معجزہ بھی ہو، جو سورۂ قمر مین ہے اسی طرح بدر اور خندق کے معجزون اور روم کی فتح کی پیشینگوئی کا ذکر بھی ہے،

اس آیت مین معجزون کے دکھانے سے جو پہلوتہی ظاہر کی گئی ہے، اس کے وہی معنی ہین، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ان فقرون کے ہین جن مین معجزون کے دکھانے سے انھون نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ "اس قوم کو یونس کے معجزہ کے سوا اب کوئی اور معجزہ نہین دکھایا جائے گا" (تفصیل منظور ہو، تو میری کتاب سیرۃ النبی کی تیسری جلد مین اس کو پڑھئیے)

اتفاق[1] سے انجیل کا ایک نسخہ اس وقت مل گیا ہے، اور اس سے یہ دو درس بالفعل

[1] یہ مضمون بحالت سفر لکھا گیا ہے،

نقل کر دیئے جاتے ہیں،

"اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اوس نے جواب دیکر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان چاہتے ہیں، مگر یونا ہ بنی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا، (متی ۱۲-۳۹)

مرقس میں ہے :-

"پھر فریسی نکل کر اوس سے بحث کرنے لگے، اور آزمانے کے لئے اوس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا، اوس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اوس زمانہ کے لوگ کیون نشان طلب کرتے ہیں؟ مین تم سے سچ کہتا ہون کہ اس زمانہ کے لوگون کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا، اور وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی مین بیٹھ گیا، (۸-۱۱)

اس انجیل مین جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزون سے بھری ہوئی ہے، آزمایشی اور فرمایشی معجزون کے جواب مین انکار کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیا علیہم السلام سے تائیدی معجزے گو بکثرت ہوتے ہین مگر تحدی بہ معجزہ کے دکھانے سے وہ انکار کرتے ہین، کہ قانون الہی کے مطابق ایسے معجزون کے ظہور کے بعد نافرمان امت کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس لئے وقت مقرر سے پہلے یہ فرمایش پوری نہین کی جاسکتی ٹال دیجاتی ہے کیا عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس انکار کی توجیہ اس سے بہتر کر سکتے ہین۔

کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب مین آخرت کو صرف مادی شکل مین پیش کیا گیا ہے، اور اس کے روحانی تخیل سے خالی ہے یہ بھی معترض کی بے خبری ہے، اول تو یہ عرض ہے کہ انجیل مین کیا قیامت کے بعد جنت مین اپنے ساتھیون کے پہلو مین افشردہٗ انگور خواہ وہ شربت ہو یا شراب پینے کا ذکر نہین (متی ۲۶-۲۹) اور کیا "دوزخ کی آگ" کا منظر انجیل مین جابجا نہین دکھایا گیا ہے، (لوقا ۱۲-۵ و ۱۶-۲۳- متی ۲۳-۳۳) تفصیل منظور ہو تو میری کتاب سیرۃ نبوی کی چوتھی جلد مین دوزخ اور جنت کا بیان پڑھیں، اس مین بائبل کے اکثر حوالے لکھے ہین جن کو روشن خیال عیسائی چھپاتے ہین جہنم کے عذاب کا ذکر (متی ۲۳-۳۳) میں ہے،

فریسی یہودی جو قیامت کو مانتے تھے، وہ جنت و دوزخ کو سراسر مادی، اور عیسائی ان کو سراسر روحانی فرشتون کی سی زندگی بتاتے ہین، اسلام مین جنت و دوزخ کے تصور مین مادی و روحانی دونون منظرون کی جامعیت ہے، بہشت باغ و بہار بھی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور

خوشنودی اور دیدار کے روح پرور جمال کا نظارہ گاہ بھی، جیسا کہ قرآن کہتا ہے،

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ — اور اللہ کی خوشنودی آخرت کی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے، (توبہ - ۹)

(تفصیل میری مذکورۂ بالا کتاب کی چوتھی جلد مین ہے)

زیر اعتراض باب کا آخری حصہ اس بیان مین ہے، کہ اسلام کی اشاعت صرف تلوار کے زور سے ہوئی ہے، یہ بالکل ٹھیک ہے، انہی معنون مین جن معنون مین آج بھی عیسائی یورپ اپنی عیسائی تہذیب کی اشاعت توپ وتفنگ اور ہوائی جہازون اور ٹینکون کے ذریعہ سے کر رہا ہے، جس کے زیر سایہ عیسائی سامان عیش و مسرت اور مشنری صلح پسندون کا غول ملکون مین داخل ہوتا ہے، اور ان پڑھے جنگیون کو بے خبری کی حالت مین عیسائی بناتا ہے، افریقہ کے نگرو اگر عیسائیت کے بجائے اسلام کو قبول کرتے ہین، تو اس سے ہمارے عیسائی دوستون کو فکر مند ہونے کی کیا بات ہے،

اسلام کی تلوار ابی سینیا مین کبھی نہین چلی، پھر وہان مسلمانون کی تعداد کہان سے آئی، جزائر ملایا و سیام مین کبھی اسلام نے کوئی لشکر نہین بھیجا، پھر یہ کرورون مسلمان ان جزیرون مین کہان سے آباد ہوگئے، فلپائن اور مڈگاسکر وغیرہ جزیرون مین اسلام کس کشور کشا جلاد کے خوف کا نتیجہ ہے، چین مین مسلمانون کی حکومت کبھی نہین ہوئی، پھر وہان کے کرورون مسلمان کس تلوار کے زور سے مسلمان بنائے گئے، ہندوستان مین مسلمانون کی تعداد ان کی حکومت کے ختم ہونے کے بعد بھی تین چار کرور سے زیادہ نہ تھی، جیسا کہ پہلی انگریزی مردم شماری مین درج ہے، مگر سو برس کے عرصہ مین ان کا بے تلوار کے دس کرور کے قریب ہوجانا کس مادی ہیبت کا نتیجہ ہے، پھر آج یورپ کے مختلف ملکون اور گوشون مین اسلام کی نموداری جب کہ اس کی ہر تلوار زنگ آلود ہو چکی ہے کس اعجاز کا کرشمہ ہے، افریقہ کے ریگستان کے ہر ٹکڑے مین آج عیسائیت تلوار کے زور سے قائم ہے تاہم روحانی مفتوحون کی بڑی تعداد عیسائیت کے بجائے اسلام کے آغوش مین آتی ہے، کیونکہ اسلام افریقہ کو ایمان کی تازگی کے ساتھ حکومت کی آزادی بھی بخشتا ہے، لیکن عیسائیت تثلیث کی بت پرستی کے ساتھ یورپ کا غلام بناتی ہے،

رومن کیتھولک چرچ کی تاریخ مین یہ بھی لکھا تھا، کہ رومن کیتھولک چرچ انسانون کو پوپون کو معتقد بنایا کرتا تھا، اسلام نے آکر انسانون کو صرف ایک خدا کا معتقد بنایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہودیون نے

حضرت مریم صدیقہ پر جو اخلاقی تہمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو الزامات لگائے تھے، اسلام ہی ہے جس نے ان معصوموں کی عصمت کی گواہی دیکر کروڑوں بندگان خدا کے دلوں میں ان کی سچائی اور صداقت کا سکہ بٹھایا، اور عیسائیوں نے ان کو انسانوں کے بجائے جو دیوتا کی شکل عطا کی تھی، اس کو مٹا کر مقدس انسانوں اور محبوب بندگان الٰہی کی صورت میں جلوہ گر کیا،

مصنف کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیغ زن سپاہیوں سے بڑی شکایت ہے لیکن کیا کارلائل کی زبان میں اوس سے پوچھ سکتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تیغ زن سپاہیوں کو تن تنہا کس تلوار کے زور سے مسلمان بنایا، ایسے تیغ زن سپاہیوں" بہادروں کو جن میں سے کسی نے ایران کا تخت الٹ دیا، کسی نے قیصر سے مصر و شام اور شمالی افریقہ کا سارا علاقہ چھین لیا، اور کسی نے خراسان و ترکستان کی سرزمینوں کو روند ڈالا،

مشنریوں نے اسلام کے خلاف جو یہ خیال پھیلا رکھا ہے، کہ وہ کوئی نیا مذہب نہیں، بلکہ وہ صرف عیسوی اور یہودی مذہب کا مجموعہ ہے، کوئی نیا اعتراض نہیں، یہ تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے عہد میں بھی کفار نے کہا تھا،

لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ بجائے خود اسلام کا دعویٰ بھی یہی ہے، کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے کہا گیا تھا اور جس کو ان کے پیروؤں نے بھلا دیا تھا، اسلام کے ذریعہ سے وہی پیغام پھر دنیا میں بھیجا گیا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معترضوں سے یہ کہا تھا کہ میں تورات کے قانون کو مٹانے کیلئے نہیں بلکہ اس کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں، اور جب تک دنیا قائم ہے، تورات کا ایک نقطہ نہیں بدل سکتا، اسی طرح قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ تورات اور انجیل کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (بقرہ ۱۲) اگلی کتابوں کو سچا بتانے والا،

اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ دین الٰہی ایک ہی ہے جو آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یکسان پیغمبروں کے ذریعہ بھیجا جاتا رہا، اور قرآن پاک میں جو کچھ ہے وہی اگلی کتابوں میں بھی تھا، چنانچہ وہ اپنی نسبت آپ گواہی دیتا ہے، تورات اور انجیل کے ذکر کے بعد ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ — اور ہم نے تیری طرف قرآن اتارا حق کے ساتھ اپنے سے پہلے کی کتابوں کی

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ - ۷) تصدیق کرتی ہے' اور ان کتابون "پہیمن ہو"

لفظ ہیمن کا ترجمہ محافظ، مشتمل اور جامع بھی کیا گیا ہے،

سورۂ شعراء مین ہے:-

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء - ۱۱) اور یہ مضمون (جو قرآن مین ہے) اگلون کی کتابون مین (بھی) ہے،

ایک اور سورہ مین ہے :-

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (اعلیٰ) یہ مضمون اگلے صحیفون مین ہے، اور ابراہیم اور موسیٰ کی کتابون مین،

سورہ شوریٰ مین ہے :-

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی، (شوریٰ - ۲) اللہ نے تمھارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اوس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے تمھارے پاس وحی کیا اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا،

اب جس بات کا قرآن خود دعویٰ کر رہا ہو، اور جو اوس کی متفقہ اور متحدہ صداقت کی دلیل ہو، اوس کو اعتراض کے موقع پر پیش کرنا کہان تک صحیح ہے، اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ تمام انبیاءؑ ایک ہی دعوت، ایک ہی تعلیم اور ایک ہی شریعت لے کر آئے، مگر ان کے متبعون نے اس کو کھو دیا، اور بگاڑ دیا، اب وہی چیز قرآن کے قالب مین آخری بار آئی ہے۔ اور اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے، وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ،

اب جہان تک عقائد حقہ، تعلیمات صحیحہ اور انبیاءؑ کے صحیح واقعات وقصص کا تعلق ہے، قرآن پاک اور تورات اور انجیل کی یکسانی بالکل کھلی بات ہے لیکن جہان ان کتابون کی تحریفات اور انسانی آمیزشون کا تعلق ہے، قرآن ان سب سے الگ اور اون سب سے ممتاز ہے، تثلیث کا عقیدہ اور ان عقائد کے ذکر سے جن کو پالوس نے دین عیسوی مین شامل کیا ہے قرآن پاک بری ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے قصون کے

اُن عناصر کی جو توراۃ مین بُری طرح آج مذکور ہین، قرآن نے علانیہ ۔ ۔ ۔ تردید کی ہے اور انبیا علیہم السّلام کی عصمت کو دنیا مین دوبارہ ظاہر کیا ہے، اگر قرآن پاک موجودہ انجیل اور موجودہ توراۃ کا مجموعہ ہوتا، تو یہ امتیاز کیون نظر آتا،

مقصود یہ ہے کہ خدا، انبیار، قیامت، جزا و سزا اور قصص انبیاؑ کی حد تک قرآن اور دیگر آسمانی کتابون کا اتحاد، قرآن پاک کی صداقت کی دلیل ہے، نہ کہ بطلان کی، کہ یہ سب چشمے ایک ہی ربانی سرچشمہ سے نکلے ہین

اور اگر مقصود یہ ہے کہ اگلی کتابون کی کوئی بات پچھلی کتاب مین دہرائی نہ جائے، تو اس نقص سے عیسائیون کی یہ موجودہ انجیل بھی خالی نہین، وہ بھی یہودی کتب واسفار کے اقوال کی تکرار سے معمور ہے، حضرت عیسیٰؑ کا آخری فقرہ ایلی ایلی لما سبقتنی (مرقس ۱۵-۳۴ متی ۲۷-۴۶) زبور ۲۲-۱ مین مذکور ہے اور حضرت داؤدؑ کی دعا کا ٹکڑا ہے، خدا کے باپ اور حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے ہونے کا دعویٰ بھی زبور ۲- کی نقل ہے، جس مین حضرت داؤدؑ نے خدا کو مجازاً باپ اور اپنے کو بیٹا کہا ہے، انجیل کی بہت سی خوبصورت تمثیلین بھی عہدِ قدیم کے صحیفون مین ملتی ہین، اور ان کے علاوہ مصری اور یونانی میتھالوجی بلکہ بودھ تک کے فقرے بھی موجودہ انجیل کے نسخون مین مذکور ہین، مصر کے ایک فاضل نے التطبیق بین الدیانۃ الوثنیۃ والدیانۃ المسیحیۃ مین ان سب کو پوری تفصیل سے جمع کر دیا ہے،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حصۂ سوم

اس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیمہ، فلسفہ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی مین مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوت، یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی نزول، ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے،

زیر طبع ہے"

منیجر

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

(۲)

گذشتہ صفحات مین شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقون اور گروہون کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے لیکن آیندہ ابواب مین تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہین، اور راہ سلوک مین بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہین؛ ان مین سے ہر ایک کی علحدہ علحدہ تشریح اور توضیح ہے،

پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہین کہ معرفت علم اور عقل سے حاصل ہوتی ہے، مگر ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہین کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہین ہے، ہجویریؒ کا خیال ہے، کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے عقل اور دلیل معرفت کا سبب ہوسکتی ہین، مگر علت نہین، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ خدا کو مین نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا،

معرفت کیا ہے؟ اس پر ہجویریؒ نے صوفیۂ کرام کے اقوال کی روشنی مین بحث کی ہے، حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہین، کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیون ہو، حضرت ذو النون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کرکے اسکو تمام آفتون سے محفوظ رکھے، اس کے دل مین خدا کے سوا

موجودات اور مثبات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے
شیخ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے
چگونگی میں، ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی میں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں
کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا
قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے
ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے،
ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن
اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے،

دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے (۱) یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی
وحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے (۳) بندوں
کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس
کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہیں، وہ
محدود نہیں جس کے لئے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں جس کے لئے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لئے جوہر ہو،
وہ کوئی طبع نہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ اس کے لئے بدن ہو، وہ کوئی جسم
نہیں کہ اس کے لئے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی
چیز اس کا جز ہو، اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ حی ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے،
دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے
جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں،
وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے،

تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ
کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ
نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت
پسندیدہ نہیں ہے، جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق اور

محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائیگی، اسی قدر فرمانِ الٰہی کی تعظیم زیادہ بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے، جب تک کہ خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہوگیا، تو پھر تن کو اس کی طاعت نہ کرنی چاہئے،

چوتھا پردہ طہارت کا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہین (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارتِ باطن، طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر نماز درست نہین اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر معرفت حاصل نہین ہوسکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ مین توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہین خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لئے تین شرطین ہین (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطین اسی وقت ممکن ہین، جب ندامت ہو، اس ندامت کے لئے بھی تین شرطین ہین (۱) عقوبت کا خوف ہو (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کامون کا حاصل کچھ بھی نہین (۳) نافرمانیون سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے،

ندامت سے توبہ کرنے والون کی بھی تین قسمین ہین،

(۱) عذاب کے ڈر سے - اس کو توبہ کہتے ہین جو عام بندے کیا کرتے ہین ؛

(۲) ثواب کی خواہش سے - یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے،

(۳) حصولِ عرفان کے لئے - یہ اذابت ہے، جو انبیاء و مرسلینؑ کے لئے ہے،

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمین بتائی گئی ہین :-

(۱) خطا سے صواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو، یہ توبہ عام ہے،

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگون کی توبہ ہے،

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے،

پانچوان حجاب نماز کا ہے، اس مین شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ مین بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندون کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہین، وضو یعنی جسم کی طہارت

توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرات ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہوکر مقامات سے باہر آنا ہے،

نماز کے سلسلہ مین بہت سی بحثین ہین، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے لیکن ہجویریؒ نے دونون کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہین، کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہین،

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز مین تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازین بہت کم پڑھتے ہین، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازین پڑھا کرتے ہین، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والون کے لئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہین ہو سکتا ہے،

شیخ ہجویریؒ کی راے مین اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت مین ہو اور روح عالم ملکوت مین، صوفیائے کرام نے ایسی نمازین پڑھی ہین، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب مین نماز پڑھتا ہون تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہون، حضرت ابوالخیر اقطعؒ کے پاؤن مین آکلہ ہو گیا تھا، اطبا نے پاؤن کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو پاؤن کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز مین بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت مین کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئین تو ان سے پوچھا گیا، کہ بچھو کو کیون نہین اپنے سے دور کیا، بولین خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی،

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جزء ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ مین نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہیئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال مین اور اس کی زیادتی و کمی مین تمیز کرتا ہے مگر جواد کے ہان اس قسم کا فرق و امتیاز نہین ہوتا،

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجایش کہاں؟ مگر ہجویری ؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں ہر شے کی ہوتی ہے زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لئے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضاء کو عبادت مین مشغول رکھنا ہے باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے، الخ الخ

ساتوان حجاب روزہ ہے، شیخ ہجویری ؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوے بتایا ہے کہ اس سے نفس مین فتادگی اور دل مین عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا مین مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے حضرت ابو العباس قصاب ؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب مین کھاتا ہون، تو اپنے مین گناہون کا مادہ پاتا ہون اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہون، تو سب طاعتون کی اصل پاتا ہون، حضرت عبد اللہ تستری ؒ پندرہ روز مین ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہین تنادل فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہم ؒ بھی رمضان المبارک مین کوئی چیز نہ کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہون کاٹنے کی مزدوری پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی اس کو فقراء اور مساکین کو دیدیا کرتے تھے،

آٹھوان حجاب حج کا ہے، ہجویری ؒ کے نزدیک حج کے لئے ایک صوفی کا نکلنا گناہون سے توبہ کرنا ہے کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتون سے علحدہ ہونا ہے، عرفات مین قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے مزدلفہ جانا نفسانی مرادون کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدا ے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے صفا اور مروہ مین دوڑنا دل کی صفائی اور اس مین مروت حاصل کرنا ہے منیٰ مین آنا آرزوؤن کو ساقط کرنا ہے قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشون کو ذبح کرنا ہے اور کنکریان پھینکنا برے ساتھیون کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہین ہوئین، اس نے گویا حج نہین کیا،

شیخ ہجویری ؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب مین مشاہدہ پر بحث کی ہے حضرت ابو العباس ؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہین دیتی، حضرت شیخ شبلی ؒ فرماتے ہین، کہ مین نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اسکی

قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، ہجویری کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوار الٰہی ہے، اس لئے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار ادراکِ کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے،

اس کے بعد مختلف ابواب میں ہجویری نے سالک کے طریق آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لئے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لئے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو، وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتگو سے بہتر ہے، لیکن اس کی گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لئے زینت ہے،

آخر میں سماع پر بحث ہے، ہجویری کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے، اور طویل وقفہ کے بعد سنے تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاتی رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے، تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، ہجویری نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو فرقہ حلولیہ کا طریقہ بتایا ہے جو ان کے نزدیک کافر اور زندیق ہیں،

خواجہ معین الدین چشتی   ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الملۃ والدین حسن چشتی سجزی قدس سرہٗ العزیز بلدۂ سجستان میں پیدا ہوئے[1] سلسلۂ نسب یہ ہے،

---

[1] سیر العارفین میں آپ کے مولد شریف کا نام دار سنجان (؟) اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا ہے، تاریخ فرشتہ

خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین،

بارہ[1] سال کی عمر مین والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ترکہ مین ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ مین آئے، خواجہ معین الدینؒ نے انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھون نے انگور نہ کھایا، اور کھلی (کنجارہ) کو دانتون سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ مین دیا، کھلی کا کھانا تھا، کہ خواجہ صاحب کا دل انوار الٰہی سے روشن ہوگیا،[2] علائق دنیا سے برگشتہ ہوکر طلب خدا مین اٹھ کھڑے ہوئے، اور سمرقند پہونچے، یہان کلام پاک حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم مین مشغول رہے،[3]

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبہ ہارون[4] مین حضرت شیخ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب شیخ عثمانی ہارونیؒ کی خدمت مین ڈھائی سال رہے، اور ریاضات و مجاہدات مین زندگی بسر کی، سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء مین ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳) جلد دوم صفحہ ۳۶۵ مین ہے، "تولد او در بلدہ سجستان بود" اکبر نامہ مین ہے "خواجہ از سیستان است و اوراسنجری نویسند کہ معرب سنگزی است (جلد دوم ص ۱۵۴) تزک جہانگیری مین ہے "مولد آنجناب سیستان ست ازین جہت ایشان را سنجری نویسند کہ معرب سنگزی است" (ص ۲۴)، راقم الحروف کے خیال مین سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص مین پھیل گئی، دراصل صحیح لفظ سجزی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہین جس کی نسبت سجزی ہے، اس لئے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے، سیر الاقطاب کے مصنف کا یہ کہنا کہ آن حضرت اصل از سادات سنجرستان است" محض قیاس ہے،

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۱ اور مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین پندرہ سال مذکور ہے [2] سیر العارفین (اردو ترجمہ شمس المطابع) ص ۵ خزینۃ الاصفیاء (مطبع ثمر ہند لکھنؤ) ص ۲۵۰، و مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) [3] سیر العارفین مین ہے کہ حفظ کلام پاک اور تحصیل علوم ظاہری سمرقند اور بخارا مین کی [4] یہ قصبہ نیشاپور کے حدود مین واقع ہے، خیر المجالس مین ہے:- خواجہ فرمود کہ ہارونی نیست، ہرونی است، ہرون دہی است، خواجہ دران دہ بود"

(بحوالۂ اخبار الاخیار ص ۵،)

خدمت مین رہے، اس مدت مین خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی (مونس الارواح)

اسی سلسلہ مین مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، پیر و مرشد نے ان کے حق مین خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ

مین دعائین کین، عالمِ غیب سے ندا آئی،

"معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم"

مدینہ منورہ ہی مین بارگاہِ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، (سیر الاقطاب

و مونس الارواح)

شیخ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی، وہ فرمایا کرتے تھے، کہ

"معین الدین محبوب خداست و مرا فخر است بر مریدی او"[1]

چنانچہ خواجہ صاحب کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، اس وقت ان کا سن شریف ۵۲ برس کا

تھا، (مونس الارواح) اور جب وہ پیر سے رخصت ہونے لگے، تو ان کو عزیز مرید کی فرقت گوارا نہ ہوئی، اور

بغداد کے سفر مین ساتھ رہے[2]

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے اسنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبری کی خدمت

مین ڈھائی سال مقیم رہے[3] وہان سے چل کر جیل پہونچے، اور حضرت شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی

سے شرف نیاز حاصل کیا، اور ان کی معیت مین بغداد آئے، جہان شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، اور

ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے، اور یہین خواجہ اوحد الدین کرمانی قدس سرہ سے فیضیاب

ہو کر ان سے خرقۂ خلافت پایا[4]

بغداد سے ہمدان آکر خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی، ہمدان سے تبریز پہونچے، اور شیخ جلال الدین

تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابو سعید تبریزیؒ کی زیارت کی، اور ان کی صحبت سے متمتع ہوئے، وہان سے استراباد آئے

استراباد مین شیخ ناصر الدین استرابادی کی صحبت سے مشرف ہوئے، شیخ ناصر الدین بایزید بسطامی کی اولاد مین

تھے، اس وقت ان کا سنِ شریف ایک سو ستائیس سال کا تھا، استراباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب

سبزوار پہونچے، اور وہان سے حصار و شادمان ہوئے حصار سے بلخ آئے، اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی

---

[1] سیر العارفین ص ، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۰، سیر الاقطاب ص ۱۰۳، نولکشور پریس و مونس الارواح [2] سیر العارفین ص ۵ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۷ [3] ایضاً [4] ایضاً

خانقاہ مین مقیم رہے، بلخ سے غزنی کی طرف روانہ ہوئے، یہان شیخ نظام الدین ابوالمؤید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی کی زیارت کی، اور پھر وہان سے ہندوستان کی طرف قصد کیا،

جس وقت وہ ہندوستان آئے، اس وقت شیخ علی ہجویریؒ کا انتقال ہوچکا تھا لیکن لاہور مین شیخ سعدالدین حمویہ کے پیر شیخ حسین زنجانی بقید حیات تھے، انھون نے بڑے خلوص و محبت سے خواجہ صاحب کا خیر مقدم کیا، وہان سے خواجہ صاحب ملتان آئے، اور وہان پانچ سال رہکر ہندوؤن کی زبان (شاید سنسکرت اور پراکرت) سیکھی، یہان سے وہ دہلی فروکش ہوئے، اور دہلی سے اجمیر، دسوین محرم ۵۶۱ھ مین نزولِ اجلال فرمایا، اور یہین آخر وقت تک قیام رہا، اس زمانہ مین اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا، اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام مین بڑی مزاحمت کی، اور جب وہ خود ان کے مقابلہ مین بےبس اور لاچار رہے، تو ہندو جوگیون کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا، لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامت سے ان پر غالب رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، ان کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے، راجہ نے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، مگر خواجہ صاحب نے دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ ما اورا بیرون کردیم و دادیم[۱] یہ پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، سلطان شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ مین دو حملے کئے، اور آخری حملہ مین پتھورا گرفتار ہوکر مارا گیا، اس کے بعد مسلمانون کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہوگیا، اسی لئے خواجہ صاحب کا لقب "وارث النبی فی الہند" ہے،

اجمیر کے قیام کے زمانہ مین خواجہ صاحب نے دو شادیان کین جن مین ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی کی دختر نیک اختر تھین، اور دوسری کسی ہندو راجہ (؟) کی لڑکی تھیں جو مشرف باسلام ہوگئی تھین پہلے نکاح کے ستائیس برس[۲] کے بعد عالم بقا کو رحلت فرمائی، تاریخ وفات روز دوشنبہ ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ ہے[۳] سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے، کہ وفات کے وقت سن شریف ۹۷ سال تھا،[۴] لیکن سفینۃ الاولیاء مین رحلت کے وقت آپ کا سن ۱۰۳ اور مونس الارواح مین ۱۰۰ سال لکھا ہے،[۵]

---

[۱] اخبار الاخیار مین یہ الفاظ اس طرح ہین، فرمود پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم (ص ۲۲) [۲] بعض تذکرہ نویس سات اور بعض سترہ برس بھی لکھتے ہین، (مونس الارواح) [۳] سیر العارفین ص ۱۲ [۵] سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۹،

ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "قطب المشائخین[۱]" کے لقب کی بشارت ملی،

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ان کو ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا شمس الفقرار، ختم المہتدین کے لقب سے یاد کیا ہے[۲]

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کو سلطان العاشقین اور برہان العارفین[۳] لکھا ہے،

سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیا، مہبط انوار، مخزن المعرفت والتحقیقات، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی،[۴] صاحب سفینۃ الاولیا نے "زبدۂ مشائخ اجل وقدوۂ اولیائے اکمل"[۵] کہا ہے، مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے ان کو "سر حلقۂ مشائخ کبار[۶]" لکھا ہے،

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں، اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے،

خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے :-

"فریدالدین گنج شکر فرمود کہ شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام زیراکہ شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین و از خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است، (خیر المجالس بحوالہ اخبار الاخیار ص ۷)

مگر خواجہ صاحب کے ملفوظات کو ان کی تصانیف سمجھ کر مندرجۂ ذیل کتابیں ان کی جانب منسوب کرتے ہیں :-

"انیس الارواح (۲) رسالہ در کسب نفس (۳) دلیل العارفین،

انیس الارواح میں خواجہ صاحب نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۰ صحبتوں کے ملفوظات جمع کئے ہیں، ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل و نکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح [۲] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۳ [۳] سیر العارفین ص ۶ [۴] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ [۵] سفینۃ الاولیا ص ۹۰ [۶] اخبار الاخیار ص ۲۲،

تنوون تک مستجاب نہین ہوتی ہے، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، مصیبت مین چلانا، نوحہ کرنا، اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانون کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے، جو تین چیزون کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجتمندون کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد و وظائف مین مشغول ہو، اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے، کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو، اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے، افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے، تین گروہ بہشت کی بو تک نہ پائین گے، ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر،

دلیل العارفین - اس کتاب مین خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتون کے ملفوظات ہین، جن کو ان کے مرید حضرت بختیار کاکیؒ نے جمع کیا ہے، یہ ۵۶ صفحہ کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اس مین مختلف دینی مسائل و صوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، جنابت، غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفتِ الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہ کبیرہ، عبادتِ اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ، و سورہ یٰسین، کشف و کرامت، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے اور کنایے ہین، جن کو سمجھنے مین کوئی دقت نہین ہوتی ہے،

ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کا ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے، اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے، (ص ۴) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہئے،

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار مین شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد ہو گی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے، اور جب اس مین ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس مین بھی پورا اترے گا، تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا، اس کو ملے گا، اسی لئے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان، اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے، نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا ہے

کہ جب وہ نماز پڑھے، تو اس طرح کہ وہ گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[۵۱] اس سلسلہ مین اور بہت سی ضمنی باتون کا ذکر کیا ہے، مثلاً خواجہ صاحب کا ارشاد ہے، کہ راہ سلوک مین چار گناہ کبیرہ ہین[۵۲] (۱) گورستان مین قہقہہ لگانا (۲) گورستان مین کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا (۴) خدا کا نام لے کر لرزہ براندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہون سے بچنا لازمی ہے،

خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتون مین پانچ اور عبادتین بتائی ہین (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت[۵۳]

ایک عارف کی معنوی خوبیون کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجۂ ذیل ارشاداتِ عالیہ سے ہوگا،

"عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[۵۴]

عارف عشق الٰہی مین کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے اسی کی قدرت کاملہ مین محو اور متحیر رہتا ہے،[۵۵]

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اس مین ایسا مستغرق ہو جاتا ہے، کہ اگر ہزارون فرشتے بھی اس سے مخاطب ہون تو وہ ان کی طرف متوجہ نہین ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے عالم ملکوت مین خداوند تعالیٰ کی بارگاہ مین مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[۵۶]

عرفان مین ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم مین واپس آ جاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے ایک عارف کامل کہان تک پہنچ جاتا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے[۵۷]

عارف دونون جہان سے قطع تعلق کرکے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے، اور جب یہ یکتائی (فردانیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[۵۸]

عارف وہی ہے کہ وہ جہان بھی ہو اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہین ہے جو

---

۵۱ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۵، ۵۲ دلیل العارفین ص ۱۵-۱۶، ۵۳ ص ۱۷-۱۸، ۵۴ ص ۴۱، ۵۵ ص ۴۴، ۵۶ ص ۵، ۵۷ ص ۸، ۵۸ ص ۸

کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[1]

عارف کے مراتب ہوتے ہین، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیون کے حلقہ مین دیکھتا ہے[2]

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس مین صفاتِ الٰہی کا ظہور ہو، اور خداے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے، اور کوئی شخص دعویٰ کے ساتھ آئے تو اس کو اپنی کرامت سے مغلوب کرے[3]

"اگر کسے بر وی بدعوی آید آن را بقوت کرامت ملزم کند"

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلانی چاہئے،

عارف خاموش رہتا ہے، تو وہ گویا خداے تعالیٰ سے باتین کرتا ہے، اور جب آنکھین بند کر لیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے، جب تک صورِ اسرافیل کی آواز اس کے کانون تک نہ پہونچ جائے[4]

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتین نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی راہ مین اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے[5]

عارف اسی قدر معرفت کی باتین کر سکتا ہے جس قدر اس کو عبور ہے، کوے یار مین دوڑتا ہو اور معرفت کو اس وقت تک نہین پہنچتا، جب تک معارف کو یاد نہ کرے[6]

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے، اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ مین اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو وہ فدا کر دے[7]

عارف کی فضیلت اس مین ہے کہ وہ خاموش رہے، اور اندوہ مین ہو،

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہوا اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہین رہتی ہے[8]

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے، تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے،

---

[1] دلیل العارفین ص ۱۸ [2] ر ص ۲۱، [3] ص ۲۴، [4] ایضاً ص ۴۳ [5] ر صفحہ ۴۳ [6] ر ص ۴۳

[7] ر صفحہ ۴۴، [8] ر ص ۴۷، [9] ر ص ۴۳ [10] ر ص ۴۸

دنیا مین تین چیزین عزیز ترین ہین (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا وصفت بیان کرتا رہے (ص ۴۰)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو وہ نابینا ہو جاتا ہے تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے[1]

عارف کا ایثار بے نیازی ہے[2]

عارف کی خصلت اخلاص ہے[3]

عارف محبت مین کامل ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے، تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست[4]

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک مین کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[5]

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہو کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے، تو وہ نہ ان کی شکایت کرے، اور نہ حکایت[6]

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے، تو رات کو یاد نہ کرے[7]

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکرِ حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے[8]

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہین ہے،

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہین، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہون سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے، (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہلِ نظر کی راے مین یہ جعلی ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہین چاہتے،

دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکرون مین بھی محفوظ ہین، ان ملفوظات مین ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہ سلوک مین چودہ مقامات ہین (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد

---

[1] دلیل العارفین صفحہ ۴۲ [2] ،، صفحہ ۵۰ [3] ،، صفحہ ۵۰ [4] صفحہ ۵۰ [5] صفحہ ۵۰ [6] ،، صفحہ ۵۱ [7] ،، صفحہ ۵۳ [8] ،، صفحہ ۵۴ [9] ،، صفحہ ۵۵

(۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (یا جہد) (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت،

ان مین سے ہر ایک مقام ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہدہ حضرت یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ اور محبت افضل الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے،

سلوک کے مراتب مین اہلِ طریقت کے لئے مندرجۂ ذیل دس شرائط ضروری قرار دی ہین:-

(۱) طلبِ حق (۲) طلب مرشدِ کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگون سے کنارہ کش ہونا (۱۰) صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا،

اسی طرح اہلِ حقیقت کے لئے بھی دس چیزین لازمی ہین،

(۱) معرفت مین کامل ہونا (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی بُرائی کرنا (۳) لوگون سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے (۴) متواضع ہونا (۵) عزلت نشین ہونا (۶) ہر شخص کو عزیز اور محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا (۸) ہر درد اور تکلیف مین صبر اور تحمل کرنا (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا[۵] (باقی)

---

[۵] سیر الاقطاب ص ۱۲۷، ۱۲۸،

معتمد الملک حکیم علوی خان

از

جناب معین الدین رہبر صاحب فاروقی

"مغل عہد کے اطبا میں آج تک جس طبیب کا نام زندہ اور سب سے زیادہ زبان زدِ خاص وعام چلا آرہا ہے، وہ حکیم علوی خان کا نام ہے لیکن اتنا ہی کم، ہم ان کے حالات سے واقف ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ مشہور قلمی و مطبوعہ متداول تذکرے اور تاریخیں ان کے ذکر سے خالی ہیں، یہی سبب تھا کہ راقم الحروف کو اپنی تالیف اسلامی طب کی ترتیب و اشاعت کے وقت تک بھی کوئی خاص مواد دستیاب نہ ہو سکا تھا، چونکہ اپنی کتاب کے سلسلہ میں ابھی تک میری تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے، اور عرصہ کی جستجو کے بعد، حکیم صاحب سے متعلق جس قدر معلومات تاحال جمع ہو سکے ہیں، وہ پیش ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بڑی حد تک تشنہ نہیں ہیں،

ہمارا ذاتی ایقان ہے کہ ان جلیل القدر اسلاف کے حالات کے ساتھ ساتھ آج بھی ان سے مستفید ہونے کے لئے ان کے تصانیف کا تذکرہ بھی شرح و بسط سے لکھا جانا ضروری ہے، اسی لئے میں نے عموماً ایسے مواقع پر ہر جگہ اس اصول کی پابندی کی ہے، اور اس مضمون میں بھی اس پر عمل کیا ہے،"

(رہبر فاروقی)

حکیم صاحب کا اصل نام، مرزا محمد ہاشم، والد کا مرزا ہادی شیرازی، اور دادا کا سید مظفر الدین حسین علوی تھا، جو حضرت امام محمد بن حنفیہ کی اولاد سے تھے، مظفر الدین دیار توران کے رہنے والے تھے، بعد میں شیراز کر سکونت پذیر ہو گئے، یہاں ان کا افاضل عصر اور نامی اطبا میں شمار ہوتا تھا،

حکیم صاحب کے والد بزرگوار ان کے صاحب زادے میرزا ہادی غالباً شیراز ہی مین پیدا ہوئے اور وہان کے مشہور "دار العلم" مین تعلیم و تربیت پانے کے بعد خود بھی علم و فضل مین نام پیدا کیا، خصوصیت سے طبابت، جراحی اور خوشنویسی مین تو استادانہ کمال حاصل تھا، چونکہ نرے قلندر مشرب تھے، اور قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے مشاعرون اور دوسری محفلون مین اسی ڈھنگ کا لباس پہنے نظر آتے، اور لوگ انھین مرزا ہادی قلندر پکارا کرتے تھے، ان کی شہرت کا بڑا سبب ان کے معالجات تھے، شاگردون کی ایک بڑی تعداد تھی جنھون نے، ان سے فضل و کمال کا اکتساب کر کے ہند و ایران مین کافی عزت و مرتبہ پایا، جن مین سے چند کے نام یہ ہین :-

(۱) حکیم الممالک شیخ محمد حسین شہرت جو آخری دورِ مغلیہ کے مشاہیر اطباء سے گذرا ہے، بہت سے فنون مین ان کا شاگرد تھا،

(۲) حکیم محمد اسماعیل، جو شیراز ہی کا رہنے والا شخص تھا، فنِ طب مین ان سے کمال حاصل کیا، اور اکبر آباد مین آکر مقیم ہو گیا، یہان بڑی شہرت حاصل کی، اور آخر مین اپنے مقام سکونت کے لحاظ سے اکبر آبادی پکارا جانے لگا تھا،

(۳) حکیم علی نقی پدر حکیم علی نقی خان جو نواب عظیم اللہ خان سے تعلق رکھتا تھا،

(۴) حکیم مرتضیٰ،

(۵) مولوی نصیر عظیم آبادی،

مرزا ہادی شاعر بھی تھے، اور تشر تخلص تھا، صاحبِ دیوان گذرے ہین، لکھا ہے کہ حکیم علوی خان جب ہندوستان آئے، تو ان کا دیوان اپنے ساتھ لیتے آئے تھے،

مرزا صاحب نے ۶۳ سال کی عمر مین اس جہان فانی کو چھوڑا، سال وفات ۱۱۰۰ھ ہے، امام زادہ احمد بن حضرت امام موسیٰ کاظم معروف بہ شاہ چراغ کے جوار مین مدفون ہوئے، مرحوم نے قانونچہ پر شرح لکھی ہے، جس سے ان کے پایۂ علمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

انھون نے اپنی یادگار دو لڑکے چھوڑے، جن مین سے ایک کا نام مرزا عبد الحسین تھا، اور دوسرے خود مرزا محمد ہاشم (علوی خان) تھے، اوّل الذکر بھی ایک طبیب حاذق گذرا ہے،

علوی خان کے حالات زندگی حکیم علوی خان نے اپنے آبائی وطن شیراز ہی مین رمضان ۱۱۰۰ھ کو

عرصۂ وجود پر قدم رکھا، جب پڑھنے لکھنے کی عمر ہوئی تو ان کے والد نے خود دلچسپی لی، اور گھر ہی پر تمام متداول علوم کی تکمیل کرائی، اس کے بعد ان کو ایما سے مولانا لطف اللہ شیرازی، مولانا شاہ محمد اور اخوند مسیحائے فسانی کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے اپنے منازلِ علمی کو درجۂ تبحر و کمال پر پہنچایا، جسے ان کی فطری اور خداداد صلاحیت نے چار چاند لگا دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ علوی خان کا انکے اقران و امثال مین جواب نہ تھا،

ہندوستان کی کشش اور قدر دانی نے ان کو بھی اپنی طرف کھینچا، اور حکیم صاحب شیراز سے نکل کر ۱۱۱۱ھ مین براہ بندر سورت گجرات آئے، اور شہنشاہ عالم گیر کی ملازمت مین قلعہ ستارہ پہنچے، جو اس وقت اس کے محاصرہ مین مصروف تھا[۱]، بادشاہ نے انھین خوش آمدید کہا، او منصب و خلعت شاہی سے نوازا، ابھی چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ شہزادۂ محمد اعظم نے شہنشاہ سے عرض کر کے حکیم صاحب کو اپنی سرکار مین ملازم رکھ لیا،

حکیم محمد شفیع شوستری نے علوی خان کی آبائی شرافت، اور ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی ان سے منسوب کر دی،

اعظم کے مارے جانے کے بعد محمد معظم (بہادر شاہ اول) نے بھی ان کی بڑی قدر کی، اور مخالف بھائی سے تعلق رکھنے کے باوجود، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے، بغیر اپنے دربار مین نہ صرف جگہ دی، بلکہ مناصب بلند پر سرفراز کیا، اور "علوی خان" کا خطاب بخشا، جو اتنا مبارک ثابت ہوا کہ حکیم صاحب کو اسپنے زمانہ ہی مین نہین، بلکہ ہمیشہ کے لئے اسی کی بدولت زندگی جاوید نصیب ہو گئی، اور جب فرخ سیر تختِ دہلی پر سریرآرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی ان کی توقیر مین کوئی کمی نہ کی، اور اس عہد مین بھی وہ کامیاب زندگی بسر کرتے رہے،

حکیم صاحب کے کمالِ عروج کا زمانہ محمد شاہ بادشاہ کا دور ہے، جس نے ہمیشہ ان کو اپنا انیس و جلیس خاص بنائے رکھا، اور بے حد قدر دانی کی، چنانچہ شش ہزاری منصب اور تین ہزار روپے نقد ماہوار مقرر کئے، خطاب "معتمد الملوک" مرحمت کیا، اور متعدد مرتبہ زر و نقرہ مین تلوادیا، اسی عہد مین علوی خان نے بڑے بڑے معرکے کے علاج کئے، اور کثرت سے نادر اور پیچیدہ امراض مین ان کے دستِ شفا سے لوگون نے دمِ عیسوی اور یدِ موسوی کا سا اثر دیکھا، جس کی وجہ سے ان کی شہرت حدودِ ہند سے گزر کر مختلف امصار و بلاد تک پہونچ گئی، اور جب تک زندہ رہے، یکہ و تنہا مشرقی دنیا مین عزت و عظمت کے آفتاب بنے رہے،

نادر شاہ کی رفاقت | جب قہرمانِ ایران نادر شاہ ہندوستان آیا، اور دلی کی لوٹ اور غارت گری کے بعد

---

[۱] یہ قلعہ اسی سال فتح ہوا، جس کا مادۂ تاریخی "شق ستارہ آمد" ہے، ۱۱۱۱ھ

لوٹنے لگا تو حکیم صاحب کو اپنے ساتھ لیتا گیا، تقریباً تین سال تک وہ اس کے پاس رہے، اور پھر اجازت لے کر حج کے واسطے مکہ مکرمہ گئے، اور اس سے فارغ ہو کر ہندوستان لوٹ آئے، اور دربار محمد شاہی میں حسب سابق منسلک ہو گئے،

علوی خان جب نادر کے ہمراہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ عبد الکریم (کشمیری) نامی ایک شخص بھی تھا، جس نے اس سفر کے واقعات قلم بند کئے ہیں، جو "بیان واقع" سے موسوم ہیں، اس کو مولف نے نادر نامہ کی صورت میں بھی علحدہ مرتب کیا ہے، اسی کا خلاصہ یا ترجمہ اردو میں "وقائع نادری" کے نام سے معصوم علی محشر نے ۱۹۰۵ء میں کیا تھا، جو مطبع منشی جے نارائن در مالکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے، عبد الکریم اپنی اصل کتاب میں بضمن "رفاقت نادری تحت" "وقائع کہ در ایام قزوین بظہور پیوست" تحریر کرتا ہے کہ

اسی زمانہ میں علوی خان کو بادشاہ نے واپسی کی اجازت دی، نادر شاہ (ہندوستان پر حملہ کرنے سے پیشتر ہی سے) امراض سوداوی اور استسقا میں گرفتار تھا، چونکہ چھوٹے بڑے سبھوں کی زبانی ان کی حذاقت کے واقعات سنے تھے، اس لئے ان کو ہندوستان سے اس شرط کے ساتھ لیتا گیا، کہ صحت کے بعد بیت اللہ بھیج دے گا، اسی بنا پر حکیم صاحب نے رضامندی ظاہر کرکے رفاقت اختیار کی تھی،

اپنے قیام کے دوران میں حکیم صاحب نادر شاہ کو مہربان اور اپنا نہایت قدرشناس پاکر جب تک رہے حق گوئی میں برابر بے باکی سے کام لیتے رہے، ان کی یہ باتیں اس پر دوا سے زیادہ تلخ گذرتیں، مگر نادر شاہ پر ان کا کچھ ایسا اثر تھا کہ وہ ان کو سنتا اور ان پر عمل بھی کیا کرتا تھا، ان کے علاج سے اس کی طبیعت اس قدر سنبھل گئی تھی، کہ کسی کو قتل کرنا تو کجا، چوب زنی تک کا حکم نہ دیتا تھا، اس اصلاح مزاج کا اندازہ اس موقع پر خوب لگایا جا سکتا تھا جب کہ نواحی مازندران میں نادر کا ہاتھ تیر و تفنگ سے مجروح ہو گیا تھا اور یہ وقت اس کی تکلیف و جوشِ غضب کا تھا، لیکن کسی کو کوئی ایذا نہ پہنچائی"

الغرض جب تک علوی خان نادر کے پاس رہے، انھوں نے بادشاہ کا بڑی خوبی اور کمال سے علاج کیا، اور مناسب ادویہ کا استعمال جاری رکھا، اس کی بدپرہیزی کے باوجود بڑی حد تک امراض کا ازالہ ہو گیا تھا، اس واسطے اس وقت یہاں حکیم صاحب نے نادر سے واپسی کی اجازت طلب کی، علوی خان کی یہ استدعا رشاہ پر موت سے زیادہ گران گذری، ابتداءً نہایت ہی شفقت آمیز گفتگو، اور حسن سلوک سے احسانات سے باز رکھنے کی کوشش کی، اور اپنے وعدے اور ان کے مدعا سے چشم پوشی شروع کر دی

حکیم صاحب نادر کے اس طرز کو سمجھ گئے، چونکہ ان کے مزاج مین بھی حدت اور غصہ بہت تھا، ایک دن بے اختیار اس سے کہہ دیا کہ طبیب کو اس کی ناراضی کی صورت مین اپنے پاس بہ جبر روک رکھنا ایک ضرر رسان امر ہے، نادر جیسے قہار نے جوان کا بے حد احترام اور عزت کرتا تھا، جب یہ باتین سنین تو اپنی شفقت کا پاس کر کے سہم گیا، حکیم صاحب نے صاف صاف سنا دیا تھا، جو اس پر اثر کر گیا، ان باتون کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد اس نے بالآخر مجبور ہو کر اجازتِ روانگی دے دی، اور سفر کا انتظام کر دیا،

"جب تک علوی خان نادر کے پاس رہے سب لوگون سے بڑھ کر وہ ان کی قدر کرتا رہا، اور ہر وقت ان کی رفاقت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتا تھا، ان کے لئے علٰحدہ خیمہ ایستادہ ہوتا اور سواری کے لئے اپنی سواری خاص کا تخت روان بھی دے رکھا تھا، نیز جو خود رکھتا تا انھین بھیجتا، جو خود پہنتا انھین پہناتا تھا، اور دوسرے تمام امور مین بھی یہی منزلت ملحوظ رکھی تھی،

اس مقام پر مؤلف کہتا ہے:-

"بندۂ عاصی محرر این اوراق بے سیاق کہ محض بارادۂ حج بیت اللہ الحرام و زیارت مقابر اولیاے عظام، ملازمت سلطان اختیار کردہ بود، بوساطتِ حکیم باشی ترک ملازمت وحصول رخصت نمودہ، برفاقتِ ایشان متوجہ حجاز گردید، و نادر شاہ از دار السلطنت قزوین حرکت فرمودہ"

محمد خان بنگش کا علاج | آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ہم حج سے فارغ ہو کر بندر چینا پٹن (مدراس) آئے اسی سفر مین غالباً فرخ آباد بھی پہونچے، یہان کا حاکم محمد خان بنگش بیمار تھا، حکیم صاحب کو بلا گیا، یہ پہونچے، اس کا معائنہ کیا، نبض دیکھی، اور نسخہ بھی شاید لکھ دیا، جب علوی خان اسے دیکھ کر لوٹے، تو انھون نے مجھ (عبد الکریم) سے کہا کہ یہان سے جلد کوچ کی تیاری کرو، کیونکہ نواب چھ سات روز کا مہمان ہے، یہ سن کر مین نے پوچھا کہ "تعینِ وقتِ مرگ از روے علم طبابت است یا کشف و کرامات"؟ جواب مین کہا، "بکثرتِ شغلِ معالجہ و فور تجربہ"

جب علوی خان نادر کے پاس سے چلے آئے، تو دوسرے اطبا رشاہ کے غضب و غصہ کے باعث اس کے مزاج کی اصلاح نہ کر سکے، اور دوبارہ اس کی سفاکی اور غیظ و غضب عود کر آیا، پھر یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر روز معمولی قصور پر لوگون کی آنکھین نکال ڈالنے کا حکم دیتا تھا،

غرض تقریباً ۵۰ سال ہندوستان مین زندگی گذارنے کے بعد بیاسی سال کی عمر مین ۲۵ رجب ۱۱۶۲ھ کو دار الخلافہ شاہجہان آباد مین مرض استسقا سے داعی اجل کو لبیک کہا، اور وصیت کے مطابق درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء (قدس سرہ) مین مدفون ہوئے،

آخر عمر تک عینک کی احتیاج نہ ہوئی، دران حالیکہ شب و روز بے شمار مخلوق خدا کے معالجہ ونسخہ نویسی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف مین بھی مشغول رہے، حکیم صاحب کو کوئی اولاد نہ ہوئی،

وفات پر بادشاہ نے حکیم صاحب کے متروکہ کو ضبط کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن صفدر جنگ وزیر کی سفارش پر فرمان ہوا کہ ان کے اموال و املاک، نقود وجواہر آلات ان کے حقیقی خواہر زادہ حکیم علی نقی خان کو دے دیئے جائین،

علوی خان نے تصانیف کے علاوہ ایک بہترین کتب خانہ بھی یادگار چھوڑا تھا، جسے اپنی وفات سے ایک سال قبل ہی وقف کرکے علی نقی خان کو اس کا متولی بنا دیا تھا، اور اجازت دی تھی کہ جو شخص مطالعہ کیلئے کتاب مانگے، اُسے دی جائے، اور پھر واپس لے لی جایا کرے،

اکثر شعراء نے انتقال کی تاریخیں کہی ہین، جن مین سے حسب ذیل دو مادے بہت مشہور ہین:-

(۱) بر فلک رفت مسیحاے جدید،

(۲) طبابت از جہان رفت،

لیکن موخر الذکر تاریخ سے (۱۱۶۱ھ) برآمد ہوتے ہین، چون کہ اس کے پورے اشعار اس وقت پیش نظر نہین ہین، ممکن ہے تدخلہ ہو،

جب تک حکیم صاحب حیات رہے، اکثر سرآمد شعراے زمانہ نے ان کی مدح مین بہت سے قصائد و اشعار لکھے، جن مین سے قطعہ ذیل تو اب تک لوگون کی زبانون پر ہے، جو محتشم علی خان محتشم کا کہا ہوا ہے ؎

اے دوست تو دستگیر ہر شاہ و گدا	از فیض تو درمان طلبان کام روا
خلقے گوید کہ می کند کار مسیح	من می گویم کہ می کند "کار خدا"[۱]،

[۱] "کار خدا" ذومعنی استعمال کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ پیمبر کا کام نہین بلکہ خدائی کرتا ہے، اور دوسرے یہ کہ "خدا کا کام" یعنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے،

صاحب تذکرہ ریاض الشعراء والہ داغستانی سے حکیم صاحب کے دوستانہ تعلقات تھے، اور بوقت ترتیب تذکرہ وہ بقید حیات تھے، والہ نے ان کی نسبت اپنے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے:-

"آن کہ ارسطو و فلاطون، بلکہ علماے دہور و قرون اگر در زمانش بودندے مفاخرہ و مباہات باستفادہ مجلس عالیش نمودندے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ توصیف علو شانش درخور بیان نیست باراقم حروف بسیار مربوط، و ابواب دوستی فی مابین ہمیشہ مفتوح است"

حکیم صاحب کو شعر و سخن سے دلچسپی تھی، بطور تفنن طبع کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے، عبدالکریم اور والہ نے کوئی تخلص بیان نہیں کیا ہے، دونوں نے نمونہ کلام مین ایک ہی غزل لکھی ہے، جس کو ہم بھی یہان نقل کئے دیتے ہین:-

ز صاف شعلہ حل کردہ پرسازید جامم را	بجوش آرد مگر در مغز من سودای خامم را
بجاے سبزہ و گل شعلہ و دود از زمین روید	فشانم گر بخاک از دوے مستی درد جامم را
اسیر داغ حرمان را فریب دانہ کے سازد	زنار شعلہ جوالہ باید ساخت دامم را
ہوا گردد سموم از شعلہ ہاے سوز پنہانم	گداز دور بغل غافل اگر یک دم بیانم را

ایک قصہ — ایک تاریخ مین ہماری نظر سے ایک ایسا واقعہ گذرا ہے، جو "افسانہ الیست و افسون" سمجھا جا سکتا ہے، مگر ایسے قصون کے متعلق ایسی بھی شہادتین اور مشاہدات گذرے ہین، کہ ان سے انکار نہ کیا جا سکا، ہم زیر بحث قصہ کی نسبت کچھ کہے بغیر اسے یہان درج کئے دیتے ہین،

مولف تاریخ گوہر شہوار فیض حق بیان ۔۔۔ ہے، کہ محمد شاہ بادشاہ اپنے جلوس کے تیسرے سال ۲ رجب کو "ثمن برج" کی سیر مین مشغول تھا، کہ سا۔۔۔ ایک فقیر پر نظر پڑی، حکم دیا کہ اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے، فقیر نے عرض کی کہ وہ صرف بادشاہ کے دیدار کے لئے آیا ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حاجت نہین، جب یہ اطلاع گوش گذار ہوئی، تو کہا کہ اس کو حاضر کیا جائے، جب فقیر باریاب ہوا تو بادشاہ نے نام پوچھا، کہا نور شاہ ہے، اس کے ساتھ بغل مین ایک چھوٹا شیشہ تھا نکال کر محمد شاہ کے سامنے رکھا، اور کہنے لگا اگر سلطان چاہے تو اس عرق سے روزانہ اتنی مقدار مین سونا تیار کرکے سو سال تک خرچ کر سکتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ ہم اتنا تو ہر روز خیرات کر دیا کرتے ہین، اگر تم اس پہاڑ سونے کا بنا سکتے ہو تو

البتہ یہ مقدار شاہی اخراجات کے لئے کفایت کر سکے گی،

فقیر نے عاجزی ظاہر کی اور اس کے بعد خواہش کی کہ پاندان خاصہ طلب کیا جائے، حسب الحکم پاندانِ زمرد مع لوازم لایا گیا، فقیر نے کہا کہ تین بیڑے بناؤ، باری دار و ن نے تیار کر کے صدف زمرد مین رکھ کر گذرانے۔ درویش نے اپنے شیشے سے تین قطرے تینون بیڑون پر ٹپکائے، پہلا بیڑہ تو خود کھایا، دوسرا حکیم علوی خان کو دیا، اور تیسرا بادشاہ کی خدمت مین پیش کیا، محمد شاہ نے اسے کھالیا، اس کے بعد فقیر چلا گیا، اور پھر اس کا پتہ نہ لگا،

بیان کیا جاتا ہے کہ ان ہی بیڑون کے اثر سے محمد شاہ سخت عیش پرست ہو گیا، اور آخر مین علوی خان بھگندر مین مبتلا ہو گیا[1]

علاج کے افسانے | حکیم علوی خان صاحب کے معالجات مین سب سے زیادہ مشہور قصہ نادر شاہ کے درد سر کا علاج کا ہے، بعض اس کو بزمانہ قیام دہلی، اور بعض مراجعت ایران کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہین، اسکی تفصیلات مین بھی اختلاف ہے، ان مین جو زیادہ قرین فہم ہے، ہم اس کو درج ذیل کرتے ہین، جسے ہم نے اپنی کتاب اسلامی طب میں بھی نقل کیا ہے،

(۱) کہتے ہین کہ ایک دن نادر نے علوی خان کو بلایا اور کہا کہ مین مریض ہون، علاج کرو، مگر شرط یہ ہے کہ مین نہ کوئی دوا پیون گا، اور نہ بیرونی طور پر . . . . لگاؤن گا، حتی کہ نبض و قارورہ تک نہ دکھاؤن گا، ان سب باتون کے باوجود مجھے صحت ہو جانی چاہئے، حکیم صاحب نے تعمیل حکم مین کہہ تو دیا انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا، لیکن اس حکم نادری سے کچھ مضطرب سے ہو گئے، چونکہ خداداد عقل و ذہن پایا تھا، دربار سے اٹھتے وقت بادشاہ کے چہرے پر غائر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ آنکھین سرخ ہین، چہرہ پر یبوست و بدمزاجی کی کیفیت پیدا ہے، اس روز گرمی بھی شدت کی تھی، فوراً تاڑ لیا کہ بادشاہ دردِ سر مین مبتلا ہے، اٹھنے سے قبل اس سے عرض کی اجازت ہو تو فدوی گھر جا کر علاج کی تدبیر کرے، نماز ظہر پڑھ کر بارگاہ عالی مین حاضر ہو گا اور خدمتِ سلطانی بجا لائے گا، حکیم صاحب نے دربار سے آکر نماز ادا کی، اور خدمت گار کو حکم دیا، کہ وہ اس عرصہ مین سدا گلاب کا پنکھا تیار کر رکھے، اور اس پر عطر حسن بھی چھڑک دے، نماز سے فارغ ہو کر علوی خان اس کو لیکر نادر کے پاس گئے، اور عرض کی کہ علاج کی تدبیرین کر رہا ہون،

---

[1] تاریخ گوہر شاہ وار (قلمی) صفحہ ۴۴،

مجھے پنکھا نہایت اچھا جھلنا آتا ہے، اس لئے علاج شروع کرنے تک ناچیز کو اجازت دی جائے، کہ پنکھا جھلنے کا شرف حاصل کرے، اجازت ملنے پر حکیم صاحب پنکھا جھلنے لگے جس کے پھولوں کی خوشبو ہوا کے ساتھ بادشاہ کے دماغ مین پہونچنے لگی، اور عطر کے قطرے غیر محسوس طریقہ پر اس کے چہرہ اور اور پیشانی پر پڑنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ روح اور قلب کو فرحت پہنچی، اور شاہ پر غنودگی کے آثار طاری ہوگئے، یہان تک کہ وہ نہایت غفلت کے ساتھ سوگیا، ادھر علوی خان نادر کو سوتا پاکر اپنے خیمہ مین واپس چلے آئے، بادشاہ جب بیدار ہوا تو درد کا مطلق اثر نہ تھا، حکیم صاحب کو بلاکر ان کی دانائی کی بے حد تعریف کی،

(۲) مؤلف وقائع نادری لکھتا ہے، کہ نادر کی بیگم کو ایک خاص مرض یہ لاحق ہوگیا تھا، کہ ایک طرف کا پستان متورم اور بہت سخت ہوگیا تھا اور بیگم بضد تھیں کہ کسی کو نہ دکھاؤن گی، علوی خان کو یہ روداد سنائی گئی، انھون نے علاج پر آمادگی ظاہر کی، اور کہا کہ فلان کمرہ مین باریک میدہ بچھایا جائے، اس کی تعمیل ہوئی تو بیگم صاحبہ سے خواہش کی کہ وہ ایک مرتبہ اس فرش پر سے گذر جائین جب وہ پیر رکھتی ہوئی گزر گئین، تو حکیم صاحب نے نشاناتِ قدم کا بغور معائنہ کیا، اور پیر کی رگ پہچان کر، اسی نقشِ قدم پر لوگون کی نظرین بچا کر ایک نشتر چھپا دیا، اور دوبارہ عرض کی کہ ایک بار اور بیگم صاحبہ اس پر سے تشریف لے جائین لیکن شرط یہ ہے کہ سابقہ نشانات پر ہی قدم جما کر چلین، بیگم نے ایسا ہی کیا، جہان نشتر چھپا تھا، وہان پیر رکھتے ہی وہ چبھ گیا، بیگم چیخ مار کر فوراً گر پڑین، لونڈیان دوڑی آئین، اور نشتر کو نکال لیا،

اس تدبیر سے غالباً حکیم صاحب کا مقصد فصد کھولنا تھا، جو پورا ہوگیا، ورنہ بیگم یون تو ہرگز فصد کے لئے راضی نہ ہوتین اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ازالۂ مرض ہوگیا،

تصنیفات و تالیفات | علوی خان کی علمی یادگارون مین سے اب تک ہمین حسب ذیل کتابون کے نام ملے ہین جن مین سے ہر ایک پر اجمالاً روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے، تاکہ اہلِ فن ان سے استفادہ کی طرف توجہ کرین،

(۱) تحفہ محمد شاہی یہ کتاب ہماری نظر سے نہین گذری لیکن اس کی نسبت یہ تاریخی واقعہ ملتا ہے کہ جب انھون نے اس کو مکمل کرکے محمد شاہ کی خدمت مین پیش کیا، تو بادشاہ نے مالا سے مروارید سر پیچ

مع شمشیر ولایتی، خلعت اکیس پارچہ، اور ساٹھ ہزار روپے نقد مرحمت کئے،

(۲) کتاب النبات. یہ کتاب عربی زبان مین ہے جس کو سات مباحث پر تقسیم کیا گیا ہے، اس مین اُن نباتات پر جو بطور ادویہ استعمال ہوتی ہین، ردیف وار، عالمانہ اور نہایت مفید بحث کی ہے، جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، وہ قلمی اور نہایت آب رسیدہ ہوگیا ہے، اس کے پڑھنے مین کافی دقت ہوتی ہے، اس وجہ سے ہم اس پر کوئی تفصیلی یادداشت فی الحال مرتب نہ کرسکے، محنت و جانفشانی کے بعد اس سے کچھ نہ کچھ استفادہ ہوسکتا ہے، جو حیدرآباد کے کتب خانۂ آصفیہ مین موجود ہے،

(۳) خلاصۃ التجارب یہ کتاب فارسی زبان مین ہے، جو مطبع محمدی واحدی سے ۱۲۸۲ھ مین چھپ بھی چکی ہے، نہین معلوم ناشرین نے سرورق پر اسے حکیم علوی کی تالیف کیسے لکھ دیا، اس غلطی کی وجہ سے بعض اصحاب اس کو اب تک ان ہی کی تالیف سمجھتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکیم صاحب کی مؤلفہ نہین ہے، اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے، کہ اس کو ۹۰۷ھ مین بہاؤ الدولہ نامی کسی ایرانی طبیب نے لکھا ہے، جس کے تقریبًا ہزار صفحات ہین، اور ایک بے نظیر و نہایت قابل قدر کتاب معلوم ہوتی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ہم نے کتب خانۂ آصفیہ مین دیکھا ہے، جو حکیم عبدالعلی تلمیذ حکیم ارشد کے کتاب خانہ کا ہے،

غالبًا اسی کتاب کو نولکشور پریس کانپور نے بھی مجربات حکیم علوی خان موسوم بہ خلاصۃ التجارب کے نام سے ۱۲۹۲ھ مین شائع کیا ہے، جس کے (۶۴۶) صفحات ہین،

(۴) مطب علوی خان کے نام سے بھی علٰحدہ ایک مختصر رسالہ نولکشور نے ۱۸۷۶ء مین چھاپا ہے، اس مین کوئی تمہید وغیرہ نہین ہے، معلوم نہین کس نے اور کہان سے حکیم صاحب کے مجربہ نسخے حاصل کئے، غرض کہ ایک مختصر سی کتاب ہے جو (۹۱) صفحات پر مشتمل ہے،

(۵) جامع الجوامع یہ حکیم صاحب کی سب سے ضخیم اور مشہور ترین کتاب ہے، اس کا نام کسی نے "جمع الجوامع" اور کسی نے "مجمع الجوامع" بھی لکھا ہے،

اسی کو سید محمد حسین بن حکیم محمد ہادی العقیلی العلوی خراسانی ثم شیرازی نے کچھ تبدیلی کے ساتھ یا نئی ترتیب سے ۱۱۵۹ھ مین مرتب کیا ہے، جو ۱۲۴۰ھ مین ٹائپ مین چھپی ہے[۱]، جس کی دو جلدین مین پہلی کے (۳۲)

[۱] معارف :- پہلی جلد ۱۲۵۵ھ مین اور دوسری ۱۲۵۶ھ مین چھپی ہے، دونون جلدین ہمارے کتب خانہ مین موجود ہین، پہلی کے صفحات کی تعداد (۴۰) اور دوسرے کے (۳۹) ہے،

اور دوسری کے (۲۴۴) صفحات ہین، اس کا نام مجمع الجوامع مشہور بہ قرابادین کبیر لکھا ہے،

دیباچہ مین مولف نے لکھا ہے کہ اس نے علوی خان کی کتاب "جامع الجوامع" جو منتشر تھی اس کو جمع کرکے مزید اضافے کے ساتھ مرتب کیا ہے،

غالباً یہی کتاب پانچ حصون مین مطبع محمدی مین بھی ۱۲۸۵ھ مین طبع ہوئی ہے محمد حسین نے مقدمے مین یہ بھی لکھا ہے کہ علوی خان اس کے والد کے خال ہوتے تھے، ان کے اسنادِ طب یہ ہین :-

"بدان کہ سند (خال والد ماجد) حکیم محمد ہاشم المخاطب بہ حکیم معتمد الملوک سید علوی خان بوالد اوشان (استاد الاطبا و سید الحکما) میر محمد ہادی العلوی و از وشان باستاد الاطبا میرزا مسیح (والا مرزا محمد تقی موسوی) و از مرزا مسیح بوسائط باطبائے خوز و طبرستان و از وشان باطبائے حران و حرانیان بہ بقراط حکیم و از وشان باسقلینوس و از بحضرت سلیمان بن داؤد پیغمبر می رسد" ....

اصل جامع الجوامع حکیم علوی خان کا ایک حصہ ہماری نظر سے گذرا ہے، یہ قلمی ہے جس کے متوسط سائز کے (۱۵۰) صفحات ہین، جو اپنے اصل کا اٹھارواں جزو ہے، اس مین صرف "گردہ" کے احوال و معالجات کا بسیط تذکرہ ہے، اور دو مقالون پر محتوی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے اندازے کے لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہین، کہ یہان اس کی فہرستِ مضامین نقل کردین،

(۱) مقالۂ اوّل

دربیان فائدہ گردہ و تشریح آن، و در ذکر کلیات احوال گردہ و حصاۃ آن و ذکر جملہ ادویہ و اغذیۂ مفردہ آن و ذکر از جملہ ادویہ مرکبہ آن،

مقصد اول :- دربیان فائدہ گردہ و تشریح آن،

مقصد دویم :- در ذکر کلیات احوال گردہ و حصاۃ آن،

(۱) مطلب اول .... در ذکر امراض گردہ بقول کلی، (۲) مطلب دوم ...... در ذکر علاماتے کہ استدلال کردہ می شود از آن ہا بر احوالِ کلیہ گردہ (۳) مطلب سوم .... در علاجات اقسام سوء المزاج گردہ

مقصد سیوم :- در ذکر جملہ ادویہ و اغذیہ مفردہ کہ آن ہا را افعال کلی ست باحوال گردہ،

(۱) فصل اول ...... در دیگر ادویہ و اغذیہ مفردہ نافعہ از برائے گردہ (۲) فصل دوم .... در ذکر ادویہ و اغذیہ مسخنہ گردہ (۳) فصل سوم .... در ذکر ادویہ و اغذیہ مسکنہ حرارت گردہ (۴) فصل چہارم .... در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ مرطبۂ گردہ،

مطلب دویم[1]:- در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ مفتح سدہائے گردہ و منقی گردہ،

(۱) فصل اول .... در ادویہ و اغذیۂ مفردہ مفتح سدہائے گردہ (۲) فصل دوم ...... در ادویہ و اغذیۂ مفردہ منقی گردہ،

مطلب سیوم: در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ مضر بگردہ و مصلحات آن ہا،

مقصد چہارم:- در ذکر جملہ ادویہ مرکبۂ نافعہ از برائے گردہ و امراض آن،

(۲) مقالۂ دوم

در ذکر امراض جزئی گردہ و اسباب و علامات و معالجات و ادویہ و اغذیہ مفردہ و مرکبۂ آنہا

مقصد اوّل ..... در بیان ہزال کلیہ،

(۱) مطلب اوّل .... در بیان ہزال گردہ و اسباب آن (۲) مطلب دوم ...... در بیان علامات ہزال گردہ (۳) مطلب سوم .... در بیان معالجات ہزال گردہ (۴) مطلب چہارم .... در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ سودمند برائے ہزال گردہ (۵) مطلب پنجم .... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ مسمن گردہ

مقصد دوم ...... در بیان اسباب ضعف کلیہ و علامات و معالجات ادویہ و اغذیہ مفردہ و مرکبہ،

(۱) مطلب اوّل .... در بیان اسباب ضعف کلیہ (۲) مطلب دوم .... در ذکر علامات ضعف گردہ (۳) مطلب سوم ...... در ذکر معالجات ضعف گردہ (۴) مطلب چہارم .... در ذکر جملہ ادویہ ہائے و غذا ہائے مفردہ نافع از برائے ضعف گردہ (۵) مطلب پنجم .... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ نافع برائے ضعف گردہ،

مقصد سوم ...... در ریح و نفخ گردہ،

(۱) مطلب اول .... در سبب و علامات ریح و نفخ کلیہ (۲) مطلب دوم ...... در ذکر جملہ ادویہا ہائے مفردہ نافع از برائے ریح گردہ،

مقصد چہارم:- در اوجاع،

[1] مطلب اوّل موجود نہیں ہے،

(۱) مطلب اول :- در ذکر اسباب و علامات و معالجات اوجاع گردہ (۲) مطلب دوم :- در ذکر ادویہ و غذاہای مفردہ سودمند از برائے اوجاع گردہ (۳) مطلب سوم :- در ذکر جملہ از جملہ دواہای مرکب سودمند از برائے اوجاع گردہ

مقصد پنجم :- در اورام گردہ ،

(۱) مطلب اول ..... ذکر اورام حارۂ گردہ و اسباب و علامات و معالجات آن ہا ،

فصل اول ..... در ذکر اورام حارۂ گردہ و دبیلہ در آن فصل دوم ... در بیان اسباب اورام حارۂ کلیہ فصل سوم در بیان علامات اورام حارہ در کلیہ و علامات دبیلہ فصل چہارم در علاجات اورام حارہ گردہ دبیلہ ،

(۲) مطلب دوم .... در اورام بلغمی کلیہ و اسباب و علامات و معالجات (۳) مطلب سوم ... در ورم صلب کلیہ و اسباب و علامات معالجات (۴) مطلب چہارم ، در ذکر جملہ از دواہائے و غذاہائے مفردہ سودمند برائے ہر قسم اورام گردہ (۵) مطلب پنجم ... در ذکر اوصاف جملہ از دواہائے مرکبہ سودمند برائے ہر قسم اورام گردہ ،

فصل اول ... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے اورام حارہ و دبیلہ فصل دوم ... در ذکر اوصاف جملہ ادویۂ مرکب سودمند از برائے اورام بلغمی فصل سوم ... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے صلب کلیہ

(۶) مطلب ششم ..... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ سودمند از برائے اورام گردہ کہ اوصاف آن ہا در قرابادین جامع الجوامع ذکر شدہ

مقصد ششم ..... در قروح گردہ ،

(۱) مطلب اول ..... در بیان اسباب قروح گردہ (۲) مطلب دوم در بیان علامات قروح گردہ (۳) مطلب سوم ..... ؟ (۴) مطلب چہارم ..... در ذکر جملہ از دوا و غذا مفردہ سودمند برائے قروح گردہ (۵) مطلب پنجم در بیان اوصاف جملہ ادویہ مرکبہ سودمند برائے قروح گردہ (۶) مطلب ششم .... ؟

مقصد ہفتم :- در جرب گردہ و مجاری آن ،

(۱) مطلب اول ..... در بیان جرب کلیہ و اسباب و علامات و معالجات (۲) مطلب دوم ..... ذکر جملہ ادویۂ اغذیہ مفردہ نافع برائے جرب گردہ (۳) مطلب سوم ... در ذکر جملہ ادویہ و اغذیہ مرکبہ نافع برائے جرب گردہ ؛

مقصد ہشتم :- در رمل و حصاۃ گردہ ،

(۱) مطلب اول ..... در بیان اسباب تولد رمل و حصاۃ در کلیہ (۲) مطلب دوم ... در علامات آن (۳) مطلب سوم ... در معالجات آن ، (۴) مطلب چہارم ... در ذکر جملہ دوا و غذائے مفردہ سودمند (۵) مطلب پنجم ... در ذکر جملہ دوا و غذائے مولد رمل و حصاۃ (۶) مطلب ششم ... و جملہ دوا و غذائے مرکبہ از برائے رمل کلیہ حصاۃ (۷) مطلب ہفتم ... در ذکر جملہ مرکبات کلیہ

اردو ادب کی تاریخ کے لئے ایک نصب العین

از

جناب ڈاکٹر م، حفیظ سید، ام اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ - الہ آباد،

قدیم یونانیون نے ہر علم کو فلسفے کی شان دے رکھی تھی، ان کی اس بظاہر عجیب وغریب عادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو انھون نے خود علم فلسفہ کی اس طور سے تدوین کی کہ آج تک ہر خیال کی بنا اور ہر عقیدے کے آغاز کا سراغ یونان کے فلسفہ تک ملا دیا جاتا ہے، دوسری طرف یہ کہ ہر علم و فن کے اصول مین ایک خاص فلسفے کی تلاش کی جاتی ہے، اور اس کے طرز عمل اور اسلوب کو ایک فلسفہ قرار دیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ انسان کا ہر فکر اور ہر عمل ایک فلسفے کے ماتحت نظر آتا ہے، لیکن اس تمام تفلسف کی جڑ مین ایک چیز کارفرما تھی، اور ہے، انسان کی زبان، انسان حیوان ناطق ہے، وہ بولتا ہے اور اپنی بولی کے ذریعہ سے اپنے افکار، خیالات اور عقائد کا اظہار کرتا ہے، وہ کیا بولتا ہے، کیون بولتا ہے اور کیونکر بولتا ہے؟ ان سوالات کے جواب نے علم اللسان اور علم الصوت پیدا کیا، اور اس علم کی کنہ رسی اور موشگافی نے وہ تمام نازک بحثین پیدا کین، جو مختلف علوم کے نام سے موسوم ہین،

مختصر یہ کہ زبان کا وجود انسان کے تمام افکار و اعمال کے اظہار کا ضامن اور ذمہ دار ہے، اور یہی وہ سرچشمہ ہے جہان سے علوم انسانی کے دسیع و عریض گنگ وجمن پھوٹ کر نکلتے، اور انسان کی ہستی کو سیراب کرتے ہین، نہ اس سے انکار ہوسکتا ہے، اور نہ انکار مقصود ہے، کہ انسان کی زندگی کے لئے تمام علوم اپنی کمی وبیشی کے ساتھ مفید ہین، لیکن اس حقیقت کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ زبان کا علم تمام علوم کا سرچشمہ ہے، ذرا سے غور سے یہ بھی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ زبان کا مطالعہ انسان کی ہستی کی تمام کیفیت اور چگونگی کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے، انسان کے "کیا اور کیونکر" بولنے کے سوال نے جو جوابات پیدا کئے، ان مین سے ایک تو علم اللسان ہے، اور اس کے بعد نظم اور پھر نثر ہے، علم اللسان تو صرف چند "بلاغ"

کا حصّہ ہو کر رہ گیا، مگر نظم اور نثر کی نوازش عام ہوگئی، اور ہمیشہ عام رہے گی، نظم اور نثر نے زندگی کی ہر حالت مین انسان کی مدد کی ہے، یہ دونون وحشت، بربریت، تمدن اور تہذیب، ہر حالت مین انسان کی ہمدم رہی ہین، اور ہمیشہ رہین گی، لہذا جہان فلسفہ انسان کے محض افکار بیان کرتا ہے، نظم ونثر اس کے افکار و اعمال کی روزانہ کیفیات اور ان کی ترقی اور تنزل کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہین، اسی لئے ہر متمدن قوم اپنی زبان کی نظم ونثر کی کیفیات اور ان کی ترقی، ان کے نشوونما اور ان کی ترمیم و تبدیل کا مطالعہ کرتی ہے، اور اسی مطالعہ سے اقوام کے مافی الضمیر سے لے کر ان کی ذہنیات کی باریکیون تک کا حال معلوم ہوتا ہے، اس علم سے جو جو کام نکلتے ہین، اور اس سے جو جو فوائد حاصل کئے جاتے ہین، اس کی تفصیل کی نہ یہان ضرورت ہے نہ گنجایش،

نظم ونثر کی بدلتی ہوئی کیفیات کا معلوم کرنا اور معلوم کرتے رہنا، انسان کی اس عادت کا ایک ظہور ہے، کہ وہ اس کائنات مین اپنی ہستی کو ابدی ہستی بنانے کے لئے اپنے تمام اعمال و افعال کو یاد رکھنا، اور اسی غرض سے ان کو کسی نہ کسی صورت مین "قلمبند" کرتا رہتا ہے، یہ "قلمبندی" چٹانون اور پتھرون کی بھدی تصویرون سے لے کر ریڈیوگراف کے نازک اور خوردبینی نقوش تک کی شکل مین رونما ہوتی ہے، اسی قلمبندی اور اسی تحریر کا نام "تاریخ نویسی" ہے، انسان اپنی اور سب باتون کی یاد کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہتا ہے، کہ وہ آج سے ہزارون برس پہلے کیون کر بولتا تھا، وہ یہ دیکھ اور سمجھ کر خوش ہوتا ہے، کہ اب فلان وقت مین وہ اپنے مافی الضمیر کو یون اور یون اداکرتا ہے، اور پھر یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہتا ہے، کہ غالباً آیندہ زمانہ مین وہ اس اس طرح اپنے خیالات کو ادا کیا کرے گا، اور اس تمام یادگار پر وہ فخر کرتا ہے، اور بلاشبہ اسے فخر کرنے کا حق بھی ہے، کیونکہ اپنی زبان اور اس کی تدریجی ترقی وعروج اور ترمیم و تبدیل کا یاد رکھنا اور اس پر نگاہ جمائے رکھنا اس کی حیات و بقاء کا ضامن ہے،

نظم اور نثر کے امتزاج سے ادب پیدا ہوتا ہے، اور ان کی تاریخ اور احوال کے ضبط کا نام تاریخ ادب ہے، جس طرح ہر چیز کا ایک فلسفہ ہے، اسی طرح ہر چیز کی ایک تاریخ بھی ہے، تاریخ ہر چیز کی ہستی، اس کی گذشتہ تدریجی ترقی، پھر اس کی آیندہ بقا و حیات کے امکانات، اور اس سے وابستہ امیدون کا پتہ دیتی ہے، اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز بیک وقت اہم بھی ہے اور نازک بھی ہے، لہذا کسی زبان کے ادب کی تاریخ نویسی مین احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے،

بظاہر یہ امر عجیب معلوم ہوتا ہے، مگر یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دنیا کی اکثر و بیشتر زبانون کے قواعد صرف ونحو اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی تاریخ غیر اقوام نے قلمبند کی ہے، اردو زبان بھی اس عمومی خصوصیت سے خالی نہین رہی، چنانچہ اردو کی صرف ونحو اور اس کے ادب کی تاریخ بھی بڑی حد تک غیر ہندی مصنفون اور مولفون کی رہینِ منت ہے، ان غیر ہندی مصنفون کے بعد خود ہندوستانی اہلِ قلم کا زمانہ آتا ہے، اور انہی سے ہمین اس وقت سروکار ہے،

اردو کے وطنی یعنی ہندوستانی اہلِ قلم نے اردو ادب کی جو تاریخین لکھی ہین، ان مین معلوم و مشہور چیز اردو شعراء کے تذکرے ہین، جو صرف شعر و سخن سے تعلق رکھتے ہین، اردو کے کلاسیکی دور کے تذکرہ نویسون کے بعد حال کے تذکرہ نویسون کا زمانہ آتا ہے، ان مین پیش پیش محمد حسین آزاد ہین جن کی کتاب "آبِ حیات" بعد کے تذکرون کے لئے نمونہ بن گئی، خمخانہ جاوید، شعر الہند اور گلِ رعنا حامد حسن قادری کی داستانِ اردو اور احسن مارہروی کی تاریخ نثر اردو اس سلسلہ کی قابلِ تعریف کتابین ہین، ان کے بعد رام بابو سکسینہ کی انگریزی تالیف History of Urdu Literature اور عسکری کے قابلِ قدر ترجمہ مع تصحیح و اضافہ یعنی تاریخ ادبِ اردو کا نمبر ہے، اور انہی پر یہ فہرست قریب قریب ختم ہو جاتی ہے،

یہ سب صحیح، مگر یہ سمجھ مین نہین آتا، کہ ان سب بزرگون نے اردو ادب کو محض شعر ہی مین محدود کیون تصور فرما لیا تھا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان کتابون کے فاضل مصنفون کو صرف شعر ہی سے "دلچسپی" تھی، دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے اور بعض وقت دیا بھی جاتا ہے، کہ اردو ادب مین شعر کو اکثریت (اور لہذا فوقیت) حاصل ہے، پہلے جواب کو تو ظاہر ہے کہ سوا تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہین، مگر دوسرا جواب ہرگز پوری طرح صحیح نہین قرار دیا جا سکتا، اردو کے کلاسیکی دور مین بھی نثر کی قلمی نہین رہی ہو جیسا کہ اب حال کی تحقیقات اور تفتیش سے ثابت ہو رہا ہے، بہت اچھا ہوا کہ دکن مین اردو اور پنجاب مین اردو، اور بہار مین اردو کی (خالص ہندوستانی ذہنیت کی) بحث نے ہمین قدیم (یا کلاسیکی کہئے) اردو نثر سے بھی آشنا کر دیا، مگر تماشا یہ ہے کہ اس بحث کے مردانِ میدان نے بھی زیادہ تر شعر ہی سے سروکار رکھا، اور وہ غالباً اس بنا پر کہ اہلِ اردو کا عقیدہ تھا، اور اب بھی اس کے حامیون کی تعداد قابلِ لحاظ شمار تک موجود ہے، کہ "زبان اور محاورہ تو وہی ہے جو شعر مین بندھ سکے" یہ عقیدہ ہی بذاتِ خود ایک عجیب و غریب چیز ہے مگر

اس بحث کا یہ موقع نہین ہے،

پھر بھی غنیمت ہے کہ ارباب فورٹ ولیم، ارباب نثر اردو، نئے ادبی رجحانات اردو کا پہلا ناول نگار وغیرہ قسم کی تالیفون نے نثر کو بھی اس قابل سمجھا کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، اس سلسلہ مین رسالہ ہائے اردو، الناظر، نگار، ہمایون وغیرہ کے ان مضامین او مقالات کا ذکر بھی ضروری ہے، جو ان کے خاص نمبرون مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان مقالات مین بھی زیادہ تر شعر و شاعری کا تذکرہ رہا ہے اور ہوتا ہے، اور نثر و نثار نادرات ہی سے ہین، جب کبھی اردو ادب کی قرار واقعی طور پر ایک تاریخ لکھی جائے گی، تو اس وقت کا مصنف اور اہل رائے ان سب امور پر ضرور حیرت اور تاسف کے ساتھ گفتگو کرے گا،! اور اس وقت بھی ہمین اس حیرت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے ارباب ذوق و رائے کی توجہ کو اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ صحیح معنی مین ابھی تک نہین لکھی گئی ہے، اور یہ کہ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کام صحیح اسلوب پر کیا جائے،

صورت حال یہ ہو کہ اب تک اس اہم موضوع پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہ زیادہ تر شعر و سخن کے دائرے مین محدود ہے، یا یہ کہ ہر مصنف جو اس موضوع پر کچھ لکھتا ہے، وہ کتابون اور ان کے مصنفون کی فہرست پر اکتفا کرتا ہے، اور اگر کبھی رائے زنی بھی کرتا ہے، تو زیادہ تر وہ اس کے شخصی اور ذاتی رجحانات کا پرتو ہوتا ہے، حقیقت یہ ہو کہ کوئی تصنیف اسی وقت لائق توجہ اور قابل قدر ہوتی ہے، کہ جب اُسے اس کے مجموعی ماحول مین رکھ کر اس تخلیقی ادبیات کے اندازے سے جانچا جائے جس کا پیدا کرنا تاریخ انسانی کا ایک جزئی منصب ہو، لہذا اردو ادب کی تاریخ کی کتاب کو سب سے پہلے مجموعی طور پر اردو ادب سے سروکار ہونا چاہئے، اور اس کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ نامور مصنفون کے کارنامون کو ایک صحیح اور ضابطے کے مطابق بیان کر دے، بلکہ اس کا لحاظ بھی رکھنا چاہئے کہ اس مین اردو بولنے والی قوم کے حالات اور رجحانات کا بھی قرار واقعی اظہار ہو جائے،

ایک مورخ ادب کا کام یہ ہو کہ مختلف ادوار کی ادبی تحریک کا پتہ لگائے، اور تاریخ انسانی کی ساخت مین جو شخصی اور غیر شخصی افکار اور رجحانات کے باہمی تاثرات کارفرما رہتے ہین، ان کی توضیح اور نشان دہی کرے، ایسے مورخ کو محض ان امور اور واقعات سے سروکار نہ ہونا چاہئے، بلکہ ان امور کی کیفیت اور اسباب سے بھی بحث کرنا چاہئے، اور اس توضیح اور تشریح کے سلسلے مین اہل زبان و ادب کے حالات زندگی، ان کے تمدن، اور ثقافت اور اس کے مختلف ادوار کی قوتون کا بھی جائزہ لینا چاہئے، جب تک وہ ایسا نہ کرے گا، اور ان سب

امور کا مطالعہ نہ کرے گا، وہ ان نتائج تک پہونچنے مین کامیاب نہ ہو گا جن کو تاریخ ادب مین مصنفون اُن تصنیفون کا ذوق، رجحان قدر وغیرہ کہا جاتا ہے، مثلاً اردو ادب کے مورخ کو اپنے مصنفین کے ذاتی رجحانات اور تاثرات کو بیان کرکے یہ واضح کرنا چاہئے کہ اردو ادب اور ہندوستانی زندگی اور ملکی ماحول کے مابین وہ کیا تعلقات تھے، اور کیا آویزشیں تھین جن کے سبب سے اردو ادب کے مختلف اور متفرق ادوار مین وہ خاص خاص رنگ پیدا ہو گئے تھے جن کے حامل اور نمایندے وہ سب مصنف تھے،

یاد رہے کہ ادب یون نہیں پیدا ہوا کرتا، کہ گویا چند اشخاص - مرد و زن - زمان و مکان کی حدود سے باہر ہو کر کسی خلا مین بیٹھے ہوئے کچھ کہہ رہے ہین، ادب الفاظ کے ذریعہ ان امور کو بیان کرتا ہے، جو مصنف کے وقت مین زندگی کے لئے گہرے معنی اور اہمیت رکھتے تھے، ادب کے مزاج مین وہ تخلیقی قوت ہوتی ہے، جو حیاتِ انسانی کی ان تجربون کی طرف راہ نمائی کرتی ہے، جو اس ادب کی پیدایش کے وقت کے روزمرہ تجربات اور حالات سے ماورا ہوتے ہین، یون تاریخ ادب کا ایک ضروری منصب یہ ہے کہ وہ اپنے مصنفون کے بارے مین اس امر کی توضیح کرے، کہ اس نے انسان کی تہذیب اور ثقافت مین اپنے خیال اور رائے کے اظہار سے کیا قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، اور اس کی اہمیت کیا ہے، جب ہم تمام مصنفون اور ان کی تصنیفون کی صحیح قدر و قیمت اور اہمیت سے واقف ہو جائین گے، تو ہمین ایک طرف تو اس ادب کے کردگارون کی شخصیتون کا پتہ چل جائے گا، اور دوسری طرف ان کے دور کے اہلِ ملک کی ذہنیت اور روح ملّی کا بھی صحیح اندازہ ہو جائے گا،

اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا، کہ اگر اس طور پر اردو ادب کی تاریخ لکھی جائے تو اس کی ایک شخصی قیمت اور ایک قومی اور ملکی اہمیت ہو گی، اور اس سے ہمین اپنے اہلِ ملک کی ذہنی قابلیت اور کمالات اور ان تمام قوتون کا حال معلوم ہو گا، جو ان مصنفون کے زمانون مین برسرِ کار تھین یون کہنا چاہئے کہ اگر معمولی ملکی تاریخ ایک قوم کی سوانح عمری ہو تو اس کے ادب کی تاریخ گویا اس کا خود نوشت تذکرۂ حیات ہے،

اس قسم کی تاریخ ادب ہی صحیح معنون مین تاریخ ادب ہو گی، اور اردو زبان و ادب کی ایسی تاریخ ہمارے ملک اور ہماری قوم کو بیرونِ ہند کی اقوام اور اہلِ ادب سے روشناس کرکے ان پر یہ واضح کرے گی کہ اردو کے اہلِ ادب کا دنیا کی تہذیب و ثقافت کی ساخت اور اس کے نشو و نما مین کیا اور کس قدر اہم حصہ ہے، !!

ولی گجراتی کا کچھ غیر مطبوعہ کلام

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

اب سے تقریباً بیس برس پہلے استادی حضرت احسن مارہروی مرحوم نے ولی کا دیوان مختلف نسخون کی مدد سے مرتب کیا تھا، اور محترم ڈاکٹر عبد الحق صاحب نے اُسے اختلافِ قرات کے ضمیمون کے ساتھ شائع بھی کرا دیا تھا، لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا، ان بزرگون کو بھی ولی کے کلام اور حالات کے متعلق مزید تحقیقات کی بنا پر اپنے نظریے بدلنے پڑے، چنانچہ ولی دکنی اب ولی گجراتی (احمد آبادی) مانے جاتے ہین کیونکہ گجرات بھی دکن مین شامل تھا، اور مثنوی روضتہ الشہدا ان کی نہین بلکہ ولی ویلوری کی سمجھی جاتی ہو[1] ولی گجراتی کی تاریخ وفات جو کتب خانۂ جامع مسجد بمبئی کے ایک نسخہ (دیوان ولی۔ نوشتہ ۱۱۵۲ھ) مین شاید راقم کو سب سے پہلے نظر آئی تھی، اور اب بہتر اہلِ قلم بزرگون کے ہاتھون سے شرف اشاعت حاصل کر چکی ہو، اس طرح ہے :-

مطلع دیوان عشق سید ارباب دل	والیٔ ملکِ سخن صاحبِ عرفان ولی
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت	باد پناہِ ولی ساقیٔ کوثر علی ۱۱۱۹ھ[2]

[1] حکیم شمس اللہ قادری صاحب کی ... دوے قدیم" صفحہ ۱۰۰ مین اس ولی کا نام سید محمد فیاض ہے، لیکن میرے ایک عزیز شاگرد سمیع الدین حسن صاحب کے یہان ایلچپور (برار) مین روضتہ الشہدا کا جو نسخہ ہے، اس کے آخر میں اس کا نام میر ولی فیاض ہے عبارت یہ ہے :" کتاب روضتہ الشہدا من تصنیف میر ولی فیاض علیہ الرحمہ در بلدہ ایلچپور بتاریخ بست و پنجم شہر جمادی الاول ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۲۱۹ فصلی بہ اتمام رسید" یہ معلوم ہوا ہے کہ محترمی پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی نے ولی گجراتی کے متعلق تفصیل سے لکھنا شروع کیا ہے [2] عجیب اتفاق ہے کہ مین بعض دیگر ماخذون کی تلاش اور انتظار ہی مین تھا کہ خوش قسمتی سے یہ قطعہ تاریخ ڈاکٹر عبد الحق صاحب اور فاضل پروفیسر حافظ

اسی طرح مثنوی روضۃ الشہداء کے متعلق عرصہ سے یہ فیصلہ ہوچکا ہے، کہ وہ ولی ویلوری کی ہے لیکن اُس کی دو اہم اور نایاب مثنویان یعنی روضۃ العقبیٰ اور روضۃ الانوار جن کے متعلق معارف (جنوری ۱۹۴۰ء) مین راقم الحروف تفصیل لکھ چکا ہے، ہنوز اہل نظر سے پوشیدہ ہین، افسوس ہوتا ہے کہ بعد والی کتابون مین بھی ولی ویلوری کی صرف پہلی مثنوی ہی یاد کی جاتی ہے،

بہرحال یہ تو معترضہ جملے تھے، مین یہان دیوان ولی گجراتی کے ایک ایسے نسخہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہون جو باوجود ناقص ہونے کے اہم ہے، یہ نسخہ مجھے بھوپال مین پیر دروازہ کے قریب ایک بہت معمر کتب فروش کے یہان ملا تھا، جو نواب محمد یار خان (المتوفی ۱۱۶۷ھ) کے عہد مین لکھا گیا تھا، اس کے شروع اور آخر کے کچھ اوراق نہین ہین، خصوصًا وہ قطعہ نہین ہے، جو روضۃ الشہداء کے متعلق ہے لیکن غلطی سے انجمن ترقی اردو کے نسخہ (ص ۳۰۶) مین شائع ہوگیا ہے، اس نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس مین کچھ اشعار ایسے بھی ہین، جو مطبوعہ نسخہ مین نہین ہین، اور کچھ ایسے بھی ہین جن کی قرأت (بہ نسبت مطبوعہ نسخے کی قرأت کے) زیادہ قرین قیاس ہے، اور ان اختلافات قرأت سے بھی مختلف ہے، جو بطور ضمیمہ، مطبوعہ نسخہ مین شامل ہین، مثلاً مطبوعہ نسخہ کے ص ۴۹ پر ایک غزل "خدا سون ڈر" ردیف کی ہے، اس کے حسب ذیل اشعار کسی نسخہ مین نہین ہین، صرف اسی نسخہ مین ملتے ہین :-

اب جدائی نہ کر خدا سون ڈر	جگ ہنسائی نہ کر خدا سون ڈر
دل ربائی مین ہے تو شہرۂ شہر	دل ہوائی نہ کر خدا سون ڈر
عاشقان سون ہو رنگ اک دلبر	اور جائی نہ کر خدا سون ڈر
پاک بازان سون صدق کر پیشہ	رو ریائی نہ کر خدا سون ڈر
حاضرالوقت عاشقان سیتی	ماجرائی نہ کر خدا سون ڈر

اب ہم اس نسخہ کے اختلاف قرأت کو پیش کرتے ہین، جس مین کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی ملے گا صفحات اور اشعار (جن کا شمار شروع غزل سے ہے) کا حوالہ انجمن ترقی اردو کے مطبوعہ نسخہ سے دیا جاتا ہے، اور ان

(حاشیہ ص ۱۱۱) محمود خان صاحب شیرانی نے شائع کرادیا، اسی طرح ایک مرتبہ مین مثنوی "فیض عام" ذوشتہ ۱۱۴۶ھ کے متعلق لکھنا چاہتا تھا، کہ حافظ صاحب موصوف کے قلم سے اس کے متعلق مضمون نظر سے گذرا، ان اتفاقات سے مجھے دلی خوشی ہوئی، کہ یہ کام خدا نے مجھ سے زیادہ بہتر لوگون کے ذریعہ انجام کو پہنچایا،

صفحات کی تقدیم و تاخیر سے ہمارے نسخے کی ترتیب بھی کسی حد تک سمجھ مین آسکے گی،

ص۱ شعر۵ کرے تا تجھ شکرلب سون طلب یک بوسۂ شیرین — مرے دل نے لیا ہے اس سبب شیوہ گدائی کا

ص۲۱ ۴-۳-۲ تجھ مکھ کے آب حسن کا لکھتے تھے جب حساب

ص۱۹ ۳- تجھ نین کی دیکھن کا دل ٹھاٹھ کر چلا تھا — غمزے کے دیکھ ٹھٹ کون لاچار ہو کے ٹھٹکا

(یہ کسی حد تک ضمیمہ کے مطابق ہے)

ص۲۰ ۱-۴ چاند کون ہے آسماں پر عکس تجھ رخسار کا

ص۲۰ ۲- جب سے دل تیری زلف کون دیکھا ہے زاہد اے صنم — ترک کر تسبیح، ہے مشتاق تجھ زنار کا

ص۲۰ ۲- بلبل و پروانہ گریاں دل کے تئین — کام ہے تجھ چہرۂ گلنار کا

ص۱۰ ۴-ع شرمندہ ہون تجھ مکھ کے دیکھے نور سکندر

ص۱۲ ۴-ع یہاں بیم کے بھنور مین گرواں ہے کشتی عقل

ص۱۳ ۵-ع ہوا ہے رام ہن حسرت دو جا لکھمن سو رام اُس کا

ص۱۱ ۸-ع تجھ نگہ سون ہے مشکل کان عسل

ص۱۱ ۱ ہر طرف جگ مین ہے روشن نام شمس الدین کا — کیا عجب گر تجھ سے لیوین درس سب تمکین کا

ص۵۰ ۵-ع سب سے ممتاز ہوا سلسلۂ معنی مین

ص۵۰ ۲- بند کرنے دل وحشت زدہ کون، — دام رہ زلف گرہ گیر کیا،

ص۵۱ ۶- شمع مانند جلی اوس کی زبان — جن نے مجھ سوز کون تقریر کیا،

ص۵۲ - غزل نمبر ۳، کا مطلع ثانی اس نسخے مین بھی نہین ہے، استاذی حضرت احسن مارہروی مرحوم کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ وہ الحاقی ہے،

ص۵۴ ۲-ع یو مکھ ترا ہے جون کعبہ، بھوان ہیں جون محراب۔ (ساتواں شعر اس نسخے مین بھی ہے)

ص۵۵ ۱-ع جو کنٹھا برہ کی پہنے اُسے گھر بار کرنا کیا،

ص۵۵ ۲-ع سکھی تمنا کون ارزانی یو کسوت ہور زینت سب۔

ص۵۵ ۴- خجالت کی گرد انجھوان کے پانی سون ملا کر کر — بنائے غم کا گھر مجھ کو دوجا معمار کرنا گیا

ص۵۶ ۶-ع محل دل کا تیری خاطر بنایا ہے مین الفت سون،

ص۴۲ ۲- دیکھا ہے تیری زلف کے حلقے منی کون یک نظر — تجھ خال کے نقطے نمن وہ بے سرو بالا ہوا

ص۴۲ ۳- جس وقت سون تجھ قد کے تئین لایا ہے شاعر در فکر — اُس وقت سون البتہ کر نرخ سخن بالا ہوا

ص۲۳-۹- یہ شعر اس نسخے مین بھی نہین، اس ا ستاذی حضرت احسن کا خیال صحیح ہے، کہ وہ حاتم کا شعر ہے،

ص۲۴-۰ع شہرہ ہوا ہے جب سے ترے شعر کا دتی،

ص۲۵-۳- نور کا ہے گنج یو تیرا اجمال، حسن کے گوہر کا دل معدن ہوا،

ص۲۶-۱ع- سر اُپر اُس کے بگولا چتر سلطانی ہوا

ص۲۹-۱- یو آج جو سینہ شاد دستا مطلب ہے جو با مراد دستا

ص۲۹-۵ع مرے دل کا جو گوہر غرق بحر حُسن ہے نایاب

ص۳۵-۴- نہ پوچھ دل میں دوجی کالبان برابر تجھ شکر گھلی ہے جُدا ہور گھلا ہے قند جدا

ص۶۰-۷ع نکلا اسیر جامۂ خاکستر آفتاب

ص۶۰-۱۴- جاناں کو بس کہ خوفِ قیباں ہے دمبدم ہوتا ہر جان بوجھ کے ہم سوں آجان آج

ص۸۲-۷ع کہ مے پرست کے سینے میں ہے دعاے قدح،

ص۸۳-۲ع آپس کی دو نوں زُلف کون نہ کرا تا گستاخ،

ص۸۶-۹ع کیا ہے طرز تغافل نے شوخ کے جگ مین،

ص۹۳-۲ع ترے گلزار رنگین کا جو کئی مقتول ہے اے گل،

ص۹۵-۱ع سنایا جیون خبر شادی کی قاصد صبح دم آکر،

ص۹۶-۳ع گرفتاران کی غم خواری اِتا لازم ہوئی تجکوں

ص۱۰۳-۳ع آوے گر انکھیان میں وہ نور بصر ص۹۹-۰ع مجھ عاشق بے کل سوں نہ توں دُند کل کر

ص۹۶-۱ع عاشقاں کے اُپرستم مت کر، ص۱۰۲-۵ع جو کئی باندھا ہے تیری زلف سوں دل

ص۹۴ یہاں وہ زائد اشعار ہین جو شروع مین نقل ہو چکے ہین،

ص۱۱۶-۶ع بن اُس کے جا کیا ہے یو تجھ کوں خار محض

ص۱۲۱-۱ع اس شوخ شعلہ خیز سون حیراں ہے جیوں چراغ،

ص۱۳۰-۷ع خوشبو بدن پہ تیری زلفاں نہیں ہیں مو ہن،

ص۱۲۹-۷ع نہ پایا ہے البتہ تیرا مثال ص۱۳۱-۴ع پہنچا ہے جا کے رُخ کون صنم کے نزدیک جب

ص۱۳۲-۴ع نہیں کچھ زرو مال کی دل مین طمع ص۱۳۵-۶ع نام تیرا ہوا ہے ابنرت لعل

صفحہ ۱۴۵-۲-ع تا ایک نگہ میں آوے تجھ پاس مثل شبنم،

صفحہ ۱۴۷-۵-ع لطف سوں کر یک نگہ تجکوں موت کی قسم،

صفحہ ۱۴۵-۳-ع تجھ سنبل پُرپیچ کی خوبی میں نظر کر صفحہ ۱۵۲-۳-ع قران کب ہو میسر ترا اے زہرہ جبین

صفحہ ۱۵۳-۱-ع ولی کے دل کی حقیقت بیان سو کیوں کہ کروں،

صفحہ ۱۵۹-۴-ع تجھ باحیا کی پگ پہ آکر سورج حیا سون صفحہ ۱۶۷-۱-ع رکھتا ہے پنہاں برہنیں جوں شمع زنار کیوں

صفحہ ۱۷۰-۴-ع تجھ پانو آگے فرش کرون آج پیری کوں صفحہ ۱۷۹-۱-ع طاقت جواب کی نہ رہے آفتاب مین

صفحہ ۱۸۵-۲-ع نشۂ ہوش ہے اس بادۂ حیرانی مین صفحہ ۱۸۹-۱-ع اگر گلشن مین وہ رنگیں قبا نین،

صفحہ ۱۹۰-۵-ع یو مری جان کے نامے ستی آگاہ قاصد نین،

صفحہ ۱۹۲- غزل نمبر ۲۵۹ کا یہ شعر کسی اور نسخے مین نہین ہے :-

بوالہوس سون غرض نہیں دھرتے عاشقان پہ یو وند کرتے ہین،

صفحہ ۱۹۳-۱-ع نقد ہستی نثار ڈالے ہین، صفحہ ۱۹۱-۱-ع فکر ناموس وننگ ونام نہین،

صفحہ ۱۶۳-۱-ع آتی ہے فوج حسن تری جلوہ گاہ مین،

صفحہ ۲۰۹-۳-ع ہریک سوں ترا جگ میں آوازہ ہوا تازہ،

صفحہ ۲۰۸- یہ شعر بھی کسی اور نسخے مین نہین ہے، صرف ہمارے نسخے مین ہے :-

شتابی جیون کروں تسلیم باندازہ اُس ہ کا دھرے گر مجھ طرف موہن چرن آہستہ آہستہ

صفحہ ۲۱۰-۵-ع مت کہہ آپس کا حال پریشاں آگے رمال صفحہ ۲۴۷-۳-ع کہا مژگان نے اُس کی شوخیاں کوں

صفحہ ۲۵۲-۶-ع دھرہے، لطف ہے، مدارا ہے، صفحہ ۲۴۶-۶-ع دل نہ دے دوجے کوں غافل دیکھ آ رہے

صفحہ ۲۵۴-۴-ع پیا ہے جام دل سوں بادۂ خون صفحہ ۲۵۷-۲-ع جیون ادا محبوب سون محبوب ہے

صفحہ ۲۶۰-۶-ع حرف شیرین ہر گھڑی ہوتے ہین اُس سوں جلوہ گر، صفحہ ۳۴۴-۱-ع دستگیری تری ہو ظاہر تب،

ادب قدیم سے شغف رکھنے والے اصحاب جب مطبوعہ نسخے کی مختلف قراتوں کا اس نسخے سے تطابق فرمائین گے تو انھین معلوم ہوگا کہ اس کی قرأت کس قدر اس کے مقابلہ مین بہتر ہے، ولی کے اس طرح کے اور کتنے اشعار ہوں گے جو ہنوز پردۂ خفا مین ہین، اگر انجمن ترقی اردو چاہے تو کلیاتِ ولی کے دوسرے اڈیشن مین بطور ضمیمہ اس مضمون کے ضروری اجزا کو شامل کرسکتی ہے اور مزید تطابق کے لئے یہ نسخہ حبیب گنج سے منگوایا جا سکتا ہے جہاں وہ اب محفوظ ہے،

جواب و استفسار

عہد اسلامی مین جیلخانون کا موجد کون تھا؟

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر
جونا گڑھی قاضی واڑہ جونا گڑھ

علامہ شبلی مرحوم نے جیلخانون کی ایجاد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے، اور مقریزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ مین صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درم پر خریدا اور اس کو جیلخانہ بنایا، پھر اور اضلاع مین بھی جیلخانے بنوائے[1] اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین جیلخانے بنوائے اور گویا جیلخانون کے پہلے موجد وہی ہین، لیکن شہاب الدین احمد الخفاجی (گیارہوین صدی) عہد اسلام مین جیلخانون کا موجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتاتے ہین، ان کا بیان حسب ذیل ہے :-

(سجن) ولم یکن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم سجن وکان یحبس فی المسجد او فی الدہلیز حیث امکن فلما کان زمن سیدنا علی رضی اللہ عنہ احدث السجن وکان اول من احدثہ فی الاسلام وسماہ نافعا ولم یکن حصینا فانفلت الناس

(جیلخانہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت مین اور حضرات ابوبکرؓ عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت مین جیلخانے نہ تھے، اس وقت مجرمون کو مسجد یا کسی کوٹھری مین بند کر دیتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے جیلخانہ بنوایا، اور آپ پہلے شخص ہین جنھون نے اسلام مین جیلخانہ کی ایجاد کی، اور اس کا نام نافع رکھا، چونکہ وہ مضبوط نہین تھا

---

[1] الفاروق حصہ دوم ص ۳، طبع آگرہ

منه فبنى آخر وسمّاه مخيّسا	اس لئے قیدی اس میں سے نکل کر بھاگ
بالخاء المعجمة والياء المشددة	جایا کرتے تھے، لہذا دوسرا جیلخانہ بنوایا
فتحًا وكسرًا وقال فيه :	اور اس کا نام مخیس رکھا (یعنی پکڑ کر بند
نزلتُ بعد نافع مخيّسا	کر دینے کی جگہ) اس کے متعلق آپ نے فرمایا:
بابًا شديدًا وامينًا كيّسا	نافع کے بعد میں نے مخیس بنوایا جس کا
ألا تراني كيّسا مكيّسا	دروازہ مضبوط ہے، اور اپنے اندر بند
وانما ذكرته هنا لان هذه	کر دینے والا امانت دار ہے، کیا تو نہیں
الاسماء حدثت بعد العصر	دیکھتا کہ کیسا چالاک اور عقلمند ہوں،
الاوّل[۱]	میں نے اس کا ذکر یہاں اس وجہ
	سے کیا کہ یہ نام عصر اوّل (عہد نبوی)

اشعار مندرجۂ بالا علامہ فیروزآبادی نے خیس کے مادہ میں نقل کئے ہیں[۲] اس کے متعلق علامہ سید مرتضیٰ زبیدی اپنی شرح قاموس میں لکھتے ہیں :-

ومنه سمي سجن كان بالعراق للحجاج	اس نام سے موسوم تھا وہ جیلخانہ
وقيل بالكوفة بناه امير المومنين	جس کو حجاج نے عراق میں بنوایا تھا،
على رضى الله عنه وكان اوّلًا	اور کہا جاتا ہے کہ کوفہ میں حضرت علیؓ
جعله من قصب وسماه نافعًا	نے بنوایا تھا، پہلے اس کو نرسل کا بنوایا
وكان غير مستوثق البناء فنقبه	اور نافع نام رکھا، مگر چونکہ اس کی بنا
اللصوص وهربوا منه فهدمه	مضبوط نہ تھی اس لئے چور اس سے نقب
وبنى المخيس لهم من مدر فقال	لگا کر بھاگ جایا کرتے تھے، پھر اس کو
اماتراني كيّسا مكيّسا	گرا کر مخیس بنوایا اینٹوں سے چنانچہ
بنيت بعد نافع مخيّسا	فرماتے ہیں...............
بابًا حصينا واميناكيّسا	....

[۱] شفاء الغلیل ص ۱۰۹ مطبعہ السعادۃ بمصر [۲] القاموس المحیط المجلد الثانی ص ۲۵

وفی بعض الاصول "بانا کبیرا" قال
شیخنا تبعاً للبدر وھذا ینافی
ما سیأتی فی ودق انہ لم یثبت
عنہ انہ قال شعرا الی آخرہ
فتامل قلت ویمکن ان یجاب
ان ھذا رجز ولا یعد من الشعر
عند جماعۃ وقد تقدم
البحث فی ذالک فی رجز
فراجعہ،

بعض اصل متنوں میں بابا کبیرا لکھا ہے ہمارے
شیخ نے بدر (بدرالدین محمد بن القاضی شمس الدین
بن محمد القرافی المالکی المتوفی ۹۰۲ھ بدائع
الزہور ج ۴ ص ۱۰۸) کے تتبع میں فرمایا ہے
کہ یہ بات اس امر کے منافی ہے، (جو مادہ
ودق میں آگے آئے گی) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
کا اخیر وقت تک شعر کہنا ثابت نہیں ہے
پس یہ امر غور طلب ہے میں کہتا ہوں کہ
یہ اشعار رجز ہیں، جو ایک جماعت کے نزدیک
شعر میں شمار نہیں ہوتا، اس پر مادہ رجز
میں بحث گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو،

مندرجۂ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ جہاں اور کتابوں میں جیلخانون کی ایجاد کا سہرا حضرت عمرؓ کے سر رکھا گیا ہے، وہاں بعض کتابوں میں حضرت علیؓ سے بھی اس کی ایجاد منسوب کی گئی ہے، حضرت علیؓ سے متعلق روایت لفظ قیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے، اور سید مرتضیٰ کے شیخ نے اس کو اس بنا پر تسلیم نہیں کیا کہ حضرت علیؓ سے شعر کہنا ثابت ہی نہیں ہے، گو اس سے یہ روایت مشتبہ ہو جاتی ہے، با این ہمہ یہ شہادتیں اس کی تکذیب کے لئے کافی نہیں، لہذا سوال یہ ہے کہ

(۱) ان متضاد روایات کی موجودگی میں کون سا بیان صحیح مانا جائے ؟

(۲) علامہ شبلی مرحوم نے فتوح البلدان اور مقریزی کے حوالے دیئے ہیں، وہ مجھے ان کتابوں میں نہیں ملے، لہذا یہ بتایا جائے کہ یہ کس مقام پر کس عنوان کے ماتحت درج ہیں ؟"

معارف:۔ مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق میں عہد اسلام میں جیل خانوں کی ابتدا کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے تحقیقی طور پر اس وقت بھی حرف اخیر وہی ہے، اتفاق کی بات ہے کہ اس موقع پر الفاروق میں مقریزی کی جلد اور صفحہ کا حوالہ غلط چھپ گیا ہے، غالباً یہ غلطی اس کے پہلے اڈیشن میں ہوئی اور وہ نقل در نقل

آخری اڈیشن تک موجود رہی، آپ مستحق شکریہ ہین کہ آپ کے استفسار سے اس کی تصحیح کا موقع ہاتھ آیا، غالبًا آپنے الفاروق کے درج کردہ حوالہ مین اس عبارت کو موجود نہ پاکر مزید تحقیق کی ضرورت سمجھی، اور گیارہویں صدی کا وہ بیان آپکے سامنے آیا جس کو آپ نے استفسار مین نقل کیا ہی، مولانا شبلی مرحوم نے مقریزی کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، وہ اس کی جلد دوم ص ۱۸۷ کے بجائے جلد سوم ص ۳۰۳ مین موجود ہے، آپکے ملاحظہ کے لئے اس کی عبارت ذیل مین پیش ہے:-

وھذا کان ھو الحبس علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ ولم یکن لہ حبس معد لحبس الخصوم ولکن لما انتشرت الرعیۃ فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابتاع من صفوان بن امیۃ رضی اللہ عنہ دارًا بمکۃ باربعۃ الاف درھم وجعلھا سجنا یحبس فیھا۔	قید کرنے کا یہ طریقہ (جس کا تذکرہ اوپر گذرا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا، اس زمانہ مین ملزم کو محبوس کرنے کے لئے کوئی تیار شدہ قید خانہ نہین تھا، مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین رعایا پھیلی، تو انھون نے حضرت صفوان بن امیہؓ سے مکہ مین ان کا مکان چار ہزار درہم مین خرید لیا، اور اس کو قید خانہ بنایا جس میں لوگ قید کئے

اس سے بہ تصریح معلوم ہوا کہ عہد رسالت و صدیقی مین قید خانہ کا رواج نہین تھا، اس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ مین انہی کے ہاتھ سے ہوئی، پھر آگے چل کر دیوانی کے مجرمون کو جیل بھیجنے کا جو ذکر الفاروق مین آیا ہے، اور اس کا حوالہ بھی اتفاق سے درج نہین ہے، اس کو بھی مقریزی جلد سوم ص ۳۰۴ مین ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن اس موقع پر مولانا مرحوم نے دوسرے اضلاع کے جیلخانون کے سلسلہ مین بلاذری کا جو حوالہ دیا ہے، وہ تو فتوح البلدان کے اسی صفحہ ۳۴۶ (طبع لیدن ۱۸۶۶ء) مین موجود ہے تعجب ہے کہ یہ عبارت آپ کی نگاہ سے کیسے اوجھل رہی، شاید کوئی دوسرا اڈیشن آپکے پیش نظر ہو، اس کا ذکر عنوان "امرائے تمیم" کے ذیل مین آیا ہے، مولانا مرحوم نے جو یہ لکھا ہے کہ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے، کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا" وہ فتوح البلدان کے اس فقرہ سے ماخوذ ہے" وکان السجن یومئذ من قصب"

جنی قید خانہ اس زمانہ مین نرکل کا تھا، نیز یہ اشارہ کر دیا جائے تو مناسب ہوگا، کہ علامہ بلاذری کی یہ تصریح
یک ایسے مجرم کے ذکر مین آئی ہے، جس نے حضرت عمرؓ کا نقش خاتم بنوا کر کوفہ سے فریب سے خراج وصول کر لیا
تھا حضرت عمرؓ نے کوفہ مین اس کو گرفتار کرایا، اور اس کو قید خانہ مین بند کیا گیا، جو نرسل کا بنا تھا، اس مین سے
وہ نکل بھاگا، پھر تائبانہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہان پھر اس کو قید کر دیا گیا، کچھ دنون کے
بعد قید خانہ سے باہر نکالا گیا، پھر دوبارہ بھیج دیا گیا، اور کچھ زمانہ کے بعد اس کو رہائی نصیب ہو سکی (ص ۴۶۳)
ان تفصیلات سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اس زمانہ مین قید خانہ کا مستقل نظام قائم تھا، جس
مین لوگ مستقل طور پر قید رہتے تھے، اور ضرورت کے وقت نکالے جاتے، پھر داخل کر دیئے جاتے تھے، اس لئے
تیسری صدی کے مورخ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ کی اس تصریح کے بعد گیارھوین صدی کے علامہ شہاب الدین
خفاجی کے اس بیان کے متعلق جس کو آپ نے نقل کیا ہے یہی سمجھا جا سکتا ہے، کہ انھین عہد فاروقی کے ان جیلخانون
کی اطلاع نہین مل سکی، اس لئے ان کی یہ تحقیق صحیح نہیں کہ عہد رسالت و صدیقی کی طرح عہد فاروقی مین بھی
جیل خانے موجود نہین تھے۔

باقی علامہ سید مرتضٰی زبیدی کی شرح القاموس المحیط سے جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے، اس مین تو صرف
ایک ایسے جیل خانہ کا ذکر آیا ہے، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا، اس سے یہ نتیجہ تو نہین نکلتا
کہ جیل خانہ کی تعمیر عہد اسلام مین پہلی مرتبہ انہی کے ہاتھون ہوئی تھی۔ والسلام "س"

ہندی راجکماریوں کے بطن سے مسلمان سلاطین ہند کی اولادین

جناب سید شاہ فخر عالم صاحب
سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور

"معارف ماہ مئی و جون مین استفسارات کا باب دیکھ کر خوشی ہوئی، جنگ کے بعد
بھی قائم رکھین، لیکن تشنگی و اختصار نہ ہو، اور نہ علمی جوابون مین فتوی کی شان پیدا ہونی
چاہئے، معارف جلد ۵۱ نمبر ۵ ص ۴۴۸ کے سوال نمبر ۵ کا جواب مبہم ہے، اور جواب مین گریز پائی
معلوم ہوتی ہے، یہ سوال واضح طور پر جواب طلب ہے"

معارف:۔ محولہ بالا استفسار مین پوچھا گیا تھا کہ
"اکثر اشخاص یہ اعتراض کرتے ہین، کہ اکبر بادشاہ نے جو ہندو راجپوت گھرانون سے

شادیاں کی تھیں،.......ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ شرعاً و اخلاقاً ناجائز تھی"

اس استفسار کا تعلق بہرحال شرعی مسئلہ سے پیدا ہوتا تھا، اس لئے جواب میں عمومی حیثیت اختیار کرکے یہی بات کہی جاسکتی تھی جو کھلے لفظوں میں کہدی گئی کہ

"اگر کسی غیر کتابیہ مشرکہ کے بطن سے کسی مسلمان کی اولاد ہو تو شریعت اسلام کے رو سے اس کا حکم وہی ہوگا، جو آپ فرماتے ہیں" (معارف جلد ۱۵ ص ۲۶۴)

یعنی "ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ شرعاً اخلاقاً ناجائز تھی" لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ کسی متعین شخص کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے ہم ان خواتین ہند کو جو شاہی محلسراؤں میں آگئی تھیں، کافرہ قرار دیں،

پھر شرعی نقطۂ نظر سے ایک موشگافی یہ بھی ہوگی، کہ اس عہد کے بعض سلاطین خود اپنی رائے سے یا اپنے ہم نوا مدعیانِ علم مذہبی کی رائے سے اس عقیدہ پر بھی تھے، کہ ہندوستان کے ہندو "کفار غیر اہل کتاب" نہیں ہیں، بلکہ "مشابہ بہ اہل کتاب" یا کفار اہل کتاب" ہیں، اگر اس عقیدہ کی بنا پر کوئی عمل کیا گیا تو سببِ خطا ان "مجتہدین عصر" کی "اجتہادی غلطی" قرار پائے گا، یا ان مجتہدین کو ماننے والوں کی تقلید جاہلانہ!

جو لوگ گذر چکے انھوں نے اچھا کیا یا بُرا، اگر ان کی خوش اعمالیوں یا بداعمالیوں کا کوئی اثر اب ہماری جماعت قومی تک نہیں پہونچتا تو ہمیں ان کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں، وہ خود اب ایسی عدالت کے سامنے ہیں، جہاں انھیں ان کے اعمال کی جزا و سزا کا فیصلہ سنایا جائے گا، اس لئے ان کے اعمال پر ہمیں آپ کو اب احتساب اور فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں،

مصحفِ عثمانی کا فوٹو

جناب قاضی سید محمد حسین صاحب
پھلواری شریف، ضلع پٹنہ،

"ترکی حکومت نے شاید مصحفِ عثمانی کا فوٹو شائع کرایا تھا، کیا وہ پورے قران مجید کا فوٹو ہے، یا اس کے کسی جزر کا، اس کے علاوہ کیا مصحفِ عثمانی کے کسی دوسرے نسخہ کا فوٹو بھی کہیں چھپا ہے، ؟ اور کہاں دستیاب ہوسکتا ہے"؟

معارف:- جامعہ عثمانی، حیدرآباد کے استاذ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا ایک مضمون

راقم سطور کی نظر سے گذرا تھا، جس مین مصحفِ عثمانی کے فوٹو کا ذکر آیا تھا، لیکن یہ یاد نہ رہ سکا کہ وہ کب اور کس رسالہ مین شائع ہوا تھا، اس لئے اس سلسلہ مین موصوف کی طرف رجوع کیا گیا تو حسب ذیل جواب موصول ہوا :-

اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۲۵ء مین ایک مضمون بہ Some Arabic Inscriptions of Madina اسی مین حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب قرآن مجید کے نصف ورق کا فوٹو ہے،

ترکی حکومت نے جہانتک مجھے علم ہے، صرف ایک ورق کا فوٹو چھپوایا جس کا نسخہ مدینہ منورہ مین دیکھ کر خادم نے فوٹو لے لیا تھا، یہ تقریبًا دو فٹ × ڈیڑھ فٹ کی تقطیع پر چھپا ہے،

تاشقند کے مصحف عثمانی کا مکمل فوٹو البتہ روسی حکومت نے شائع کیا ہے، جس کا نسخہ کابل میوزیم مین میری نظر سے گذرا ہے، یہ بھی ویسی ہی بڑی تقطیع پر ہے۔ "س"

عربون کا اکتشاف امریکہ

جناب تابش صدیقی بی اے
اسسٹنٹ فنانس ڈیپارٹمنٹ وار برانچ
نگاردٹن کیسل، شملہ

"امریکہ کے متعلق آج تک ہم یہی پڑھتے اور سنتے آئے ہین کہ اس کو کولمبس نے دریافت کیا لیکن چند دن ہوئے کہ مجھے ایک دوست نے بتایا کہ آپ یا شاید کسی اور مصنف نے تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ اس براعظم کے دریافت کرنے والے عرب تھے، اگر یہ بات صحیح ہو تو براہ نوازش اس سلسلہ مین مطلع فرمائین کہ کیا یہ تحقیقی مضمون معارف مین شائع ہوا ہے، یا کتابی صورت مین؟ کیا اس مسئلہ کے متعلق اور کتابین بھی ہین، اگر ہین تو ان کے نام تحریر فرمائین۔

معارف :- کولمبس سے پہلے عربون کے ورود امریکہ کے موضوع پر ہمارے ہان سب سے پہلے راقم سطور کے قلم سے ماہ اگست ۱۹۲۶ء کے معارف مین صفحہ دو صفحون کے شذرات مین ذکر آیا ہے، جس مین اس موضوع پر بعض امریکی اہلِ قلم کے بعض مضامین و اکتشافات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور مضامین کے حوالے مندرج ہیں، اس کو دیکھ کر جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری زراعتی کالج لائل پور نے بعض نشان دیئے ہوئے رسالے منگائے، اور بعض مضامین کا ترجمہ اگست ۱۹۲۸ء کے معارف

مین شائع کرایا، ان دونون پرچون سے اس موضوع پر خود امریکہ کے بعض اہل علم نے جو کچھ لکھا ہے، وہ آپ کے علم مین آسکے گا،

جناب سید صاحب قبلہ نے "عربون کی جہازرانی" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو اس موضوع پر مستند معلومات و تحقیقات کا بہترین مجموعہ ہے، لیکن "عرب و امریکہ" کا باب جو عربی ماخذ سے مرتب کیا گیا ہے اس مین شائع نہ ہو سکا ہے، یہ کتاب کے شائع ہونے کے بعد مکمل ہو سکا، اور مقالہ کے طور پر معارف کے دو نمبرون مارچ و اپریل ۳۹ء مین شائع ہوا ہے، اس سے آپ کو اس موضوع پر نئی تحقیقون کا پتہ چل سکے گا،

اگر آپ تفصیلی معلومات چاہتے ہون تو "عربون کی جہازرانی" اور معارف کے چارون پرچے یعنی بابت ماہ اگست ۲۶ء و اگست ۲۷ء اور مارچ و اپریل ۳۹ء ملاحظہ فرمائین، "س"

سیر الصحابہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانون کے لئے جن مقدس ہستیون کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہو سکتے ہین وہ حضرات صحابۂ کرام ہین، دار المصنفین نے ۱۵ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو مین صحابہ کرام کے سوانح اور حالات اور اخلاق وحسنات کی دس ضخیم جلدین حدیث و سیر کے ہزارون صفحے سے چن کر مرتب کین اور بحسن و خوبی شائع کین، ضرورت ہو کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویا مسلمان ان صحیفون کو پڑھین اور شمع ہدایت کی روشنی مین چلین جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدون کی علحدہ قیمتیں حسب ذیل ہین جن کا مجموعہ ... ہو لیکن پورے سٹ کے خریدار کو ... مین یہ دس جلدیں کامل نظر کیجاتی ہین، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول	خلفائے راشدین	للعہ	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم	۸؍
جلد دوم	مہاجرین اول	۸؍	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم	۸؍
جلد سوم	مہاجرین دوم	؎؍	جلد ہشتم	سیر الصحابیات طبع دوم	۸؍
جلد چہارم	سیر الانصار اول	؎؍	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اول	۸؍
جلد پنجم	سیر الانصار دوم	۸؍	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم	۸؍

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

ہمارے ہندوستانی مسلمان مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین صاحب ایم بی بی ایس تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد عاؔ، پتہ:- اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ، لاہور،

یہ کتاب سر ولیم ہنٹر کی مشہور کتاب "Indian Musalmans" کا اردو ترجمہ ہے، مصنف اٹھارہویں صدی کے وسط کے بنگال کے ایک لائق آئی سی ایس تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی، حضرت مولانا سید احمد بریلویؒ کی شہادت پر ایک تہائی صدی گذر چکی تھی، لیکن انگریزوں کے خلاف ان کے خلفاء اور متبعین کا جہاد جاری تھا، اور اس کا نظام پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، اور حکومت مسلمانوں سے پورا انتقام لے رہی تھی، اس کتاب میں اس جہاد کی تاریخ، مسلمانوں کے جوش جہاد، اس کے وسیع نظام اور مسلمانوں کے ساتھ حکومت کی زیادتیوں اور نا انصافیوں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں جہاد کے احکام، دار الحرب و دار الاسلام کے مسائل اور انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کی دینی حیثیت وغیرہ کی بحثیں بھی ہیں، اس طرح اس میں گویا آج سے صدی ڈیڑھ صدی پیشتر ہندوستان میں مسلمانوں کے جہاد آزادی کی اجمالی تاریخ آگئی ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے اس زمانہ میں جب کہ ہندوستان کی دوسری قوموں کے دماغ میں آزادی کا تصور بھی نہ پیدا ہوا تھا، بلکہ وہ اس راہ میں مزاحمت اور مسلمانوں کے دبانے میں انگریزوں کی اعانت کر رہی تھیں، مسلمانوں نے اجنبی حکومت سے آزادی کے لئے جتنی زبردست قربانیاں کیں اس کی مثال آج بھی نہیں پیش کی جا سکتی، اور اس جہاد آزادی کا نظام اتنا وسیع اور مکمل تھا، کہ کابل کی سرحد سے لے کر مشرقی بنگال تک پھیلا ہوا تھا، اور انگریزوں کو اس کے دبانے میں کتنی دشواریاں پیش آئیں، اور کتنے نقصانات اٹھانا پڑے، اور اس کے انتقام میں انھوں نے مسلمانوں کو کن کن طریقوں سے تباہ کرنے کی کوشش کی، ہنٹر کو چونکہ صرف بنگال کا تجربہ تھا، اس لئے انھوں نے

زیادہ تر بنگال کے حالات لکھے ہین، ورنہ سارے ہندوستان مین یہی حال تھا، اس کتاب کے کل معلومات سرکاری کاغذات اور انگریز حکام کے بیانات اور ان کی تحریرون اور تصانیف سے ماخوذ ہین جس سے زیادہ مستند اس بارے مین دوسرے بیانات نہین ہو سکتے، جہاد کا حصہ چونکہ مخالف نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے، اس لئے اس مین جا بجا تلخی اور سخافت آگئی ہے، اور کہین کہین واقعات کی بھی غلط تعبیر کی گئی ہے، بعض اور خفیف فروگذاشتین بھی ہین لیکن ان سے اصل مقصود پر کوئی اثر نہین پڑتا، ضرورت تھی، کہ حاشیہ مین ان کی تصحیح کر دیجاتی ہسلمانون کے ساتھ حکومت کی زیادتیوں کے حالات خود ایک انگریز حاکم کے قلم سے پڑھنے کے لائق ہین، یہ کتاب اپنی اہمیت کے لحاظ سے اردو مین ترجمہ کے لائق تھی، لائق مترجم نے یہ خدمت انجام دے کر اردو کے ذخیرہ مین ایک مفید اور قابل قدر کتاب کا اضافہ کیا ہے، ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے، ع

تازہ خواہی داشتن گر داغہاے سینہ را گاہے گاہے باز خوان این قصۂ پارینہ را

سیدہ کی بیٹی مؤلفہ جناب رازق الخیری صاحب تقطیع بڑی کاغذ، کتابت وطباعت بہتر،

قیمت عہ قسم خاص سے، پتہ عصمت بک ڈپو دہلی،

اسلام کی ابتدائی تاریخ مین جن ممتاز مسلمان خواتین کے نام آتے ہین، ان مین ایک حضرت علیؓ کی صاحبزادی زینب بھی ہین، سیدہ کی بیٹی انہی کی سوانح عمری ہے، حضرت زینبؓ معرکۂ کربلا مین حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھین اور اس سلسلہ مین ان کی جرأت اور دلیری کے بعض واقعات بھی تاریخون مین ملتے ہین، لیکن بعد کے افسانہ نگارون نے ان کی پوری زندگی کو ایک داستان بنا دیا ہے، عام طور سے ان کی جانب جو افسانے منسوب ہین، ان کی کوئی اصلیت نہین حتیٰ کہ مستند شیعہ مورخین یعقوبی، مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے بھی ان کا کوئی تذکرہ نہین کیا ہے، مذکورۂ بالا کتاب کا بڑا حصہ بھی اسی قسم کے افسانون پر مشتمل ہے، جو غیر معتبر کتابون سے ماخوذ ہین، اس قسم کے موضوعون پر لکھنے کے لئے اصل عربی ماخذون پر ناقدانہ نگاہ کی ضرورت ہے، مستند تاریخون مین حضرت زینبؓ کے حالات مشکل سے دو چار صفحون کے بقدر مل سکتے ہین، اور مصنف نے ایک پوری ضخیم کتاب لکھدی ہے اس لئے انھیں مجبوراً ہر قسم کے رطب ویابس متعلق وغیر متعلق واقعات کو لینا پڑا، بعض معتبر کتابون کے نام بھی نظر آتے ہین لیکن اُن سے جو واقعات لئے گئے ہین، ان کو حضرت زینبؓ کی سوانح سے کوئی تعلق نہین، اور ان مین بھی غلطیان ہین، جن کی تفصیل کی گنجایش نہین، سیدہ زینب کی عظمت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما جیسے ماں باپ کی نور نظر تھین کہ

ان کے مرتبہ مین اضافہ کے لئے ان کی جانب غلط اور مبالغہ آمیز واقعات کے انتساب کی ضرورت ہو، ع

بہ آب ورنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

مصنف نے یہ کتاب درحقیقت شیعون کے لئے لکھی ہے، چنانچہ حضرت زینب کے سوانح کا حصہ تمامتر انھی کی کتابون سے ماخوذ ہے، خلافت راشدہ اور اس دور کے دوسرے تاریخی واقعات مین بھی شیعون کے عقائد کی خاص رعایت رکھی گئی ہے، اس لحاظ سے مصنف کی کوشش یقیناً کامیاب ہے، اور امید ہے کہ ان مین یہ کتاب مقبول ہوگی، سُنّی خواتین بھی تاریخی حیثیت سے قطع نظر اخلاقی سبق کی حیثیت سے فائدہ اٹھا سکتی ہین، اس لئے کہ سبق آموزی کے لئے واقعہ کی صحت ضروری نہین ہے،

جوامع الحکایات و لوامع الروایات حصہ اوّل و دوم مترجمہ جناب اختر شیرانی تقطیع بڑی ضخامت حصہ اوّل ۳۰۰ صفحے و حصہ دوم ۲۶۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت علی الترتیب مجلد و غیر مجلد ۱۲؍ ۔ للعہ ۔ پتہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

عربی اور فارسی مین ادب و محاضرات کی بہت سی کتابین ہین، جو انسان کی ذہنی و دماغی جلا، اخلاقی تعلیم زندگی کے مختلف تجربات، مختلف النوع سبق آموز تاریخی و نیم تاریخی واقعات قصص و حکایات، اور نوادر ولطائف پر مشتمل ہین، جن سے معلومات مین اضافہ کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبون کے متعلق مفید سبق حاصل ہوتے ہین، فارسی کی اس نوع کی کتابون مین موضوع کے تنوع اور مواد کی کثرت کے لحاظ سے محمد عوفی کی جوامع الحکایات و لوامع الروایات بہت مبسوط اور مشہور کتاب ہے، اس کی چار جلدین ہین، اور ایک سو ابواب مین کئی ہزار حکایتین ہین، یہ کتاب کمیاب ہے، اور ابھی تک چھپی نہین، دار المصنفین کے کتب خانہ مین اس کا ایک نسخہ موجود ہے، انجمن ترقی اردو نے اس کی منتخب حکایات کا ترجمہ کرایا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس قسم کی کتابین اپنے گوناگون مفید اور دلچسپ معلومات کے اعتبار سے عوام و خواص سب کے لئے یکسان دلچسپ ہوتی ہین، اس لئے امید ہے کہ یہ کتاب اردو خوانون مین مقبول ہوگی،

ہمارے بینک از جناب محمد احمد صاحب سبزواری ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- مجلد عہ بلا جلد ۱۲؍ پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

بینک دنیا کے موجودہ معاشی و تمدنی نظام کا نہایت ضروری جز ہین، اور انھی کے بل پر تمدن کی ساری عمارت قائم ہے، کسی ملک کی اقتصادی و معاشی ترقی کا معیار اس کے بینکون کی کثرت و وسعت ہے، ان کا نظام اور

اس کے مسائل نہایت پیچیدہ ہین، انجمن ترقی اردو نے موجودہ دور کے مسائل پر اردو مین کتابون کی تالیف و اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے، ہمارے بنیک بھی اسی سلسلہ کی کتاب ہے، بقول مصنف اُس مین اس کی کوشش کی گئی ہے کہ بینکون کی تفصیل، ان کی اہمیت اور ان کے کامون کی تشریح، زر کی الجھنون سے بچا کر سیدھے سادے طریقہ سے کر دیجائے"، اس سلسلہ مین بنیک کے قیام کی ضرورت، اس کی ابتدار اور ترقی، اس کے کامون کی تفصیل، دنیا کے بعض بڑے بینکون کے حالات، ہندوستان مین بنیک کے قیام کے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک ہندوستانی بینکون کی سرگذشت، ہندوستان کے اور دوسرے سرکاری اور پرائیوٹ مالی ادارے، نیشنل بنیک، کوا پریٹو سوسائیٹز، وغیرہ اور سودی لین دین کے دیسی طریقون کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہین، جس سے بینکون کے نظام کے متعلق جملہ ضروری معلومات حاصل ہوجاتے ہین،

تنقیدی جائزے از جناب سید احتشام حسین صاحب لکچرار اردو لکھنو یونیورسٹی،

تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۹۸ صفحے کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت :- ہے

پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مصنف ممتاز ترقی پسند ادیب اور نئے ادب کے پرجوش مبلغ ہین، تنقیدی جائزے ان کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جن مین ترقی پسند ادب کے نقطۂ نظر سے نفس ادب، قدیم ادب اور ترقی پسند ادب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، کہ ادب کیا چیز ہے، اس کے مقاصد کیا ہونے چاہئیں، قدیم اور جدید ادب کے نقطۂ نظر مین کیا فرق ہے، اور اس کے اعتبار سے قدیم ادب مین کیا خامیان اور جدید مین کیا خصوصیات ہین، اور وہ کہان تک ادب کے اصلی مقاصد کو پورا کرتا ہے، اور اس قبیل کے دوسرے مسائل پر بحث کی گئی ہے، اسی سلسلہ کے حسب ذیل مضامین ہین، اردو ادب مین ترقی پسندی کی روایت، نئی شاعری کے نقاد، ادب و اخلاق، نئے ادبی رجحانات، قدیم ادب اور ترقی پسند نقاد، چکبست بحیثیت پیامبر دور جدید، نظیر اکبرآبادی، جدید شاعری مین مواد و ہیئت، ان کے علاوہ فانی بدایونی، سحرالبیان پر ایک نظر، سوانح نگاری، تحفظ زبان کا مسئلہ، خالص ادبی و تنقیدی ہین، ترقی پسند ادیبون کا نقطۂ نظر، خیالات، اور ان کے دلائل و مباحث معلوم و متعین ہین، اس مجموعہ مین بھی کوئی نئی بات نہین ہے، انہی پرانے مباحث و مسائل پر مشتمل ہے، جن پر معارف مین ایک سے زیادہ مرتبہ اظہار خیال کیا جاچکا ہے، اس لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہین، خیالات کی بے اعتدالی ان مضامین مین بھی نمایان ہے، تاہم اس مجموعے مین تنقیدی حیثیت سے بعض مفید اور قابل لحاظ باتین بھی ہین،

تعارفِ قرآنی، مرتبہ جناب ایم عبد الرحمن خان صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ ایم ثنا ء اللہ خان پبلشر اینڈ بک سیلر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور،

کلام مجید کی مختلف حیثیتون پر اردو مین کافی کتابین ہین لیکن ایسی عام فہم اور آسان کتابین کم ہین جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے، یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس مین مصنف نے کلام مجید کی ان تمام آیات کو جن مین قرآن پاک کے کسی وصف کسی خصوصیت کسی کمال یا اس کی کسی حیثیت کا تذکرہ ہے جس سے کلام مجید کے کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے، مختلف سرخیون کے تحت مین جمع کر دیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا ہے، موٹے موٹے آداب و نواہی کی بھی کچھ آیات لکھدی ہین، اور جابجا ضروری حواشی بھی دیدیے ہین، گو اس کتاب مین زیادہ تر قرآن مجید سے متعلق آیات جمع کی گئی ہین، لیکن ان مین اسکی بہت سی تعلیمات آگئی ہین، کتاب مفید اور عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

قصص النبیین از مولانا سید ابو الحسن علی استاذ ندوۃ العلماء تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ:۔ غالباً مصنف ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملے گی،

عربی ادب کی ابتدائی نصابی کتابین عموماً غیر مفید قصے کہانیون پر مشتمل ہین، جس سے زبان کی تعلیم کا مقصد تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن بچون کے معلومات مین کوئی مفید اضافہ نہین ہوتا، اور نہ کوئی اخلاقی سبق ہی حاصل ہوتا ہے، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء نے یہ کتاب لکھکر اس کمی کو پورا کیا ہے، اس مین کلام مجید سے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات کو قصے کے پیرایے مین اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بچے دلچسپی کے ساتھ پڑھین بھی، اور زبان کی تعلیم کے ساتھ وہ جلیل القدر پیغمبرون کے سبق آموز حالات بھی ان کے علم مین آجائین، یہ کتاب عربی کے ابتدائی درجون مین پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

تصحیح: ص ۱۰۰ سطر ۵ مین طاعت کے بعد لفظ ترک چھوٹ گیا ہے ناظرین تصحیح کرلین،

جلد ۵۶ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء عدد ۳

مضامین

شذرات

حضرۃ الاستاذ مد ظلہ نے جامعہ حسینیہ راندیرا ور مدرسہ اشرفیہ کی مجالس امتحان سالانہ مین شرکت کے لئے گذشتہ شعبان کو سورت اور بمبئی کا سفر کیا تھا، موصوف کا ارادہ تھا کہ اس مہینہ کے شذرات مین اس سفر کے حالات لکھین گے لیکن ۱۹ ار رمضان المبارک کو حوالی قلب مین ریاحی درد کا سخت دورہ پڑ گیا جس نے صاحب فراش کر دیا، گو بفضلہ اب مزاج رو باصلاح ہے لیکن ابھی کمزوری بہت ہے، اور کچھ دنون تک لکھنے پڑھنے کا کام انجام نہ دے سکین گے، اس لئے سفر کی روداد نہ لکھ سکے، جامعہ حسینیہ مین جو تقریر فرمائی تھی وہ اس پرچہ مین شائع ہو رہی ہے، مدرسہ اشرفیہ کے جلسہ مین خشیت الٰہی پر تقریر فرمائی تھی لیکن وہ قلمبند نہ ہو سکی۔

بمبئی مین یون تو عربی کے متعدد مدرسے ہین لیکن وہ سب سیٹھ صاحبان کی فیاضی اور ان کے نیک نیت بزرگون کے اوقاف کی آمدنی سے چل رہے ہین، مگر ان مدارس کی حیثیت ان کی ذاتی املاک کی ہے، اس کا سارا نظام انہی کی مرضی پر ہے، اور وہ اپنے مذاق اور رجحان کے مطابق جس طرح چاہتے ہین، ان کو چلاتے ہین اور ان کے منشا کے مطابق ان کا قالب بدلتا رہتا ہے، بمبئی جیسے شہر مین عام مسلمانون کا کوئی مدرسہ نہین ہے جو غریب مسلمانون کی مدد سے چلتا ہو، اور ان کی راے اور مشورہ کو اس مین دخل ہو، اس لئے حضرت الاستاذ نے جمعیۃ العلماء بمبئی کے اجلاس کے موقع پر جو گذشتہ صفر مین ہوا تھا، اپنے خطبۂ صدارت مین بمبئی کے مسلمانون کو ایک آزاد اور عام مسلمانون کے مدرسہ کے قیام کی جانب توجہ دلائی تھی، جس مین صحیح دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو، اور جس کے ذریعہ بمبئی مین رد بدعات و قیام سنت اور دوسرے مذہبی و اصلاحی کام انجام پا سکین۔

خوشی کا مقام ہے کہ اہل بمبئی نے اس تجویز کو گرمجوشی کے ساتھ قبول کیا، اور چند مہینون کے اندر ایک مدرسہ کے قیام کا انتظام ہو گیا، چنانچہ راندیر کے سفر کے موقع پر موصوف ہی کے ہاتھون سے اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، آپ نے افتتاحی تقریر مین طلبہ کی مذہبی تربیت و اخلاقی نگہداشت اور ان کو بمبئی جیسی تماشا گاہ کی دلچسپیون

سے الگ اور محفوظ رکھنے کی جانب خاص طور سے توجہ دلائی، اگر یہ مدرسہ صحیح اصولون پر چلایا گیا، تو امید ہے، کہ ہندوستان کے دوسرے بڑے مدارس کی طرح مرکزی حیثیت حاصل کرے گا، اور اس کے ذریعہ بمبئی کے مسلمانون مین صحیح دینی تعلیم کی اشاعت کے ساتھ دوسرے مفید دینی کام بھی انجام پاسکین گے جس کی وہان بڑی ضرورت ہر

غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ حیات شبلی کو ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی جانب سے انعام ملا تھا، مدیر نگار کے لئے یہ حادثہ ناقابل برداشت ثابت ہوا، وہ اس کو ضبط نہ کرسکے، اور حیات شبلی کی تنقیص پر اتر آئے، اور اکیڈمی پر یہ الزام قائم کرکے اس سے بازپرس کی ہے کہ اس نے ایک غیر مستحق کتاب کو انعامی مقابلہ کے شرائط کے خلاف کیون انعام دیا، اکیڈمی کے اعلان مین یہ شرط رکھی گئی تھی، کہ مقابلہ مین صرف وہ کتابین شریک کی جائین گی جو اکتوبر ۳۵ء اور مارچ ۳۶ء کے اندر شائع ہوئی ہون اور حیات شبلی اس کے بعد شائع ہوئی ہے، اس لئے وہ شرائط مقابلہ مین نہین آتی، مصنف چونکہ انعامی کمیٹی کے ممبر تھے، اس لئے انھون نے اپنے اثر سے انعام حاصل کرلیا، اس سلسلہ مین حیات شبلی کی تنقید مین ایک لغو سا مضمون بھی شائع کیا ہے، جس مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حیات شبلی مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل ایڈوکیٹ اعظم گڈھ کے ان مضامین سے ماخوذ ہے جو انھون نے سیرت شبلی پر رسالہ الاصلاح سرائے میر مین لکھے تھے اور اس کے ثبوت مین دونون کی چند مشترک عبارتین نقل کردی ہین،

ان خرافات کی جانب توجہ کی ضرورت نہ تھی، مدیر نگار نے ہندوستانی اکیڈمی پر جو الزام رکھا ہے اور انعامی کمیٹی کے ممبرون کی دیانت پر جو حملہ کیا ہے، اس کا جواب تو وہ خود دین گے، لیکن اس تحریر سے ناواقف اشخاص کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اس لئے واقعہ کی اصل صورت بیان کردینا مناسب معلوم ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ سارا بیان سراسر لغو ہے، حیات شبلی انعامی مقابلہ مین سرے سے بھیجی ہی نہین گئی تھی، مصنف اور تصنیف دونون کی حیثیت اس سے بلند ہے، کہ اس کو مقابلہ مین بھیجا جاتا، اور نہ اس قسم کے انعامون سے مصنف کے اعزاز مین کوئی اضافہ ہوسکتا ہے، خود ہندوستانی اکیڈمی نے اس کو خرید کر منگایا تھا، اتفاق سے اس زمانہ مین حضرۃ الاستاذ تشریف بھی نہین رکھتے تھے، ورنہ شاید وہ اس کو بھی گوارا نہ فرماتے، اکیڈمی نے ان کو انعامی کمیٹی کا ممبر ضرور بنایا تھا لیکن انھون نے صحت کی خرابی کی بنا پر اس کو قبول نہین کیا تھا، اور

انعامی کمیٹی کے کسی جلسہ مین شریک ہوئے، مدیر نگار نے اکیڈمی کے اعلان کی نقل مین بھی تحریف سے کام لیا ہے، اس اعلان کے آخر مین یہ نوٹ بھی تھا، کہ اکیڈمی موصولہ کتابون پر انعام دینے کے لئے مجبور نہین ہے، بلکہ اگر اس کی نگاہ مین کوئی دوسری کتاب انعام کی مستحق ہوگی، تو وہ اس کو خود منگا کر مقابلہ مین شریک کر سکتی ہے، مدیر نگار اس نوٹ کو اُڑا گئے،

حیات شبلی مین اقبال صاحب کے مضمون کے چند صفحے ضرور ہین لیکن یہ کوئی راز نہین تھا، جسے افشا کیا گیا ہو، مدیر نگار کو غالباً اس کا علم نہین ہے کہ اقبال صاحب سہیل مولینا شبلی رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہین، اور ہم وطن اور عزیز بھی، ان کو علامہ مرحوم کے خاندانی اور ابتدائی حالات سے زیادہ واقفیت ہے، اس لئے خود حضرۃ الاستاذ کی تحریک پر انھون نے یہ مضمون لکھا تھا جس کے چند صفحے انھون نے حیات شبلی مین نقل کر دیئے ہین، اور کتاب کے شروع مین اس کا اظہار بھی کر دیا ہے جس پر شاید مدیر نگار کی نظر نہین پڑی، البتہ اس کی تصریح نہین ہے کہ کہان سے کہان تک نقل ہے، اس نقل کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حیات شبلی کے تقریباً ایک ہزار صفحات مین کل ملا کر آٹھ دس صفحے اس مضمون سے لئے گئے ہین، جو زیادہ تر صاحب سوانح کے ابتدائی اور خاندانی حالات سے متعلق ہین، حضرت اقبال خود بھی اسکا جواب دین گے، جس سے اس کے فاضل مدیر کی ابتدائی عربی و فارسی اور آمدنامہ اور میزان الصرف جیسی کتابون سے ناواقفیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا،

مدیر نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان خفیف حرکتون سے ان کے علمی جرائم ہلکے نہین ہو سکتے اور اس سے سیر الصحابیات، شہاب کی سرگذشت، نگار کے تاریخ ہند نمبر وغیرہ کے سرقون کی پردہ پوشی نہین ہو سکتی، اگر حیات شبلی کے انعام پر ان کو ایسا ہی رشک حسد ہے تو ان کے لئے بھی اکیڈمی کا دروازہ کھلا ہوا ہے، آئندہ وہ بھی اپنی کوئی تصنیف پیش کر کے انعام حاصل کرنے کی کوشش کیون نہین کرتے، لیکن ان کو خوب معلوم ہے کہ اہل علم کی نگاہ مین ان کی تصانیف عالیہ کی کیا وقعت ہے، اس لئے وہ اس کی جرأت نہین کر سکتے

کل ہند مصنفین و صحافت نگارون کی انجمن (آل انڈیا پی، ای، ان ایسوسی ایشن بمبئی) کا سالانہ اجلاس ۲۰ / ۲۱ / ۲۲ اکتوبر کو جے پور مین منعقد ہوگا، ہندوستان کے بہت سے ممتاز مصنفین اور دوسرے اصحاب علم مقالات پڑھین گے، بیرون ہندوستان کے فضلاء کی شرکت کی بھی توقع ہے، جن بعض مقالہ نگارون کے نام آئے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس مذکور مین اچھا علمی اجتماع ہوگا، امید ہے کہ یہ اجتماع مختلف نسل و زبان رکھنے والی قومون کے درمیان اتحاد کا ذریعہ ثابت ہوگا،

مقالات

الجھد والجہاد لعلمی المعاش والمعاد

جامعہ حسینیہ راندیر کے جلسۂ امتحان میں تقریر

بتاریخ ۱۳؍ شعبان ۱۳۶۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، قال اللہ تعالیٰ وعلم آدم الاسماء کلھا وقال وعلم الانسان مالم یعلم

برادرانِ اسلام! آج مجھے بارہ تیرہ برس کے بعد اس کا موقع ملا ہے کہ ایک بار پھر آپ حضرات کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کروں، ہمارے ملک کا یہ خطہ جو گجرات کے نام سے مشہور ہے، اور خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ شہر سورت اور اس سے بالکل متصل تاپتی دریا کے کنارہ آپ کا یہ قصبہ راندیر بھی ایک زمانہ سے باب کعبہ کے نام سے مشہور ہے، بمبئی کے عروج سے پہلے یہی مقام زائرین کعبہ کی پہلی منزل تھی، نہ صرف ہندوستان بلکہ ترکستان و چین و افغانستان و روس کے اہل شوق اسی راستہ سے حجاز کی منزل طے کرتے تھے، آپ کا یہ دریائے تاپتی اور پھر آگے بڑھکر بھروچ کا دریا سے نربدا بحر عرب کی دو نالیاں ہیں، انہی نالوں یا نالیوں کے ذریعہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے زائر عرب کے ساحل کو روانہ ہوتے تھے، آپ کے قصبہ کی قدیم مسجد کا کتبہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۵۹۱ھ سے اس قصبہ میں اسلام کی حکومت قائم ہے، لیکن عرب کے جغرافیہ نویس پہلی ہی صدی سے اس ملک کے

ساحل پر اسلام کے قدم کا نشان پاتے ہیں، حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کے عہد میں تھانہ (متصل بمبئی) اور بھروچ میں اسلامی جہازوں کے بیڑے کی آمد کی خبر ملتی ہے، ۱۴۰ھ میں بھروچ کے قریب گندھار کے بندرگاہ میں سب سے پہلی مسجد بنی اور ۱۶۰ھ میں باربد میں جب کو کوئی بھاڑبھوت اور کوئی بربودھن کہتا ہے، وہاں کے اثر سے مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کی آباد کاری کا تذکرہ تاریخوں میں سنائی دیتا ہے ۶۹۷ھ میں سلطان علاء الدین خلجی اور ملک کافور کے حملوں سے صدیوں پہلے گجرات کے سواحل مسلمان تاجروں کے دم قدم سے آباد تھے، کہیں کہیں دس دس ہزار کی اون کی آبادی تھی، اون کے قاضی اون کے فیصلے کرتے تھے اور ہنرمند کہلاتے تھے، اون کی مسجدیں بڑی آباد اور ان کی خانقاہیں معمور تھیں، ابن بطوطہ نے جو محمد تغلق کے زمانہ میں تھا، اپنے سفرنامہ میں ان کا حال لکھا ہے، اور اس ہیچمداں نے اپنی کتاب عرب و ہند کے تعلقات میں اس کی کچھ تفصیل دی ہے،

جب سے سلاطین گجرات نے جو آل مظفر کہلاتے ہیں دلی کے مرکز سے الگ ہو کر اس ملک میں خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی، یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ اس سلطنت نے اپنے سو برس کے زمانہ میں علم و ہنر، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور تجارت میں وہ ترقی حاصل کی جو ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ کو نصیب نہیں ہوئی، ساری دنیا سے علماء و حکماء اور عجائب و غرائب اشیا یہیں سے ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو جاتے تھے اور جاتی تھیں، اور اسی طرح ہندوستان کے بڑے بڑے اہل ہنر اور اکابر اور عجیب و غریب مصنوعات اسی کے ساحلوں سے ہو کر ملکوں ملکوں سیر کرتے تھے، اور پھیلتی تھیں،

برکت و سعادت کی سب سے بڑی چیز یہ تھی کہ مصر و شام و حجاز سے جو فقیہ و محدث آتے تھے اون کے فضل و ہنر کی پہلی بساط یہیں بچھتی تھی، اور ان کے قال اللہ و قال الرسول کی مجلس پہلے یہیں جمتی تھی، عرب اور گجرات کے درمیان صرف پانی حائل تھا، اسلئے جو موج اوس ساحل سے اٹھتی تھی وہ اس ساحل سے آکر ٹکراتی تھی، اور جو طوفان اودھر سے اٹھتا وہ دم کے دم میں ادھر پہنچ جاتا، یہی سبب ہے کہ حجاز سے علم حدیث کا جو سرمایہ ہاتھ آیا وہ سب سے پہلے اسی سرزمین کے حصہ میں آیا، سب سے آخری زمانہ میں شیخ علی متقی، شیخ عبدالوہاب متقی، شیخ طاہر فتنی اور الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام کے مصنف قطب الدین نہروالی جو مکی مشہور ہیں، اور جو حجاز میں سلاطین گجرات کی طرف سے متولی اوقاف اور مہتمم مدرسہ تھے، اور ظفر الوالہ بمظفر والہ کے مصنف محمد بن عمر آصفی ایسے اکابر ہیں جن کو ایک ہی وقت میں گجراتی اور مکی دونوں کہہ سکتے ہیں، مسند الوقت آصف خان جو گجرات کی سلطنت کے آخری وزیر تھے، ان کا خزانہ حجاز ہی کو منتقل ہوا، اور اس مقدس ملک میں علم و ہنر کی پرورش کا سامان بنا، سلاطین گجرات کے زمانہ

ین اور اس کے بعد مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں بھی گجرات کی اکثر سیر حاصل زمینیں اسی وادی غیر ذی زرع کی سرسبزی وسیرابی کے لئے وقف تھیں، یہ داستان گو پرانی ہے مگر یہاں اس لئے دہرائی گئی کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہاے سینہ را گاہے گاہے بازخوان این قصۂ پارینہ را

گو اب گجرات کی وہ شان نہیں رہی، مگر شکر کا مقام ہے کہ اگلے کاروان کے نقش قدم اب بھی باقی ہیں

کاروان رفتہ و اندازہ جاہش پیداست

زان نشانہا کہ بہ ہر را ہگذار افتا داست

ایک طرف تجارت اور بیوپار کی رونق اور دوسری طرف دینداری اور دین پروری کے جذبات اب بھی نمایاں ہیں، مسجدیں پر رونق اور نمازیوں سے آباد، اور ہندوستان بھر کے مذہبی مدارس اُن کے توجہات کے ممنون ہیں، اس وقت بھی راندیر، ڈابھیل اور سملک کے ادارے اور مدرسے ہمارے فخر کے لئے کافی ہیں، ماشاء اللہ یہاں کے مسلمان تاجر اور کاروباری دین کا درد رکھتے ہیں، علماء کی قدر پہچانتے ہیں، اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں دیکر اس دنیا کے ساتھ اُس دنیا کی نیکیاں بھی خریدتے ہیں، اور ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ کے مظہر بنتے ہیں،

ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا ما اقبح الکفر والافلاس بالرجل

غرض معاش کے ساتھ معاد کی فکر سے بھی غافل نہیں رہتے، اور یہی وہ خصوصیت ہے جو اسلام کو دوسرے موجودہ مذاہب سے ممتاز کرتی ہے، اوس کی تعلیم یہ ہے کہ یہ دنیا اوس آیندہ دنیا کی خریداری کا بازار ہے، ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

جان کی قیمت دیار عشق میں ہو کوے دوست اس نوید جاں فزا سے سر و بال دوش ہے

رضاے الٰہی کے باغستاں کی جس کا دوسرا نام جنت ہے و رضوان من اللہ اکبر کی قیمت کتنی ارزاں اور سستی بتائی گئی ہے، جان و مال کی بازی!

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ دنیا اس لئے دی گئی کہ یہاں رہکر اُس دنیا کا سودا کیجئے، آپ جس طرح افریقہ اور برما میں رہکر راندیر کو آباد کرتے ہیں، اسی طرح اس دنیا میں سودا کر کے آخرت کی آبادی کی فکر میں رہیں، اس دنیا میں رہکر اور اس دنیا کے کاروبار کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انجام دے کر اور خواہشات دنیا سے بچ کر اطاعت الٰہی کی تعمیل کر کے معرفت الٰہی

اور رضاے الہی کی جو سرفرازی پائین، تو یہ وہی مجاہدہ ہے جو آدم اور بنی آدم کے لئے مخصوص ہوا ہے، اور جو فرشتون کے حدود سے خارج ہے،

خاکسار نے ابھی تقریر کے شروع مین دو آیتین پڑھی تھین جن کو پھر دہرائے دیتا ہون،

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسْمَاءَ کُلَّھَا وَقَال تعالیٰ وَعَلَّمَ الاِنسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ،

پہلی آیت سورہ بقرہ کی ہے جس مین حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے، اور دوسری آیت سورۂ علق کی ہے، جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی وحی کا ٹکڑا ہے، یا یون کہئے کہ پہلی آیت آفرینش عالم کی درسگاہ کا، اور دوسری آیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز درس کا پہلا سبق ہے، اس نکتہ سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، کہ دینِ اسلام کے عقیدہ اور تعلیم مین علم کی کتنی اہمیت ہے، کہ اسی نقطۂ علم سے کائنات کے دائرہ کا آغاز ہوتا ہے اور اسی نقطہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خط مستقیم شروع ہوتا ہے، وہ تعلیم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ساری دنیا کو محیط ہے،

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسمار کی تعلیم فرمائی، ہمارے مفسرین اور علمار نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسمار کی تفسیر مین بہت سے اقوال بیان کئے ہین، کسی نے اس کو ذاتِ وصفاتِ الہی تک محدود کر دیا ہے، اور کسی نے صرف چیزون کے نام جیسے درخت، جانور، کتے، بلے کے نامون تک پھیلا دیا ہے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو چیزون کے نام بتادیئے، سو یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی تعیین اشارۂ نص کے خلاف ہے کیونکہ فرشتون سے سوال مین استفسار ہوتا ہے اَنْبِئُونِی بِاَسْمَاءِ ھٰؤُلَاءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ، ھٰؤُلَاء کا اشارہ تو مسمیات کی طرف ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات مسمیات کی شکل مین متشکل نہین ہو سکتین، اور دوسرے قول مین آدم کی یہ تعلیم لفظون سے آگے نہ تھی، حالانکہ یہ لفظی تعلیم کوئی بڑے شرف کی چیز نہیں، حدیث شفاعت سے بھی، جو صحیح بخاری کی کتاب التوحید والرد علی الجہمیہ مین ہے، اس کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ اس مین اسمار کی تصریح آئی ہے، وَعَلَّمَکَ اَسْمَاءَ کُلِّ شَیْءٍ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمار نہین، بلکہ اشیا کے اسمار تھے،

عربی مین اسمار کے معنی بے شبہہ نام کے ہین، جیسے اِنْ ھِیَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا (یہ صرف نام ہین، جن کو تم نے نام رکھ چھوڑا ہے) لیکن چیزون کے اکثر نام اوصافی ہوتے ہین، اس لئے اسمار کے دوسرے معنی صفات اور اوصاف کے ہین، جیسے وَلِلّٰہِ الاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (سب سے اچھے نام یا اوصاف اللہ ہی کے ہیں) ظاہر ہے

کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو صرف اللہ یا بقول بعض دوسرا نام رحمان بھی علَم ہے، ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور سب نام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدم علیہ السلام کو اشیاء کے تمام اوصاف وصفات وخواص وآثار بتائے گئے، اور یا وہ الفاظ جو ان اوصاف وآثار پر دلالت کریں، خوب غور کیجئے کہ آغاز عالم سے لے کر اس وقت تک بنی آدم نے جو کچھ جانا، اور معلوم کیا ہے، وہ اس حد سے جس کا دائرہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں کھینچ دیا تھا، ایک ذرہ زیادہ نہیں جانا اور نہ جان سکتا ہے، اوس نے جو کچھ جانا اور معلوم کیا ہے، جس کا نام اوس نے علم اور تحقیق رکھا ہے، وہ اشیاء کے ظاہری اوصاف وخواص وآثار سے ایک حرف زیادہ نہیں ہے، اشیاء کے حقائق کا نہ اس کو علم بخشا گیا، اور نہ وہ جان سکتا ہے، اس کو معلوم ہوا کہ آگ کی صفت جلانا ہے، مگر یہ کہ آگ کی حقیقت کیا ہے اور اس کی صفت جلانا کیوں ہے، نہ اس نے جانا ہے اور نہ وہ جان سکتا ہے، یہی حال ساری اشیاء کا ہے، کہ ان کے خواص وآثار کے علم کا دروازہ تو اس کے لئے کھول دیا گیا ہے، مگر ان کے حقائق کا باب اس پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے، اور پھر جو کچھ اس نے جانا بھی ہے اس کے مقابلہ میں جو اس نے نہیں جانا ہے، بہت ہی کم ہے، اور اس کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دی، ارشاد ہوا، وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (اے انسانو تم کو علم کا بہت ہی تھوڑا حصہ ملا ہے) صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم حقیقی کے مقابلہ میں انسان کے علم کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے سمندر میں سے کوئی چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے لے، اس سے اندازہ ہوگا، کہ انسان کے دعوائے علم کی بساط کیا ہے، اور یہ وہ حقیقت ہے، جس کو نہ صرف اہل نقل مانتے ہیں، بلکہ اہل عقل بھی اس سے زیادہ کے مدعی نہیں، پرانے فلسفیوں کا قول ہے جس کو ایک شاعر نے ایک مصرع میں ادا کر دیا ہے، ع

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

اہل معرفت کہتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا، کہ اس کو کچھ معلوم نہیں، تو اس نے بڑا علم پایا، اور یہ حقیقت ہے کہ جاہل تو جاہل عالم بھی اگر اس حقیقت کو سمجھ لے، تو وہ عقل وشیطان کے بڑے کید سے نجات پا جائے، اور پھر اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کا شیطانی نقرہ اس کی زبان سے نہ نکلے،

عام اہل عقل کو جس چیز کے جاننے کا دعویٰ بھی ہے، اس کے متعلق ابھی کہہ چکا کہ وہ علم بھی اشیاء کے اسماء، اور آثار وصفات کے دائرہ سے باہر نہیں، اور ان کی حقیقت بھی ہنوز راز ہے، اور راز رہے گی، عارف

شیراز فرماتے ہین :- ع

این ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

یعنی انسان جس کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اوس کو بھی وہ نہین جانتا ہے، اور جس کا سمجھنا وہ ظاہر کرتا ہے اس کو بھی وہ نہین سمجھتا، استاذ مرحوم کا شعر ہے،

فلسفی سرِّ حقیقت نتوانست کشود　　　گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

قدیم فلسفہ کہتا ہے کہ جسم ہے، جسم کیا ہے ہیولیٰ اور صورت سے مرکب، ہیولیٰ کیا ہے اور صورت کیا ہے، ایک حامل دوسرا محمول، ایک قابل دوسرا مقبول، ایک امتداد مطلق اور دوسرا اس امتداد مطلق کا محل، یہ سارے لفظون کے گورکھ دھندے ہین، آج کل کا سائنس دان کہتا ہے، کہ جسم کیا ہے، چھوٹے چھوٹے ذرّون سے مرکب (ایٹمز) یہ ذرے کیا ہین، برقپارے (الکٹرون) ہین، یہ برقپارے کیا ہین قوت ہیں، قوت کیا ایتھر، ایتھر کیا ہے، نا معلوم حقیقت، غرض دعوائے علم کا ہر قدم جہالت پر ختم ہوتا ہے، یہ ہے انسان کا علم، یورپ کا وہ سائنٹسٹ جس نے مسئلہ کشش اجسام کو ثابت کیا نیوٹن ہے، جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ موجودہ سائنس کا بانیٔ اوّل ہے، اوس نے مرتے وقت یہ اقرار کیا، کہ اس کے علم کی حیثیت وہی ہے جو اس بچہ کی جو سمندر کے ساحل پر بیٹھا ہوا ...... ریت پر سنگریزون اور کنکریون سے کھیل رہا ہو، یہ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کی الٰہی حقیقت کا انسانی اعتراف ہے،

آج کل کائنات کی وسعت اتنی مانی جاتی ہے، جو پہلے کبھی نہین مانی جاتی تھی، پہلے فلسفی کائنات کو آسمانون کے اندر بند مانتے تھے، اور کہتے تھے، کہ آسمان کے نیچے آگ کا کُرہ ہے، پھر ہوا کا، پھر پانی اور مٹی کے کُرے، اور ان سارے کرون کو اور آفتاب اور ماہتاب اور ستارون کو محیط فلک نہم ہے، لیکن اس زمانہ مین یہ کہا جاتا ہی کہ وسعتِ عالم کا اندازہ ہی نہین لگایا جا سکتا، جو کچھ ہمارے سامنے ہے، وہ صرف ہمارے اس ایک آفتاب کا نظامِ کائنات ہے، اور یہ دور سے جو چھوٹے چھوٹے ثوابت ستارے معلوم ہوتے ہین، ان مین سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک آفتاب ہے، اور ہر ایک آفتاب کے گرد اسی طرح چاند ستارے اور دوسرے مستقل کُرے، اور نظامِ کائنات ہین، اس سے قیاس ہوگا کہ کائناتِ علم کی وسعت کا کیا عالم ہے، اب انسان کے علم پر غور کیجئے، کہ ان لاکھون کرون مین سے انسان کا علم صرف ایک نظامِ شمسی تک محدود ہے، جس مین وہ آباد ہے، اب دیکھیے کہ نظامِ شمسی مین سے بھی اس کا علم آفتاب و ماہتاب اور بعض

ستارون کی روشنی اور حرکت تک محدود ہے، یہ کس سے بنتے ہین، ان کے اندر کیا ہے، ان کے اوپر کیا عجائبات ہین، ان سے قطعاً ہم واقف نہین، اب آسمان سے زمین پر آیئے، زمین کی ظاہری سطح کو تو نے ناپ ڈالا ہے، اس کے کچھ طبقون کو کھود ڈالا ہے، پانی کی تہ کی سیر کی ہے، اس کے اندر کچھ اترے ہین، پہاڑون کو کھودا ہے، ان کی چوٹیون کو ناپا ہے، گھنے جنگلون مین گھسے ہین، ریگستانون کو عبور کیا ہے تاہم یہ دعوی نہین کیا جا سکتا، کہ ہم کو ساری مخلوقاتِ ارضی و بحری و ہوائی کا علم ہو گیا ہے ہر جڑی بوٹی کا خاصہ ہم نے جان لیا ہے، اور ہر موجود کی تحقیق کر لی ہے، اب انسان کے علم کی وسعت کتنی ہی ہو گئی ہو، تاہم اس کے معلوم سے اوس کے مجہول کا پایہ بڑھا ہی ہوا ہے، گویا سارے نظاماتِ عالم مین سے جن کی تعداد لاکھون تک ہو گی، ہم کو صرف ایک نظامِ شمسی کے صرف ایک گوشہ کا کچا پکا علم حاصل ہوا ہے، اور اس پر انسان کو علم کا غرور اور واقفیت کا ناز ہے، استغفر اللہ،

اب ہم یہ فرض کرتے ہین کہ اس زمین کے اوپر کی چیزون کا سارا حال ہم کو معلوم ہو گیا ہے، اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ ہم کو کیا معلوم ہوا ہے، ہم کو آگ، پانی ہوا، اور مٹی کا علم ہوا، ہم کو بجلی معلوم ہوئی، ہم کو آفتاب کی روشنی اور گرمی دریافت ہوئی، ہم پر ان کی قوتون کا راز ظاہر ہوا ہم کو جڑی بوٹیون کے خواص معلوم ہوے، ہم نے ان اشیار کو کبھی جوڑ کر اور کبھی توڑ کر بہت سی چیزین بنائین، آلات ایجاد کئے، مشینین چلائین، بھاپ اڑائی، بجلی دوڑائی، پانی مین جہاز چلائے، ہوا مین ہوائی جہاز اڑائے، بڑی بڑی توپین بنائین زہریلی گیسین پھینکین اور وہ سب کچھ کیا، جو اس بڑی لڑائی مین ہم نے دنیا کو دکھایا، لیکن غور کیجئے اس علم کی وسعت مین نام اور اشیار کے خواص و آثار و صفات کے حدود سے ہمارا ایک قدم بھی باہر نکلا، کیا آگ، پانی، ہوا اور مٹی، بجلی اور بھاپ اور دیگر عناصر اور موجودات مین سے کسی کی حقیقت تک ہماری رسائی ہوئی ہم کو صرف یہ معلوم ہوا کہ ہم اللہ تعالی کی ان بنائی ہوئی چیزون سے کیسے فائدے اٹھا سکتے ہین، لیکن ان چیزون کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے، اس پر وہ پردہ پڑا ہوا ہے جو نہ کبھی اٹھا ہے، اور نہ کبھی اٹھ سکتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

وَخَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ) اور نیز سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ،

کہ ہم نے ان سب چیزون کو انسانون کے کام مین لگا دیا ہے، اب ہم کو جو کچھ علم اللہ تعالی نے بخشا ہے، وہ صرف یہی علم ہے کہ ہم ان چیزون سے کیونکر فائدے اٹھا سکتے ہین، اور کیونکر ان سے نفع حاصل کر سکتے ہین، لیکن یہ علم کہ

ان چیزون کی حقیقت کیا ہے، ان کو ہمارے علم کے حدود سے باہر رکھا گیا ہے یعنی اس حریم راز مین قدم دھرنے کی اجازت نہین دی گئی ہے، ہماری مثال ایسی ہے، جیسے کوئی دہقان کسی بادشاہ کا مہمان ہو، بادشاہ نے اس کے لئے محل خاص مین اسکے آرام و آسایش کے تمام سامان مہیا کر دیئے، پانی کے فوارے، بجلی کے قمقمے، فرش فروش اور ظروف و آلات قرینے سے لگا دیئے، عجیب و غریب سامانون سے سارے محل کو معمور کر دیا، اب یہ سارے سامان تو مہمان کے لئے ضرور ہین، اور ان سامانون سے فائدہ اٹھانے کی ترکیب اور تدبیر تو مہمان ضرور جان سکتا ہے لیکن ان اشیاء کے حقائق و معارف اور مصنوعات کی صنعت کاری کی تحقیق کی نہ اس کو اجازت ہے اور نہ اس دہقان کے پیمانۂ علم مین اس کے سمانے کی گنجایش ہے،

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

یہ سارا عالم آفتاب سے لیکر زمین تک قلیون کی طرح کام مین لگا ہوا ہے تاکہ آدم کے بچون کو جو اس فیض عام کے دسترخوان پر مہمان ہین، کھانے کو روٹی، پینے کو پانی، اور پہننے کو کپڑے اور سایہ کرنے کو گھر ملین، یہی چارون چیزین انسان کی اصلی ضرورتین ہین، حضرت آدمؑ کی جنت کی تعریف یہ فرمائی گئی تھی، اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوعَ فِیھَا وَلَا تَعرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظمَؤُا فِیھَا وَلَا تَضحٰی ہماری دنیاوی جنت یہی ہے، جہان بھوک پیاس، اور دھوپ اور برہنگی سے بچاؤ ہو، انہی چیزون کے مہیا کرنے کے لئے سارا عالم چکر کاٹ رہا، اور گردش کر رہا ہے، اور اس سامان کے ہاتھ آنے کی غرض یہ تھی کہ انسان اپنی بقا کو مدت معینہ تک محفوظ رکھے اور اس مین اپنے میزبان خلاق عالم کے شکر و طاعت کا فرض بجالائے، وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ، ہم نے جن و انس کو اپنی طاعت و معرفت کے لئے پیدا کیا، غرض سارا سامان انسان کی محدود بقا کے لئے ہے، اور انسان خود اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لئے بنا ہے، یہی مفہوم خطبون مین ہم کو ان الفاظ مین سنایا جاتا ہے، اِنَّ الدُّنیا خُلِقَت لَکُم وَ اَنتُم خُلِقتُم لِلآخِرَۃِ دنیا تمھارے لئے اور تم آخرت کے لئے بنے ہو، جدید تعلیم کے ایک پروردہ آئی سی ایس دوست نے مجھ سے نظام عالم کی وسعت کا تذکرہ کرکے کہا اس وسیع دنیا مین انسان کی حیثیت ایک ذرہ سے زیادہ نہین، پھر کیا یہ ساری کائنات اسی ذرہ کے لئے بنی ہے، ان کا تعجب ایسا تھا کہ جی مین آیا کہ پوچھون کہ اگر اشیاء کی قیمت کا پیمانہ ناپ ہے، تو آپ جیسے چار پانچ فیٹ کے آدمی کے لئے یہ سیکڑون گز کی لمبی چوڑی عمارت اور ایک دو فرلانگ کی کوٹھی سرکار نے کیون بنا رکھی ہے، اور یہ سوال بھی کیا جا سکتا تھا، کہ اس اصول کے مطابق آدمی ہاتھی کے لئے بنا ہے، ہاتھی آدمی کے لئے نہین، غالبؔ عوام نے ایسے ہی

عقل والے آدمیون کے لئے یہ امتحانی سوال مقرر کیا ہے، کہ عقل بڑی کہ بھینس ؟ دنیا کی اس وسعت و عظمت مین کوئی شبہ نہین، لیکن اس سارے نظام عالم مین عقل و معرفت، ہوش ورائے، علم واحساس اور قصد وارادہ کی سب سے بڑی نعمت سے سب محروم ہین، اور صرف یہی ۶ فیٹ والا ایک انسان اوس سے سرفراز کیا گیا ہے، اس لئے تکلیف وشریعت اور بالارادہ طاعت کی امانت کا وہی ذمہ دار بنا یا گیا ہے،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ	ہم نے اپنی امانت آسمانون پر، زمین پر، اور
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا	پہاڑون پر پیش کی، تو سب نے اس کے اٹھانے
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ	سے انکار کیا، اور ڈر گئے، اور انسان نے
اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا، (احزاب - ۹)	اٹھا لیا، وہ ظالم و جاہل تھا،

اب یہین سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ انسانون کو بارگاہ الٰہی سے جو کچھ خاص چیزین ملی ہین، وہ اس کی اپنی نہین، بلکہ بطور امانت اوس کو بضرورت اور مصلحۃً سپرد ہوئی ہین، اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرکے اور اسماء و صفات وخواص کا علم عطا فرما کر اس کو اپنی بقا کی ضرورتون کی بہم رسانی کا سامان بخشا، لیکن خود اس کی حیثیت ملائکۂ عالم کو یہ بتائی گئی، اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً "مین زمین مین ایک اپنا نائب اور نمایندہ بنارہا ہون، نائب اور نمایندہ وہی ہوتا ہے، جو اصل کی طرف سے اصل کے دئیے ہوئے احکام کو جاری کرتا، اور اس کے بخشے ہوئے اختیار کو کام مین لاتا ہے، اور ان احکام کے اجراء اور اختیار کے کام مین لانے کے لئے جو سازوسامان ضروری ہے، وہ اسی اصل سے عاریۃً اوس کو ملتا ہے، اور امانۃً اس کے پاس رہتا ہے، پس انسان کو عقل و قدرت، ہوش وخرد اور علم و معرفت کا جو سامان ملا ہے، وہ اصل کی نقل اور مالک سے مستعار ہے، اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ اسی مبدأ کی خبر ہے، اور صوفیہ کے اس قول کی شرح ہے، کہ عالم مین جو کچھ ہے وہ سب اسمائے الٰہی کے مظاہر ہین اور ان مین سے انسان اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کا سب سے بڑا مظہر ہے، اور اس طرح تخلقوا باخلاق اللّٰه کا منشا اوس سے پورا کرانا ہے،

یہ سب کچھ کیون ہوا، تاکہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرے اور طاعت بجالائے، لیکن غافل انسان کیا کرتا رہا، اس عظیم الشان فرض سے جو اوس پر عائد ہے، غفلت برتتا رہا، اور برت رہا ہے، اس کو اس زمین مین متعینہ مدت کی بقا، کیلئے کھانے پینے رہنے اور پہننے کی چار چیزون کی پیدائش اور سامان کے لئے جو محدود علم اور قوت ملی تھی، اس کو اس نے ان چارون چیزون کے حصول کی غیر محدود بھوک اور پیاس پیدا کرکے

صرف ان کے حصول میں صرف کرنے لگا اور کر رہا ہے، اس کا سارا وقت اور اس کی ساری جسمانی و دماغی قوت صرف اس میں خرچ ہو رہی ہے، کہ کس طرح ساری دنیا کا کھانا اور پانی اسی کو مل جائے، ساری زمین اس کے قبضہ میں آجائے، اور سارا سامان صرف اسی کے تصرف میں رہے، غرض اسی سامان کے غیر ضروری ہمہ گیر حصول وحفاظت اور پیداوار اور بہتات اور سب کو صرف اپنی ملکیت بنانے میں وہ اپنی قوت اور طاقت کا ہر ذرہ فنا کر رہا ہے، اور اس کھانے پینے اوڑھنے اور رہنے کے سارے ذخیرہ پر بلاشرکت غیرے زیادہ سے زیادہ تصرف کے پیچھے وہ دیوانہ ہو رہا ہے، اور اس مشغولیت اور انہماک میں اس کو اس دنیا کے چھوڑنے اور دوسری دنیا میں جانے، اور اس کے لئے اپنے اوپر عائد کردہ فرائض کی بجا آوری میں خالق کی معرفت اور اس کے احکام کی تعمیل کو بالکل بھلا بیٹھا ہے، بادشاہ سے لے کر مزدور تک سب اسی میں مبتلا ہیں، اس کا سارا زور وظلم، جبر و قہر، چوری اور سینہ زوری، غصب، سرقہ، ڈاکہ، قتل کی وارداتیں اور زنا اور بدکاری، طمع، حرص، عدم قناعت ساری برائیاں اسی سے پیدا ہوئی ہیں، حدیث میں ہے لا یملأ بطن آدم الا التراب آدم کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی بھرے گی، پھر فرمایا اگر آدم کے پاس ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی کا جویا رہتا ہے"، شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ کسی نے سلطان محمود کو خواب میں دیکھا، کہ اس کی آنکھیں کھلی ہیں، ایک صاحبِ معرفت نے اس کی تعبیر دی "چشمش نگرانست کہ ملکش با دیگرانست"،

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ ہم چنان در بند اقلیمے دگر

بادشاہ کو اگر ساتوں اقلیموں کی سلطنت بھی مل جائے، تو وہ اس پر بھی ایک دوسری اقلیم کی فکر میں رہے گا، یہ حقیقت آج بھی عیاں ہے، بادشاہ بادشاہ سے، قوم قوم سے، اور ملک ملک سے صرف اس لئے لڑنے میں مصروف ہے، کہ اس کو وہ بھی چاہئے، جو دوسرے کے قبضہ میں ہے، اسی سے انسانوں میں بیقراری، قوموں میں تباہ کاری، ملکوں میں پریشان روزگاری اور بادشاہتوں میں ستمگاری کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے، اب چاہے کوئی کتنی ہی لیگ آف نیشنس اور سان فرانسسکو کی مجلسیں بنائے دنیا میں امن اور اطمینان اور قوموں میں سکون اور ملکوں میں تسکین پیدا نہیں ہو سکتی، اس کا علاج صرف ایک ہی ہے، سیاسی واجتماعی قناعت، اور آتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ اور اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا پر عمل، جو جس کا ہے وہ اس کو دو، ورنہ کوئی قوم سب کچھ پا کر بھی تسلی نہیں پا سکتی، اسی طرح کوئی انسان سب کا سب کھا جائے تب بھی اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا، کیونکہ وہ اسی کھانے اور پینے کو زندگی کا اصل مقصد

سمجھتا ہے، اور ظاہری زندگی کی اسی چہل پہل اور رونق کو اصلی زندگی جانتا ہے لیکن ہم غور کرین اور سوچین کہ یہ صفت اصل مین کفر کی ہے، ایک مومن اور کافر کا فرق یہی ہے، کہ مومن بقدر ضرورت کفاف پر بسر کرکے مالک کے حکم کے مطابق دوسری زندگی کے لئے اس پہلی زندگی کے عائد کردہ فرائض کو بجالاتا ہے، اور اس دنیا کی ضروریات مین ضرورت کی حد تک جو بقا کے لئے ضروری ہے، مصروف ہوتا ہے، اور باقی وقت کو اصل کام مین لگاتا ہے لیکن وہ لوگ جو دوسری دنیا کے قائل نہین، اپنے اعمال کی جوابدہی، اور اپنے کامون کے مواخذہ سے بے خبر ہین، دیکھ لیجئے کہ ان کا سارا انہماک خواہ نوکری، زراعت، تجارت، سلطنت کسی کام مین ہو محض خورد ونوش کی ہبتات، اور مسکن وملبس کی رونق اور افراط کے لئے ہے، اور اس کے لئے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ہوسکے تو غیرون کا حصہ بھی چھین کر، جھٹک کر، چوری کرکے، غصب کرکے، ڈاکہ مار کے، فریب دیکے، دھوکا دیکے، قتل کرکے حاصل کرے، اور اسی خوشی مین مگن رہے، کہ سب کچھ ہمارے پاس ہے، اور قیامت تک کے لئے ہمارے پاس سامان ہے، حالانکہ خود زیست جس کے لئے یہ قیامت کا سامان ہے، چند روز سے زیادہ کی نہین کیا ان سے زیادہ کوئی احمق ہوسکتا ہے، کیا جانورون کی زندگی یہی نہین ہے، انہی کی شان مین اللہ تعالیٰ کا بار بار ارشاد ہے،

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (فرقان ۴)	کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کافرون مین سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہین، یہ نہین ہین مگر جانورون کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ

سورۂ محمدؐ مین ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد ۲)	اور جو کفر میں مبتلا ہین، وہ اسی طرح دنیا کے فائدے اٹھاتے، اور پیٹ بھرتے ہین، جیسے جانوران کا ٹھکانا

ایک اور آیت ہے :-

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ، (حجر-۱)	ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ کھاتے اور دنیا سے تمتع اٹھاتے ہین، اور دنیا کی آرزو ان کو غفلت مین ڈالے رہے،

دوسری آیت مین ہے :-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَ	ان کافرون کے دل ہین جن سے سمجھ
لَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ	کا کام نہین لیتے، اور آنکھین ہین جن سے
لَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا	نہین دیکھتے، اور کان ہین جن سے نہین
اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ	سنتے، یہ جانورون کے مثل ہین، بلکہ
(اعراف - ۲۲)	ان سے بھی زیادہ گمراہ،

ان کی آنکھین ہین مگر دیکھتے نہین، کان ہین مگر سنتے نہین، جو عضو جس کام کے لئے بنا ہے جب اوس سے اس کا کام نہ لیا جائے، تو وہ بیکار ہے، گویا اوس کا وجود ہی نہین، ان آیتون مین ان کفار کو جانورون سے بھی زیادہ گمراہ اور جاہل بتایا گیا ہے، اس لئے کہ بہرحال ہر جانور طوعاً وکرہاً زبردستی یا اپنے جی سے اس کام کو بجالا رہا ہے جس کے لئے وہ دنیا مین لایا گیا ہے، مگر جو اپنی خلقت اور دنیا مین اپنی آمد کی غرض کو بھولے ہین، وہ تو ان سے بھی بڑھکر بے عقل اور احمق اور گمراہ ہین،

آج کل مسائل اعتقادی مین جس اعتقاد سے سب سے زیادہ غفلت برتی جارہی ہے، وہ یوم الدین اور روز قیامت کا مسئلہ ہے، قیامت سے قیامت کی غفلت ہے، کافر تو کافر مسلمان تک اگر اس غفلت سے نہین تو تغافل ضرور برتتے ہین یعنی ایماناً تو بہرحال اس کا عقیدہ ظاہر کرتے ہین لیکن عملاً اس عقیدہ پر یقین ہونے کی صورت مین انکے طرز عمل میں جو تبدیلی ہونی چاہئے، وہ نہین ہے، اس لئے بطور نظریہ کے تو وہ مانتے ہین لیکن زندگی کے کاروبار اور اعمال مین اس ایمان سے اگر وہ کامل ہوتا جس نتیجہ کی امید تھی وہ پوری نہین ہو رہی ہے اور سمجھتے ہین،

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

حالانکہ یہ آرام ویسے ہی ہے، جیسے جانورون کو مزبلہ مین، اور کیڑون کو نجاستون اور گندگیون مین ملتا ہے،

ہم ایسے رہے یا ان کہ ویسے رہے — وہان دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

خدا فرماتا ہے :-

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (عنکبوت - ۷) اور آخرت ہی کی زندگی ہے،

آج کل اسی دنیاوی زندگی کے عیش و نشاط کی بہتات اور افراط کا نام ترقی رکھا گیا ہے جس کی ہر طرف پکار ہے، دولت پرست اور سرمایہ پسند قومون کی تقلید مین ترقی کی تعبیر بڑی بڑی ملازمتون، بڑی بڑی تنخواہون اور حکومت کی نگاہ مین اعزاز و اکرام اور جاہ و منصب کی طلب اور حصول سے کی جاتی ہے، حالانکہ یہ دولت اور جاہ و منصب ایسا ہی ہے جیسے شاہی غلامون کی کمر اور گلے مین طلائی اور نقرئی پٹے اور کمر بند پڑے ہوئے ہون، یا قفس کی سنہری تیلیون کے اندر خوش نوا پرندون کو بند کر دیا جائے،

آج کل اس راہ مین دو قسم کی گمراہیان یکجا ہین، ایک طرف سرمایہ دار قومین ہین جنھون نے سونے چاندی کی اینٹون کے بت تراشے ہین، وہ دنیا کے سارے سرسبز علاقون پر اس لئے حکومت کرنا چاہتی ہین کہ ساری دنیا کی دولت کو اپنے خزانون مین جمع کر لین، دوسری طرف اب سوشلزم کا زور ہے، جو حقیقت مین سرمایہ داری کی پہلی غلطی کا رد عمل ہے، پہلا گروہ اگر صرف تاجرون، زمین کے مالکون، بنک کے حصہ دارون اور دولت کے ٹھیکہ دارون کے خزانون کے بھرنے مین مصروف ہے، اور اس کو عام انسانون سے بحث نہین تو دوسری طرف یہ دوسرا گروہ عام انسانون کے پیٹ کے بھرنے کے لئے کوشان ہے، اور اس حد تک تو بات صحیح بھی ہے لیکن اس کی افراط یہ ہے کہ اوس نے انسان کو صرف پیٹ سمجھا ہے، اور اس پیٹ کے مسئلہ کو دنیا کا اصلی مسئلہ بنا رکھا ہے، اور اس کو اس قدر اہمیت اور وسعت دی ہے، کہ ساری دنیا ایک پیٹ مین سما گئی ہے، مذہب، اخلاق، تمدن، تاریخ سے لے کر کاروباری زندگی کی صلح و جنگ کے ہر ایک حادثہ کی تشریح اسی پیٹ سے کی جاتی ہے، ہم کو پیٹ کی اہمیت سے انکار نہین، حدیث میں جس طرح شر فتنۃ الغنیٰ سے پناہ مانگنے کی دعا کی تعلیم ہے، اسی طرح شر فتنۃ الفقر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے، اس لئے اسلام مین دولت کے طغیان اور مفلسی کی ذلت دونون سے بچنے کی تعلیم یکسان ہے جس طرح طغیان دولت کا نتیجہ استکبار اور تمرد یعنی فرعونیت و نمرودیت اور شدادیت ہو کر کفر کا موجب ہوتا ہو تو دوسری طرف ذلت اور مسکنت غضب الٰہی کا مظہر ہو ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ قرآن پاک مین ہو کاد الفقران یکون کفرا روایتون مین وارد ہو لیکن ضرورت افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی ہے، موجودہ انجیل مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک فقرہ منسوب ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ "انسان صرف روٹی سے نہین جیتا" سو یہ بات ٹھیک ہے، انسان کے جسم مین پیٹ ہے جس کی مشکل کے حل کرنے کا نام علم معاشی ہے لیکن اس کے سینہ مین دل بھی ہے، اور قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ ... یہ جنت موعود اس کے لئے ہے، جو باطل

حفیظ ج مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ	(یعنی) جو حق کو چھوڑ کر حق کو قبول کرتا ہو اور حقوق و آداب کی
وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ اُدْخُلُوْهَا	نگرانی کرتا ہو، جو اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور لایا ہو دل
بِسَلٰمٍ، (ق-۳)	جس میں رجوع ہو، ان سے قیامت میں کہا جائیگا کہ

ایک دوسری آیت میں یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ وارد ہے یعنی وہ قلب جو ہر باطل اور کجی سے سلامت رہا، حدیث شریف میں وارد ہے :-

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا	ہاں انسان کے بدن میں گوشت کا ایک
صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ	لوتھڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہوگا تو سارا
فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ	بدن ٹھیک ہوگا، اور جب وہ بگڑنے لگا تو
الْقَلْبُ.	سارا بدن بگڑ جائے گا، ہاں وہ دل ہی،

اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ کا کام اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے قلب کو حیاتِ مادی اور بقا حاصل ہو، جب تک کے لئے اس دنیا میں اس کی بقا مقدر ہے، اور قلب کا کام یہ ہے کہ سارے نظام جسم کو صالح بنائے رکھے اور فساد سے بچائے، اس لئے ہمارے لئے جس طرح پیٹ کے سامان کی ضرورت ہے، قلب کے سامان کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے، دونوں سے ایک سے بھی تغافل نہیں برتا جا سکتا، اگر پیٹ سے غفلت برتئے، اور صرف قلب کے کام میں لگ رہئے تو عجب نہیں کہ بقول عارفِ شیراز جب پچھلی پہر رات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اور آپ تہجد کی نماز کو بھوکے پیاسے کھڑے ہوں، تو کان میں یہ آواز آئے،

ع چہ خورد بامداد فرزندم

اگر پیٹ پورا بھرا ہو، اور قلب کی اصلاح کی طرف توجہ نہ ہو تو قرآن پاک کے بموجب بطرت معیشتها یعنی دنیا میں ناز و غرور کی شان پیدا ہو کر خود حق تعالیٰ سے بغاوت اور طغیان پیدا ہو جائے، فَاَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بستی تباہ ہوتی ہے، تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ اوس بستی کے دولتمند اور اصحابِ نعمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر ڈالتا ہے اس لئے بڑی ضرورت ہے، کہ پیٹ کی طرح قلب کی بھی فکر کی جائے، پیٹ کی فکر رکھنے والے علم کا نام ہم نے پہلے علم معاش بتایا ہے، اور قلب کی فکر رکھنے والے علم کو علم **معاد** کہتے ہیں، اور حقیقۃً یہی دو علم ہیں، جو انسان کے لئے ضروری ہیں، بقیہ فنونِ تفریح و آرائش ہیں جنکا آرٹ نام رکھا گیا ہے۔

بھرے پیٹ کی ڈکار اور آسودہ حالون کا دل بہلاؤ ہے،

ہم نے تقریر کے شروع مین دو آیتین پڑھی تھین، ایک کا تعلق اوس علم سے ہے، جو شروع آفرینش مین اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھایا تھا، اور جس کو تعلیم اسماء فرمایا ہے، اور جس کی تشریح ہم نے علم آثار و اوصاف وصفات وخواص اشیا سے کی ہے، اور انہی چیزون کی تحقیق اور علم پر دنیا مین بقاے انسانی اور اس کے لئے غذاے انسانی اور سامان ضروریات انسانی موقوف ہے، اس لئے میرا ذوق ادھر جاتا ہے کہ یہ تعلیم ان علوم کی تھی، جن کا تعلق علم معاش سے ہے. وہ علم معاش جو حق تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اور شکر نعمت کی طرف لے جاے. وَاشکُرُوا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعبُدُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اوسی کی عبودیت اور بندگی کرتے ہو،

انسان کی وہ ساری عبادتین جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، دراصل وہ شکر ہی کی صورتین ہین، ملائکہ کی پیدایش تو طاعت اور اطاعت ہی کے لئے ہوئی ہے، لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَہُمْ ان کی شان ہے، اور تسبیح وتقدیس ان کی غذا ہے، لیکن یہ اطاعت اُن کے قصد واختیار سے نہین، اس لئے موجب ثمرات قصد وارادہ نہین، اور پھر وہ طاعت واطاعت مشاغل دنیا اور افکار ومساعی حصول خورد ونوش و دفع مضرات و رفع موانع اور مواقع صبر وشکر وقطع حرص وطمع وغیرہ رذائل وفضائل اور انہماک حیات دنیا کے لذائذ و آلام سے تمام تر خالی ہے، ملائکہ نے حضرت آدمؑ کی پیدایش کی غرض وغایت اطاعت وطاعت کی وہ صورت سمجھی تھی، جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی، کہ دن رات وہ اسی طاعت وعبادت مین مصروف ہین، اور ان کا دوسرا کوئی شغل ہی نہین ہے، جو اس طاعت وعبادت سے مانع ہو، اور نہ ان مین جذبات بہیمیہ اور ہواے نفس ہے، جو ان کو بے قابو کرے، اس لئے انھون نے جب عرض کی،

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ - ۴) ہم تو آپ کی حمد وثنا میں لگے ہی رہتے ہین

تو ارشاد ہوا:-

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، (بقرہ - ۴) یعنی مین وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے،

اور وہ یہ تھا کہ آدم کو طاعت وعبادت کی وہ راہ بتانی مقصود تھی، جو مادیات وجذبات اور خواہشون کے بیچ سے ہو کر نکلی ہے، اس کے لئے ان کو آثار وصفات وخواص اشیا کی تعلیم ہوئی، جو فرشتون کو نہین ملی تھی کیونکہ ان کے کامون کے لئے ان کی ضرورت نہ تھی، انھون نے کہا:-

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ، (البقرہ-۴)	یعنی پاک ہے پروردگار یعنی تیرا کلام ہر اعتراض سے پاک ہے، ہم کو وہی معلوم ہے، جو تونے سکھایا، اصلی علم اور حکمت تو تیرے ہی پاس ہے،

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت آدم کی صورت میں ایسی مخلوق کو بنا رہا تھا، اور اس کو اپنے اخلاق وصفات کی امانت سپرد کر رہا تھا، جو دنیا کو برت کر دین کو حاصل کرے، جو پیٹ کے جھگڑے میں پھنسکر قلب سے غفلت نہ کرے، جو دنیا کے لذائذ اور نعم سے گذر کر لذتِ ابدی کی طالب ہو، جو ضلالت اور غفلت کے ہر تماشے کے سامنے سے دلیرانہ گذرے، مگر اوس میں پھنسکر خالق سے بے نیاز نہ ہو، جو دنیا کے مشاغل میں الجھکر یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو جس کی یہ شان ہو،

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ ، (نور-۵)	ایسے لوگ جن کو دنیا کے کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے ،

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملائکہ کی راہ مشاہدہ کی، اور انسان کی راہ مجاہدہ کی ہے، اب ظاہر ہے کہ خالص طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی وہ شکل جو ملائکہ کو عنایت ہوئی ہے اور جس کا ان کو دعویٰ تھا، اوس طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی شکل سے الگ ہے، جو بنی آدم کے لئے مقدر فرمائی گئی، اس لئے آدم کو جو تعلیم فرمائی گئی اس کا تعلق انہی علوم سے ہو سکتا تھا، جن کی ضرورت ملائکہ کو نہ تھی، پس یہ علوم جو شروع میں آدم کو عنایت ہوئے، وہ وہی ہیں جن کا تعلق دنیا میں رہکر حصولِ معاش سے ہے، جو نفوسِ انسانی میں آغازِ عالم سے ودیعت ہیں، اور جن کو خالق فطرت نے ان کے دل و دماغ کے سپرد کیا ہے، اور جس کو تجربہ و اختیار، غور و فکر اور قیاس و عقل کے راستوں سے وہ حاصل کرتا ہے، دوسرا علم جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے،

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق-۱) یعنی انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا،

اس کا اشارہ علوم معاد کی طرف ہے، جو تجربہ و اختیار، غور و فکر اور قیاس و عقل کے بجائے انبیاء علیہم السلام کی براہ راست وحی کے ذریعہ سے انسان کو عنایت ہوئے اور اسی لئے یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی ہی وحی میں اتری، پہلے علوم کا مقصد بقاے انسانی، غذاے انسانی اور فراہمی سامانِ ضروریات

انسانی سے ہے، اور دوسرے علم کا مقصد انسان کے اصل مقصد کی طرف رہنمائی ہے جس سے طاعت و اطاعت کی شریعت معلوم ہو اور قلب کے صلاح و فساد اعمال کے خیر و شر اور معاملات کی خطا و صواب سے آگاہی ہو، جس سے اس دنیاوی بقا و غذا کی راہ سے آخرت کی زندگی اور راحت کا سامان ہو، غرض آغاز عالم میں تعلیم نظری کے گر بتا کر جو علم بخشا گیا، اس کا تعلق ان علوم سے ہے، جو انسانوں میں بغرض کسب معاش ودیعت رکھے گئے ہیں، اور جن کو ہم تجربہ اور عقل و قیاس سے معلوم کرتے ہیں، اور دوسرا علم علم شریعت ہے، جو انسان کی مادی بقا کا اصلی مقصد و غایت ہے، اور جس کا ماخذ محض وحی الٰہی ہے، پہلے علوم پیٹ کے علاج ہیں، اور دوسرا علم قلب کی صلاح کی تدبیر، اور انہی دونوں پر عالم کی بقا و صلاح کا مدار ہے، علوم معاش پر بقار کا اور علوم قلب پر صلاح کا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھانے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائی،

الحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی وجعلنی — یعنی شکر ہے اوس اللہ کا جس نے مجھے کھلایا

من المسلمین، — اور پلایا، اور مجھے مسلمان بنایا،

درحقیقت اس دعا میں ان دونوں نعمتوں کو یکجا کیا گیا، پیٹ کو جس کا متکفل علم معاش ہے، اور دل کو جو مسلم سے عبارت ہے جس کی ضمانت علم معاد و شرع کے ذریعہ سے فرمائی گئی ہے، اس موقع پر غذائے جسمانی کے ساتھ غذائے روحانی بھی یاد فرمائی گئی، اور پیٹ کے بھرنے کے ساتھ قلب کے سنورنے پر بھی انسان نے اس مالک کی حمد ادا کی، جو اس پیٹ سے اصل مقصود ہے، پیٹ بھرنا نفس کی شرارت کے لئے نہیں، جیسا کفار و فساق نے سمجھا ہے، بلکہ پیٹ بھرنا قلب کے صلاح کے لئے ہے، کہ وہ دلجمعی سے حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف اور اس کی طاعت و اطاعت میں مشغول رہے،

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

دین اسلام میں بندہ پر طلب رزق حلال واجب ہے، اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اوس کو ابتغاء فضل اللہ سے تعبیر فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش، تاجر صدوق کے بڑے بڑے مراتب ظاہر فرمائے ہیں، اور ان تاجروں کو جو جھوٹی قسموں اور جھوٹی لفاظیوں سے اپنی تجارت کو فروغ دیں سخت وعید فرمائی گئی ہے، اسی طرح زراعت اور باغبانی کو بھی ایک نوع کی عبادت بتایا گیا ہے کیونکہ ہر دانہ جو اس محنت سے نکلتا ہے، اور ہر پھل جو اس سے پیدا ہوتا ہے، انسان تو انسان پرندے بھی جو اس کو کھاتے ہیں وہ انسان کے ثواب کے ثمرات کو بڑھاتے ہیں، اسی طرح اہل وعیال کے رزق کے لئے جو

کوشش کی جاتی ہے، اوران کے منہ مین جو لقمہ بھی جاتا ہے وہ مرد مومن کے لئے اجر کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح معاملات داد وستد مین حسن سلوک، قرضۂ حسنہ، صدقات وخیرات وتبرعات، غرض جملہ مالی معاملات جو لوجہ اللہ اور تحتِ احکام الٰہی ہون رضاے الٰہی کا موجب ہین، علی ہذا سلطان عادل بھی زمین پر خدا کی رحمت کا سایہ ہو، سلطنت وحکومت، نظم ونسق، عدل وانصاف، جہاد وغزا، فصل قضا، اور وہ تمام امور جو سیاست سے متعلق ہین، وہ تحت احکام الٰہی عبادات مین داخل ہین، پھر مصائب پر صبر، مشکلات مین توکل علی اللہ، استقامت فی الدین، اور اسی قسم کے دوسرے اخلاق وفضائل بھی قرب الٰہی کے ذرائع ہین، میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین جب آدم کو مسجود ملائکہ بنایا، تو پہلے فرما دیا تھا، کہ نسل آدم کے لئے معرفت و عبادات اور قرب الٰہی کے راستے اور وسیلے اور ذریعے فرشتون کی خالص تسبیح وتقدیس کے ذریعون سے جن کو وہ قرب ورضاے الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے تھے، الگ ہین اور اس نے مجاہدہ کی اس دشوار گذار گھاٹی سے نکال کر بنی آدم کے لئے اپنی معرفت واطاعت کی شاہراہ الگ مقرر فرما دی تھی، سورۂ بلد مین اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہے:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ	ہم نے انسان کو مشقت مین پیدا کیا ہو،
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْہِ	کیا وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس پر کوئی قابو نہین پا سکتا،
اَحَدٌ، یَقُوْلُ اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا	کہتا ہو کہ ہم نے بڑا مال اپنا برباد کیا، کیا اس کا
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗٓ اَحَدٌ اَلَمْ	یہ گمان ہو کہ اس کو کوئی نہین دیکھتا، کیا ہم نے اسکی
نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ	دو آنکھین ایک زبان اور دو ہونٹ نہین بنائے اور اسکو
وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ فَلَا اقْتَحَمَ	(خیر و شر کے) دونون راستے سوجھائے وہ گھاٹی مین سے
الْعَقَبَۃَ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ	ہو کر نہین نکلا، تمھین کس نے بتایا کہ وہ گھاٹی کیا ہو،
فَکُّ رَقَبَۃٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ	(غلامی یا قرض سے دبی ہوئی گردن (کی بندش)
ذِیْ مَسْغَبَۃٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ اَوْ	کو کھولنا یا بھوک کے دن مین کسی قرابت دار یتیم
مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ	یا خاک مین پڑے ہوئے محتاج کو کھانا کھلانا پھر کہ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ	وہ ایمان لانے والون مین سے ہو اور مجاہدات مین برداشت کی
تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ	اور آپس مین مہر و شفقت کی ایک دوسرے کو نصیحت کرین

(یہی لوگ اصحاب یمین ہین)

اب اجمال کے طور پر یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہین، کہ انسان اس دنیا مین مشقت اور محنت اور مجاہدہ ہی کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کو دین مین یا دنیا مین جو کچھ ملے گا، اوس کی محنت و مشقت ہی سے مل سکے گا، جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے:-

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى، (نجم - ۳) یعنی اور نہین ہے انسان کے لئے لیکن وہی جس کی اوس نے کوشش کی،

اسی لئے اس کو دولت عطا فرمائی، اسی لئے آنکھین زبان اور ہونٹھ اور دوسرے اعضا، اس کو عنایت ہوئے کہ ان سب کو حکم الٰہی کے ماتحت کام مین لا کر دنیا اور آخرت کے مدارج حاصل کرے، اوس کو خیر و شر کی دونون راہین بتادی گئی ہین،

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا، (شمس - ۱) یعنی اس کو گنہگاری اور پرہیزگاری دونون کا الہام کر دیا گیا،

اب اوس کا فرض ہو کہ وہ اس گھاٹی مین سے ہو کر پار نکلے اور منزل مقصود تک پہنچے، یہ گھاٹی کیا ہو؟ ایمان اور عمل صالح کا حصول اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرنا ہے،

غرض یہ ساری آیتین بنی آدم کی شاہراہِ معرفت کی نشاندہی کر رہی ہین، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ تسبیح و تقدیس کے ملکوتی طریقِ معرفت کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ بنی آدم کے لئے مزید ذریعے اور طریقے جو خاص انہی کے لئے مخصوص تھے، مقدر فرمائے اور

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ - ۴) یعنی مین وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے، کا ارشادِ الٰہی پورا ہوا،

حاصلِ کلام یہ ہو کہ فرشتون سے الگ انسانون کے لئے اور نسل بنی آدم کے لئے جو امور و معاملات اُن کی زندگی کے مقررہ اوقات کے بخوبی بسر کرنے کے لئے مقدر فرمائے گئے ہین، وہ معرفتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی کے ذرائع اور وسائل ہین، اور یہی نسل بنی آدم کی مزیت اور فضیلت ہے، کہ وہ معاشی و معادی دونون مجاہدات سے گذر کر اللہ تعالیٰ تک پہونچ سکتی ہے۔

اس تقریر کی بنا پر ہمارے ذمہ دو قسم کے علوم کی تعلیم اور طلب ضروری ہوئی، ایک وہ جس سے امور معاش حاصل ہون، اور دوسرے وہ جن سے علوم معاد کی راہ کھلے اور دونون اگر احکام الٰہی کے تحت مین ہون

تو ہمارے لئے قرب ورضا کے حصول کے ذرائع ہین،

ہمارے یہ مدرسے اس زمانہ مین جب اسلام کی سلطنت تھی، دونون علوم کے لئے کافی تھے، علما ہی ان علوم کو پڑھکر سلطنت کے بڑے بڑے عہدون پر پہنچتے تھے، یا تجارت کی دکانون پر بیٹھتے تھے اور دوسرے ذرائع معاش پیدا کرتے تھے، ساتھ ہی علوم دین کے سرچشمے سے بھی سیراب ہوتے تھے، مگر اب جب سے زمانہ کا رنگ بدل گیا ہے، ہمارے یہ مدرسے زیادہ تر علوم معاد کی تعلیم کے لئے مخصوص ہوگئے ہین اور علوم معاش کے لئے سرکاری انگریزی مدرسے کھولے گئے ہین، نتیجہ یہ ہے کہ ان معاشی مدرسون کے طالب علم معاد کے علوم سے بے بہرہ رہتے ہین، اور عربی مدرسون کے فارغ معاش کی طرف سے پریشان رہتے ہین، اور یہی سبب ہے کہ عربی تعلیم شریف اور اونچے خاندانون سے رخصت ہو رہی ہے، اور اب ہمارے عربی مدرسے صرف غریبون سے آباد ہین، ضرورت ہے کہ ہمارے اہل فکر اس کے تدارک کا سامان کرین اور اس کی صورت یہی ہے، کہ معاشی مدرسون مین مذہبی تعلیم کا اور مذہبی تعلیمگاہون مین ایسی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے، جو رزق کی راہ بھی کھولے،

ہمارے علوم معاد تو درحقیقت تفسیر و حدیث و فقہ و کلام ہین اور ان کے لئے بطور آلہ کے صرف و نحو و ادب ہین، ان کے علاوہ یونانی عقلیات کا بڑا دفتر ہے، ضرورت ہے کہ علوم آلیہ یعنی صرف و نحو و ادب کی تعلیم مین سہولت کی راہ اختیار کی جائے اور سخت و مشکل و پیچیدہ کتابون کی جگہ آسان سہل اور واضح کتابین رکھی جائین اور علوم عقلیہ کے متعلق اب ہمارے علماء کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ علوم ہمارے اسلاف نے صرف اس لئے اختیار کئے تھے کہ ان کے ذریعہ سے ابنائے زمانہ کے شکوک و شبہات دور کئے جائین، اب نہ وہ لوگ رہے ہین، نہ ان کے وہ شکوک رہے ہین اب ان شکوک و شبہات کے دروازے دوسرے علوم ہین، اب ضرورت یہ ہے کہ ہمارے علماء ان نئے علوم سے واقف ہون اور ان کے ذریعہ سے اس زمانے کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرین،

ہمارے زمانہ مین ہمارے مدارس مین دوسری سب سے بڑی کمی یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے سلف صالحین کی مجالس تعلیم اگر يُعَلِّمُهُمْ اور يُزَكِّيْهِمْ یعنی تعلیم اور تزکیہ دونون نبوی طریقون کی جامع تھین تو یہ صرف يعلمهم یعنی تعلیم کا مظہر رہ گئے ہین اور يُزَكِّيْهِمْ یعنی تزکیہ کا نور ہماری درسگاہون سے مٹتا جارہا ہے، اب نبوی طریق، مدرسہ اور خانقاہ مین بٹ گیا ہے، مدرسے تزکیہ کے نور سے اور خانقاہین تعلیم کی روشنی سے خالی ہین، بڑی ضرورت ہے کہ ان دونون کی خصوصیتون کو پھر ایک چہار دیواری مین جمع کیا جائے، اس کے بغیر یہ عربی مدرسے مذہبی مدارس نہین کہے جاسکتے، اور نہ ان کے فارغین کے ذریعہ سے مسلمانون کی ہدایت کا کام پورا ہو سکتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم مین بھی اس پہلو پر زور دیا جائے اور تربیت مین اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے، اور ایسے مدرسین کا انتخاب کیا جائے جو علم و عمل دونون کے جامع ہون اور خصوصیت کے ساتھ اہل دل کی صحبتون اور کتابون کے مطالعہ کا شوق ان کے دل مین پیدا کیا جائے، اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ،

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمن (علیگ) رفیق دارالمصنفین

(۳)

خواجہ بختیار کاکیؒ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ قصبہ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے، بختیار نام اور قطب الدین خطاب تھا، حسینی سادات میں سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے :-

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین ابن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت نقی الجود ابن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین ابن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم[۲]

ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا، اور پانچ برس کے سن سے ایک نیک اور صالح بزرگ ابوحفص سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اور ان سے ظاہری علم کے علاوہ باطنی علوم اور سلوک کے آداب و طریق کی بھی تعلیم حاصل کی اور اوائل عمر سے ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنے لگے، جب خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ورود اوش میں ہوا تو ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا، اور سترہ سال کی عمر میں ان سے خرقۂ خلافت پایا[۳]

---

[۱] گذشتہ صفحات میں خواجہ معین الدینؒ اجمیری کی ایک تصنیف "رسالہ در کسب نفس" کا ذکر کیا گیا تھا، یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا، اس لئے اس پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی جاسکی، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں ہے، دیکھو کیٹلاگ نمبر ۶، ۱۱۱ [۲] سیر الاقطاب ص ۱۴۳ و خزینۃ الاصفیا ص ۲۶۶ [۳] سیر العارفین ص ۲۶، سیر الاقطاب ص ۱۴۵ میں ہے کہ اوش سے نکلکر حضرت بختیار کاکیؒ بغداد پہونچے، اور یہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں خواجہ

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ رات دن میں پچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے، اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر حضور قبلۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، شادی کی ابتدائی تین راتوں میں یہ معمول ناغہ ہو گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ سے یہ پیام دیا کہ وہ قطب صاحب سے دریافت کریں کہ آخر یہ بے نیازی کیوں ؟ یہ سن کر قطب صاحب نے اسی وقت بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا، حالانکہ شادی کو کل تین روز گذرے تھے[۵۱]، دنیاوی علائق سے چھٹکارا پاکر وہ بغداد گئے، اور شیخ بہاء الدین سہروردیؒ، اوحد الدین کرمانیؒ اور جلال الدین تبریزیؒ جیسے بزرگوں کی صحبت میں شریک رہے، اسی اثناء میں ان کو خبر ملی کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں، مرشد کے شوق ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے، شیخ جلال الدین تبریزیؒ ان کی فرقت گوارا نہ کر سکے، اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے،

ملتان میں یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ کمال محبت و شفقت سے ملے، اس لئے قطب صاحبؒ نے وہاں کچھ دنوں تک قیام فرمایا، اسی اثناء میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی، ملتان کا حاکم قباچہ قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انہی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے[۵۲] ملتان سے قطب صاحبؒ دہلی آئے، اور جلال الدین تبریزیؒ کو وہاں سے غزنین کی طرف بھیجا، قطب صاحبؒ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن قطب صاحبؒ نے کیلو کھری میں سکونت پسند کی، سلطان التمش ہفتہ میں دو بار قطب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض سے مستفیض ہوتا تھا، آخر میں سلطان کے اصرار سے مجبور ہو کر قطب صاحبؒ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے، اور ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا[۵۳]،

یہاں سے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدمبوسی کا عریضہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) معین الدین چشتیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی تھے، سیر الاقطاب ص ۱۴۴،

۵۱ سیر العارفین ص ۲۴، سیر الاقطاب ص ۱۵۶، خزینۃ الاصفیاء ص ۲۷۱، اخبار الاخیار میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں،

۵۲ سیر الاقطاب ص ۱۴۹، سیر العارفین ص ۲۴ ۵۳ سیر العارفین ص ۲۶، ۲۷،

ارسال کیا، خواجہ صاحب اپنے مجبور مرید کی تشنگی بجھانے کے لئے خود دہلی تشریف لائے، یہاں کے تمام خواص وعوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نہ آئے، خواجہ صاحب خود ان سے ملنے گئے، انھون نے شکایت کی کہ قطب صاحبؒ کے ساتھ لوگون کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر مین آگیا ہے،

اس لئے شیخ الاسلام کی خاطر خواجہ صاحبؒ نے قطب صاحبؒ کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، التمش نے بڑی منت وزاری کی لیکن خواجہ صاحبؒ قطب صاحبؒ کو لے کر روانہ ہوئے، دہلی کے باشندون نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ وبکا کرنے لگے جس جگہ قطب صاحبؒ قدم رکھتے تھے وہان کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھون سے لگاتے تھے، خواجہ صاحبؒ نے دہلی والون کو قطب صاحب پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا، تو ارشاد فرمایا کہ" بابا قطب الدین! تم یہین رہو، تمھارے چلے جانے سے دہلی کے لوگون کا دل خراب وکباب رہے گا، مجھ کو یہ منظور نہین" چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی مین مقیم رہے،

قطب صاحبؒ کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین التمش ان کی خدمت مین حاضر ہوتا تو وہ اس کو رعایا پروری اور فقیرون، غریبون اور درویشون کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے، اور التمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب خود فوائد السالکین مین فرماتے ہین :-

" اس کا (یعنی التمش کا) اعتقاد صحیح تھا، راتون کو وہ جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہین دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر مین کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھکر وضو کرتا اور مصلی پر جا بیٹھتا، اپنے نوکرون مین سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والون کو تکلیف کیون دی جائے، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ مین سونے کے تنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، ان کے حالات پوچھتا، اور ان کی مدد کرتا، وہان سے واپس ہوتا، تو مسجدون، ویرانون، خانقاہون، اور بازارون مین گشت کرتا، اور ان جگہون کے رہنے والون اور درویشون کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح کی معذرت کرکے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کرین، دن

کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا، کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے، یا کوئی ان پر ظلم کرے، تو وہ ایسا ان ۔۔۔ آکر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائیں، تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔"[۱]

التمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے، چنانچہ خزینۃ الاصفیاء کے مولف کا بیان ہے کہ

"بادشاہ رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفاء نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است، و از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود، و کمال اعتقاد بخدمت حضرات اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت، لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود، کم خوردی و کم خفتی و شبہائے دراز بیدار بودے ....."[۲]

ان اوصاف کے باوجود التمش پر آخرت کے انجام کا خوف غالب رہتا، خواجہ قطب الدینؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں :-

"ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی، اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی۔"[۳]

مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت و نیازمندی کے باوجود قطب صاحبؒ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا، جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی، تو اُن کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ

---

[۱] فوائد السالکین ص ۲۹، ۲۸، [۲] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۰۰، [۳] فوائد السالکین ص ۲۹،

یا ایک بقال سے قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتی تھیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ "میں تم کو قرض نہ دوں تو تمھارے بچے بھوکوں مر جائیں"، قطب صاحبؒ کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا، اور فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں، اسی لئے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوئے[1]

لیکن اس نا داری پر بھی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی، فوراً تقسیم کر دیتے، جس روز کوئی چیز نہ ہوتی، تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ رہے[2]

استغنار کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، لوگ دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحبؒ کی زوجۂ محترمہ و فورِ غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں، قطب صاحبؒ نے لوگوں سے گریۂ وزاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارکؔ و تعالیٰ سے دعا کرتا،

ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایک قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے، قطب صاحبؒ نے اس کو بلایا، اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائنِ الٰہی کا دریا ے ذخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ جس کے یہاں خزائنِ الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا، جاؤ، آیندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا[3]

سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے، ایک بار شیخ علی سجستانیؒ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوال نے

---

[1] سیر العارفین ص ۲۰، سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۱، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحب نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا، اور مصلّے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گذر اوقات کرتے (ص ۱۵۱) اخبار الاخیار میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا، تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انھوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلّی کے نیچے پھر نہ ملی، (ص ۲۵) [2] راحت القلوب ص ۱۰۴، اردو ترجمہ [3] سیر الاقطاب ص ۱۵۱،

جب یہ شعر پڑھا،

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

تو قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا تین دن اور تین رات لگاتار اسی حالت میں رہے، جب نماز کا وقت آتا تو وضو کرکے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے، اور پھر اسی سکر کی حالت میں ہو جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے، اسی لئے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے امیر حسن نے اس بیت پر ایک غزل کہی ہے، اور اس میں قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے،

جان برین یک بیت داد است آن بزرگ آرے این گو ہر زکانے دیگر است

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

سنہ وفات ۶۳۴ھ ہے، وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لئے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی،[۱]

قطب صاحبؒ نے عبادت، ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں، بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے، اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی، چنانچہ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ ان کو ملک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیا، تاج الاصفیا کے القاب سے یاد کرتے ہیں[۲] اور عام طور سے وہ "قطب الاقطاب اور قطب الاسلام" کے لقب سے مشہور ہیں،

قطب صاحبؒ کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور ایک **فوائد السالکین**، دیوان نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اس کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی ان ہی کا ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنے سے پرہیز کرتے ہیں،

فوائد السالکین میں ان کی سات صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو ان کے مرید خواجہ فرید الدینؒ گنج شکر نے جمع کیا ہے، یہ ۲۶ صفحہ کا گویا ایک مختصر مطبوعہ رسالہ ہے[۳] مگر اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں، جو ایک سالک کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی تھیں جن کا تجزیہ کرکے سالک کے لئے

---

[۱] سیر الاقطاب صفحہ ۱۶۱، خزینۃ الاصفیا، ص ۲۷۵ [۲] فوائد السالکین ص ۲ [۳] یہ رسالہ مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا،

مندرجۂ ذیل ضوابط مرتب کئے جا سکتے ہین،

سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے، تو وہ نفس پرست ہے[۵۱]، کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کھائے، اس کے لباس مین نمایش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لئے لباس پہنتا ہے، تو راہ سلوک کا راہزن ہے[۵۲]، کم سوئے، کم بولے، آلایش دنیا سے پاک رہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی، اور جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہو سکی کہ ان کے پاس مٹی کا کوزہ اور چمڑے کا خرقہ تھا، جب ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا[۵۳]،

سالک ہر وقت محبت الٰہی مین غرق رہے اور سکر مین اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ مین زمین اور آسمان داخل ہو جائین تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف مین فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویدار نہین، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے، سچی دوستی یہ ہو کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے، کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا[۵۴]، چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوتی تھین، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتین کہ دوست نے ان کو یاد نہ کیا[۵۵]، خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے تھے، کہ محبت کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہئے، کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک مین نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہین[۵۶]،

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسّی درجے رکھے ہین لیکن اولیاے طریقۂ جنیدیہ نے سو درجے، صوفیاے طریقۂ ذوالنون نے ستر درجے قائم کئے ہین، طبقۂ ابراہیم بشر حافی مین کل پچاس درجے شمار کئے جاتے ہین، خواجہ بایزید بسطامیؒ، عبد اللہ مبارک اور خواجہ سفیانؒ ثوری فرماتے ہین، کہ سلوک کے کل بنیالیس درجے ہین، اولیاے طریقۂ شاہ شجاع کرمانی، سمنون محبت اور خواجہ مرتعش کے نزدیک سلوک مین بیس ہی درجے ہین، مگر مشائخ چشتیہ سلوک مین صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہین، ان درجات مین ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک مین ایک سو اسّی درجے ہین، ان مین ۸۰ وان درجہ کشف و کرامت کا ہے، طبقۂ جنیدیہ مین سترواں، طبقۂ بصریہ مین تیسوان،

---

[۵۱] فوائد السالکین ص ۴ [۵۲] ایضاً [۵۳] ایضاً ص ۸،

[۵۴] فوائد السالکین ص ۱۱ [۵۵] ایضاً [۵۶] ایضاً

طریقۂ ذوالنون مصری مین پچیسوان، شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک دسوان اور خواجگان چشت کے یہان پانچوان درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل کرنے کے باوجود سالک کو کشف وکرامت مین اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہین چاہئے، کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہوجاتا ہے[۵۱]

قطب صاحبؒ نے اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہین کہ راہ سلوک مین حوصلہ وسیع ہونا چاہئے، کہ اسرار جاگزین ہوسکین اور فاش نہ ہونے پائین، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہین کرتا، چنانچہ قطب صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک خواجہ معین الدینؒ کی صحبت مین رہے، لیکن کسی حال مین بھی انھون نے اسرار الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے، قطب صاحب کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا، کیونکہ اس نے سرِ دوست کو ظاہر کردیا[۵۲] حضرت جنید بغدادیؒ پر عالم سکر مین کٹھن گھڑیان گذرتین لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ

"ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے، اور جب عالم غیب کے اسرار اس کو معلوم ہون تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہدے"[۵۳]

قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال مین ہو، اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے، چنانچہ وہ خود ایک بار کئی دنون تک عالم سکر مین بیہوش رہے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش مین آجاتے، اور نماز مین ادا کرکے پھر بیہوش ہوجاتے[۵۴]

قاضی حمید الدین ناگوریؒ اسم گرامی محمد تھا، مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے، ان کے والد ماجد عطاء اللہ محمود البخاری، سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ مین بخارا سے دہلی تشریف لائے اور یہین ان کا انتقال ہوا،

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کو ناگور کی قضائت تفویض ہوئی، اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہوکر سفر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد تشریف لائے، اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، ایک سال تک ان کی خدمت مین رہ کر ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ مین یہان حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار اوشی بھی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط ومراسم قائم کئے، جو آخر وقت تک استوار رہے،

---

۵۱ فوائد السالکین ص ۲۰-۱۹، ۵۲ رر صد، ۵۳ رر صد ۵۴ رر ص۱۱،

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ آئے، اور ایک برس دو مہینہ سات روز تک روضۂ نبوی کے مجاور رہے، وہان سے بیت اللہ پہونچے، یہان تین سال تک قیام کرکے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے، مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے عہد مین دہلی تشریف لائے، اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا، اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو مین دفن ہوئے، سنہ وفات ۶۴۳ھ ہے،

ان کی بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ سے تھی، مگر بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہین حضرت سید اشرف جہانگیر لطائف اشرفی مین فرماتے ہین کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، سفینۃ الاولیاء مین ہے کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلفاء مین سے تھے (ص ۱۶) سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق کی وجہ سے، علمائے ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیئے، مگر انھون نے کسی کی پرواہ نہ کی، اور اس سے اپنا عشق بدستور قائم رکھا،

سیر العارفین کے مصنف نے ان کو علم اور وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا گوہر، رہروان منازل نامتناہی کا پیشوا اور سفیان ثوری ثانی کہا ہے[۱] ان کا عام لقب سلطان التارکین ہے، اخبار الاخیار مین مولانا عبد الحق محدث دہلوی رقمطراز ہین :-

"او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت وحقیقت"[۲]،

سفینۃ الاولیاء مین ہے :-

"در تجرید و تفرید و یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند، جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند"[۳]

صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار مین ان کی تصانیف بکثرت ہین، مولانا عبد الحق محدث دہلوی بھی لکھتے ہین :-

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است"[۴]

مگر ہم کو صرف ان کی ایک کتاب طوالع الشموس کا پتہ چلا ہے، اس مین باری تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح ہے، اور دو جلدون پر مشتمل ہے، اس کے بارے مین مولانا عبد الحق گوہر افشانی فرماتے ہین

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۶۲ [۲] اخبار الاخیار ص ۳۶ [۳] سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۳ [۴] اخبار الاخیار ص ۳۶،

ہر جا موج موج از اسرار حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است، متعسر است جمیع مواضع او در متانت و حرارت و حالت تشاکل و تشابہ واقع شدہ"۔

خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا، مگر عام طور سے گنج شکر کے نام سے مشہور تھے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے، سیرالعارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ جس زمانہ مین حضرت فریدالدینؒ اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت مین تربیت پا رہے تھے، تو ایک بار انھون نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، افطار کے وقت اپنے حجرے سے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ مین پاؤن پھسل گیا، زمین پر گر پڑے، کیچڑ منہ مین چلی گئی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے وہ شکر بن گئی، جب مرشد کی خدمت مین پہنچکر یہ واقعہ بیان کیا، تو انھون نے فرمایا کہ اگر مٹی تمھارے منہ میں جاکر شکر بنگئی تو خداوند تعالیٰ تمھارے سارے وجود کو شکر بنادے گا، اور تم ہمیشہ شیرین رہوگے، اسی کے بعد گنج شکر مشہور ہوگئے[1]، سیرالاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدینؒ نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار مین کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی مین رات کو سنگریزے منہ مین رکھ لئے، یہ سنگریزے شکر ہوگئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکیؒ کو پہونچی، تو فرمایا، کہ فرید گنج شکر ہے[2]، خزینۃ الاصفیاء کے مولف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ ایک سوداگر اونٹون پر شکر لادکر ملتان سے دہلی کی طرف جارہا تھا، جب وہ اجودھن پہونچا، تو شیخ فریدالدینؒ نے اس سے پوچھا، کہ اونٹون پر کیا ہے" سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا، کہ نمک ہے، شیخ فریدالدینؒ نے یہ سُن کر کہا کہ بہتر ہے نمک ہی ہوگا" سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہونچا، تو اونٹون پر شکر کے بجائے نمک پاکر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا، اور شیخ فریدؒ کی خدمت مین پہونچکر اپنی تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا، کہ اگر شکر تھی تو شکر ہوجائیگی، اور نمک شکر مین تبدیل ہوگیا، بیرم خان خانخانان نے اس واقعہ کو منظوم بھی کیا ہے، اس کا ایک شعر ہے:-

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر   آن کز شکر نمک کند و از نمک شکر

ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ فریدالدینؒ جب جنگلون اور پہاڑون مین ریاضت کر رہے تھے، تو ایک روز ان کو سخت پیاس معلوم ہوئی، وہ ایک کنوین کے پاس پہونچے، لیکن وہان ڈول اور ڈوری نہ تھی اسلئے ناامید ہوکر کنوین کے قریب کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر مین دو جنگلی ہرن کنوین کے پاس آئے، کنوین کا پانی

---

[1] سیرالعارفین اردو ترجمہ ص۲۹ [2] سیرالاقطاب ص۱۶۵ [3] خزینۃ الاصفیا ص۲۹۲۔

ابل کر کنارہ تک آگیا، دونون ہرنون نے اپنی پیاس بجھائی شیخ فریدالدینؒ بھی پانی پینا چاہتے تھے، کہ پانی اپنی گہرائی مین چلا گیا، شیخ فریدالدینؒ متحیر ہوئے، آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھا کر کہا" الٰہی! ہرنون کو تو نے پانی پلادیا، اور اپنے بندے کو کیوں محروم کر دیا" آواز آئی کہ تو نے ڈول اور ڈوری پر توکل کیا اور ان جانورون نے مجھ پر توکل کیا تھا، اس لئے تم محروم رہے، اور دونون ہرن سیراب ہوئے، یہ سُن کر شیخ فریدالدینؒ متاسف ہوئے، اور نفس کشی کی خاطر چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اور پانی کا ایک قطرہ بھی منہ مین نہ ڈالا، چلہ ختم ہوا تو ایک مٹھی خاک منہ مین بھرلی جو فوراً شکر ہوگئی، غیب سے آواز آئی،

"اے فرید چلہؑ تو قبول کردم و برگزیدم و در گروہ شیرین سخنان ترا گنج شکر گردانیدم"[1]

اسی طرح کی کچھ اور بھی روایتین ہین،

حضرت شیخ فریدالدینؒ کی ولادت مسعود ۵۶۹ھ مین قصبہ کھتی وال (کوتوال) ضلع ملتان مین ہوئی، سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے، ان کے والد بزرگوار سلطان محمود غزنوی کی بہن کے لڑکے تھے، شہاب الدین غوری کے زمانہ مین کابل سے لاہور آئے اور پھر وہان سے کچھ دنون قصور اور ملتان رہکر کھتی وال آئے، اور یہین سکونت پذیر گئے،

شیخ فریدؒ نے ابتدائی تعلیم اسی قصبہ مین حاصل کی، وہان سے مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، اسی زمانہ مین حضرت بختیار کاکیؒ کا ورود مسعود ملتان مین ہوا، گنج شکرؒ ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، جب خواجہ بختیارؒ دہلی کی طرف بڑھے، تو شیخ فرید کو مزید تعلیم کی تلقین کی، چنانچہ وہ ہندوستان سے نکل کر قندھار، بغداد، سیوستان، بدخشان وغیرہ مین علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے،[2]

پانچ سال کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت مین دہلی حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، اور یہین وہ ریاضت و مجاہدہ مین مشغول ہو گئے، تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ اس ریاضت و مجاہدہ مین ان کی یہ کیفیت ہوگئی تھی، کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے، تو شیخ فریدؒ کو دیکھنے ان کے حجرے مین تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے اٹھ نہ سکے، خواجہ معین الدینؒ نے ان کے لئے دعا کی، اور غیب سے بشارت ملی کہ "فرید را برگزیدم" چنانچہ خواجہ صاحب نے ان کو خلعت مرحمت فرمایا، اور بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۳ [2] راحت القلوب ص ۱۵۹-۱۵۸-۱۴۲-۱۴۱-۱۴۰ و اسرار الاولیاء ص ۱۴۱-۱۴۰

اس وقت خواجہ معین الدینؒ نے بختیار کاکیؒ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آوردکہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد" [۱]

مرشد کی صحبت میں تعلیم پاچکے تو گنج شکرؒ دہلی سے ہانسی آئے، مگر وہاں کے لوگوں کے ہجوم سے گھبراکر ہانسی سے اجودھن کی طرف بڑھ گئے، یہاں تنہائی اور سکون پایا، تو اسی کو مسکن بنایا، اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے، سنہ وفات میں اختلاف ہے، اخبار الاخیار و سفینۃ الاولیا میں ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۸ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ، مجمع الواصلین و تذکرۃ العاشقین بحوالہ خزینۃ الاصفیا میں ۶۷۰ھ درج ہے۔ اجودھن اب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے، اور اب تک زیارت گاہ خواص و عوام ہے،

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی محنتِ شاقہ کی، ان کا خود بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں، کہ انھوں نے کچھ کھایا ہو [۲]۔

رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ میں بیٹھے تو اپنے مرشد کی طرح دنیا کے تمام مال و متاع سے مستغنی رہے، ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے وزیر الغ خان کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا، مگر انھوں نے اس کو یہ کہکر واپس کردیا، کہ یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں [۳]، اور اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کرتے تو راہ خدا میں تقسیم کر دیتے [۴]۔

حضرت گنج شکرؒ کے نکاح میں الغ خان کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھیں، جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں [۵]، الغ خان جب بادشاہ بن کر دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو اس سے گنج شکرؒ کی شانِ استغنا و بے نیازی بدستور قائم رہی، ایک بار کسی نے ان سے غیاث الدین بلبن کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی تو انھوں نے سفارش نامہ اس طرح لکھا،

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیدیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے" [۱]

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۶۲، [۲] راحت القلوب ص ۲۰، [۳] ایضاً ص ۱۸۲، و فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۸، [۴] راحت القلوب صفحہ ۱۹۲، [۵] خزینۃ الاصفیا ص ۳۰۱،

اگر آپ نہ دیں گے، تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا، اور آپ معذور ہوں گے[1]"

چنانچہ غیاث الدین بلبن ان کی ذات سے خود بھی متاثر تھا، اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا، بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ عظام جمع ہو گئے تھے کہ مورخوں نے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے[2] حضرت گنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ، شیخ صدر الدینؒ، شیخ بدر الدین غزنویؒ اور سیدی مولا کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا، بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی، اور اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ اوس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی، کہ

"قضات و حکام متقی و متدین نصب فرمائی تا رواج دین و رونق عدل میان علائق پدید آید[3]"

حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں ان کے دو ملفوظات ہیں۔ راحت القلوب اور سیر الاولیاء، راحت القلوب کو حضرت نظام الدین اولیاء اور سیر الاولیاء کو حضرت بدر اسحاق نے مرتب کیا ہے، دونوں گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے،

راحت القلوب میں راہ سلوک کی اساسی باتیں وہی ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین اور فوائد السالکین میں پائی جاتی ہیں، مگر اس میں ملفوظات نسبتہً زیادہ ہیں، اس لئے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورۂ بالا ملفوظات میں نہیں،

شروع میں درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہیں، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے،

درویش کو چاہئے کہ چار باتیں اختیار کرے (۱) اپنی آنکھوں کو بند کرلے، کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے (۲) کانوں کو بہرہ کرے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں، ان کو نہ سن سکے (۳) زبان کو گونگی کرے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ کہہ سکے (۴) پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو وہ نہ جا سکے، اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہو گئیں، تو وہ درویش ہے ورنہ وہ دروغگو ہے،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۲ [2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۸۳،

جو درویش اس دنیا دنی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور دنیا کے لوگوں کے لطف و کرم کا خواہاں ہو وہ درویش نہین ہے، بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے،

جس درویش کے دل مین ذرہ برابر بھی دنیا کی دوستی ہوگی، وہ مردود طریقت ہو،

درویشون کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اوس سے وہ خوش رہے، اور اس کے لئے بد دعا نہ کرے،

درویش کا زہد تین چیزون مین ہے (۱) دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) مولا کی طاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک مین دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے، اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے، اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمۂ حرام سے پرہیز کرتا ہے، اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کرکے فرمایا ہے، کہ حکمت اسی کے دل مین قرار پاسکتی ہے، جس کے دل مین دنیا کی حرص نہ ہو، نہ رشک و حسد نہ ہو اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو،

حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحت دل قرار دیا ہے، یہ اہل محبت کے دل مین حرکت پیدا کرتا ہے حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق، اور ذوق کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بیہوشی مین ایسا استغراق ہوتا ہے، کہ اگر اس وقت اس کے سر پر ہزارون تلوارین چلین تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اور یہی چار چیزین معرفت کے اسباب بنتی ہین،

معرفت کی تعریف یہ کی ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہین ہوتی، وہ دوسرون کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس ہزارون فرشتے بھی آئین، تو ان کی طرف کنکھیون سے بھی نہ دیکھے اور اگر اوس کو آنے کی خبر ہو جائے، تو وہ کاذب و دروغگو ہے،

سیر الاولیاء مین بائیس فصلین ہین، اور ہر فصل مین تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہین جس سے اس موضوع کے سمجھنے مین آسانی ہوتی ہے،

شروع مین عشق الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقراء کا عشق الٰہی علماء اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے، (صفحہ)

آن عشق کہ بود کم نگردد تا باشد ازان قدم نہ گردد (نظامی)

عشقے کہ نہ عشق جاودان است بازیچۂ شہوتِ جوان است (صفحہ)

ایک دوسری جگہ فرمایا،

سربست مرا درون جان و عشقت گر سر برود اے دوست نگویم باکس

سربست عاشقان را در طاقت نہانی پوشیدہ دار خود را تا آنجا خجل نمانی

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے، جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہو سکتا ہے، (صث)

اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ صاحبِ عشق اپنی دوئی کو کھو کر اپنے آپ سے بالکل ایک ہو جاتا ہے (ص)

عشق مین عاشق اپنے معشوق کی طلب مین مجاہدہ کرتا ہے جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہے، اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہین، اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے، کہ وہ صرف عالم تحیر مین رہتا ہے،

(اسرار الاولیا رص ۴۹)

راہِ عشق مین محبت کے سات سو مقامات ہین، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (صفحہ ۵) اس راہ مین محبت کی کوئی نہایت نہین، (ص۵) اور عاشق اپنے تمام اعضاء کے ساتھ محبت معشوق مین مستغرق رہتا ہے، وہ اپنی آنکھون سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانون سے صرف معشوق کی باتین سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھون اور پاؤن کو صرف معشوق کے لئے حرکت دیتا ہے، وہ اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے، اور محبت مین وہی صادق ہے، جو ہر لحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکر الٰہی مین مشغول رہتا ہے، (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادتِ الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادتِ الٰہی مین ظاہر اور باطن کا یکسان ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرار الٰہی معلوم ہوتے ہین، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے،

ایک جگہ فرمایا راہِ سلوک مین وہی بندہ صادق ہے، جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو، اور اگر وہ اس کے لئے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے، رزق کی چار قسمین ہین،

(۱) رزق مقسوم (۲) رزق مذموم (۳) رزقِ مملوک (۴) رزق موعود،

رزق مقسوم وہ رزق ہے جو روزِ ازل سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اس مین کمی اور زیادتی نہین ہو سکتی، رزق مذموم

وہ رزق ہے جو جتنا بھی زیادہ ملے، اس پر قناعت نہ کی جائے، رزق مملوک: وہ رزق ہے جو ضروریات کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزق موعود وہ رزق ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور اس کا ملنا ضروری ہے[1]

راہِ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے، اور اگر وہ رزق کے لئے اندوہگین ہوتا ہے، تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہِ خدا مین دیدے، اگر وہ رزق جمع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے،

آگے چل کر ایک فصل مین گنج شکرؒ نے فرمایا، کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات مین اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے، کہ متوکل کے ایمان مین خوف و رجا، اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے، اور رجاء سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے[2]

راہِ سلوک مین توبہ ایک اہم چیز ہے، گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمین بتائی ہین،

(۱) توبۂ دل، حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذت اور شہوت سے صدق دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلایش دور ہوتی ہے جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے،

(۲) توبۂ زبان: ناشایستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہئے، عشق حقیقی مین وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہین دیکھ سکتا ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، اور نفس زبان ہی کے تابع ہین، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینون چیزین بھی محفوظ رہتی ہین،

(۳) توبۂ چشم (۱) حرام چیز نہ دیکھنا (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو، تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہین ڈالنی چاہئے،

(۴) توبۂ گوش، ذکرِ حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا،

---

[1] اسرار الاولیا ص۱۲ [2] ایضاً ص۱۲

(۵) توبۂ دست، ناروا اور ناجائز چیزون کو ہاتھ نہ لگانا،

(۶) توبۂ پا، حرام چیزون کی طرف نہ جانا،

(۷) توبۂ نفس، ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا،

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین تقسیم اور کی ہے،

(۱) توبۂ حال، (۲) توبۂ ماضی (۳) توبۂ مستقبل، حال کا توبہ گناہون سے پشیمان اور نادم ہوکر باز آنا ہے، ماضی کا توبہ اپنے دشمنون کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا ایک درہم غصب کرلیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہئے، اگر اس نے کسی کو بُرا کہا ہو، تو اس کے پاس جاکر معافی مانگے، اور اگر وہ مرگیا ہو تو معذرت کے بجائے اس کے نام سے غلام آزاد کرے، اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد خدا کے بندون کو سرد اور لطیف پانی پلائے،

مستقبل کا توبہ یہ ہے کہ تائب آیندہ تمام گناہون سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے،

حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلون مین مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیرون کی خدمت، سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہین، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے جس سے بڑھکر اور کوئی سعادت نہین ہوسکتی، چنانچہ حضرت بختیار کاکیؒ کلام پاک پڑھتے، تو ہر ایک آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے، اور بیہوش ہوجاتے۔ ایک روز وہ ہزار بار بیہوش ہوے، مگر جب مشاہدہ کی آیت کو پڑھا تو مسکرائے اور پھر عالم تحیر مین کھوگئے، اور اس عالم مین ایک دن اور ایک رات رہے،

حضرت گنج شکرؒ نے صوفیوں کے لباس خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ گلیم اور صوف کو انبیاء کا لباس بتایا ہے، اس لئے اس کی تعظیم و تکریم پر پورا زور دیا ہے

خرقہ پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونون عالم سے قطع تعلق کرے، اس کے دل مین دنیا کی کوئی آلائش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لئے ضروری ہے، کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہوجائے، اور اگر اس لباس کو اہل دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے،

(ص ۴۰)

اسی سلسلہ مین تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے، گنج شکرؒ نے فرمایا کہ

صوفی وہ ہے جس کے دل مین اتنی صفائی ہو کہ اس کی صفائی کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے،

تصوف مولیٰ کی صفا، دوستی کا نام ہے۔

اہلِ تصوف وہ ہین جو ہر وقت خاموش اور عالمِ تحیر مین مستغرق رہتے ہین،

اہلِ تصوف ایک ایسی قوم ہین کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہین، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزون کی خبر نہین ہوتی ہے،

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحابِ تصوف ہر روز پانچون وقت نماز مین اپنے کو عرش پر دیکھین،

تصوف ایک اخلاق ہے اس لئے گنج شکرؒ نے اربابِ تصوف کو اخلاقی ہدایتین بھی دی ہین، مثلاً صوفی دنیا اور دنیا کے لوگون سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے، مگر کسی حال مین وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہین کرتا ہے، وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے (ص ۹۲)

صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے، پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہئے (ص ۹۵)، اور اس کے تمام احکام کو جان و دل سے بجالانا فرض ہے (ص ۹) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے تو بھی پیر کے حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہین ہو سکتا ہے، (ص ۹) وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھون کا بوسہ دیتا ہے، تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہین، (فصل شانزدہم) حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علماء اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے، فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، (فصل سیزدہم) صوفی کی زندگی ذکرِ حق مین مشغول ہوتا ہے، وہ جب تک ذکرِ حق مین مستغرق ہو کر بیہوش رہتا ہے تو وہ زندہ ہے، اور جب ہوش مین آکر ذکرِ حق چھوڑ دیتا ہے، تو مردہ ہو جاتا ہے (فصل ہفدہم)

حضرت گنج شکرؒ نے خواجگانِ چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے اور کہا کہ وہ راہِ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرلے تو اس کے اظہار مین کوئی ہرج نہین،

آخر مین فرمایا ہے کہ راہِ سلوک مین سالک پر جس قدر، رنج، تکلیف، مصیبت نازل ہو گی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ خواجہ معین الدینؒ اپنے ایمان کی صحت اسی مین سمجھتے تھے، کہ تکلیف مین اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے، (صفحہ ۹۳) (باقی)

تصحیح:- معارف ماہ اگست ص ۸۸ سطر ۲۰ مین سرزد کے بعد "نہ" چھوٹ گیا ہے، اس کی تصحیح کرلین۔

اقبال کے تصور خودی کا ماخذ

از
جناب بشیر صاحب مخفی کراچی

"اس مضمون میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال کا تصور خودی اور ان کے بعض دوسرے افکار و مصطلحات سید گل حسن شاہ صاحب قادری پانی پتی کے کلام اور ان کی صوفیانہ تصانیف سے ماخوذ ہیں، اور خودی کے اس تصور کے پہلے مبلغ شاہ صاحب تھے،

درحقیقت دنیا میں بہت کم افکار و تصورات ایسے ہیں جنھیں بالکل نیا اور اچھوتا کہا جا سکے، اس لئے تنہا کسی فکر کا دھندلا اور ابتدائی تصور پیدا ہونا ایجاد کی نسبت کے لئے کافی نہیں ہے، موجد وہی کہلائیگا، جس نے سب سے پہلے مکمل طور پر مدلل اور مرتب طریقہ سے بحیثیت فن فلسفہ یا تعلیم کے اس کو پیش کیا، اقبال کے بعض افکار و خیالات کا دھندلا تصور قدیم فلاسفہ، متکلمین اور صوفیہ کے یہاں ضرور ملتا ہے، مولانا روم تو ان کے روحانی مرشد ہی تھے، اور ان سے ان کا استفادہ معلوم و مشہور ہے لیکن اقبال سے پہلے جن مفکرین کے یہاں ان کے جن تصورات کا سراغ ملتا ہے، وہ محض ضمنی ہیں، اور ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں، اور اقبال کے افکار کے مقابلہ میں ان کا تصور بہت ابتدائی ناقص اور محدود ہے، اقبال پہلے شخص ہیں جنھوں نے ان کو مستقل موضوع بنایا، اور ان کو ترقی دے کر ذرہ کو صحرا، اور قطرہ کو دریا بنا دیا، اور مرتب و مدلل فلسفہ اور تعلیم کی حیثیت سے ان کو پیش کیا، اس لئے اس کو نقل نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک جزوی استفادہ کہا جا سکتا ہے جس سے کوئی مجتہد اور مفکر بری نہیں، اور اس سے اقبال کے کلام کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا، لیکن یہ مضمون بعض پہلوؤں سے مفید ہے، اس لئے اس کو پیش کیا جاتا ہے"

"م"

محترمی حضرت العلامہ مولانا صاحب

سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ شرف صدور لایا، "اقبال کے نظریۂ خودی" کے متعلق مین آپ سے گذارش کرنا چاہتا ہون،

آپ نے لکھا ہے کہ "اقبال سے پہلے خودی کا لفظ خودشناسی کے معنون مین کسی دوسرے شاعر نے استعمال نہین کیا ہے، اور نہ صوفیون کے کلام مین نظر سے گذرا ہے، بلکہ خودی کا لفظ ان کے یہان استکبار اور خود پسندی کے معنوں میں آیا ہے"

حقیقت مین یہ درست ہے کہ اقبال سے پہلے صوفیہ اور شعرا نے لفظ خودی کو اکثر غرور رہی کے معنی مین استعمال کیا ہے لیکن اقبال نے جہان خودی کو خودشناسی کے معنی مین استعمال کیا ہے، وہ ایک حد تک صوفیہ کے فلسفۂ تعینِ ذات و عرفانِ نفس کے معنی مین ہے لیکن اکثر مقامات پر قومی خودی کے احساس و آگہی اور خودداری کے انقلابی اور فلسفیانہ معنون مین استعمال کیا گیا ہے، اقبال کی یہ خودی خودشناسی کے مفہوم و مقصد سے قریب تر ہے، اس لئے اس مین اور صوفیہ کے نظریۂ خودشناسی مین کوئی اختلاف نہین رہتا اور اس معنی مین خودی عرب و عجم کے بہت سے اکابر و بزرگان اسلام بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام تابعین عظام اور ائمۂ دین اور اولیا و صلحائے اُمت کے ارشادات کا نچوڑ ہے۔ میرا مقالہ (اقبال کا نظریۂ خودی اور حافظ کی بیخودی) اسی نصب العین پر لکھا گیا ہے، یہ ناچیز مطالعہ اور غور و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے، کہ نظریۂ خودی جسے اقبال نے اپنایا ہے، نیا نہین بلکہ "مئے کہن در بادۂ نو" کا مصداق ہے،

اس بات کو مین یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ اقبال سے پہلے اس نظریہ کے حقیقی مبلغ میرے نانا بزرگوار علیہ الرحمۃ کے رہبر برحق حضرت علامہ مولانا الحاج سید گل حسن شاہ صاحب حسن قلندر ثانی قادری پانی پتی قدس سرہٗ مصنف و مؤلف "تذکرۂ غوثیہ" "تعلیم غوثیہ" تھے،

ان کے ارشادات اور شاعرانہ نکات کا بھی اقبال پر اثر پڑا ہے، اقبال کی تمام تعلیمات کی روح، اور نظریۂ خودی کی اساس اقبال کے الفاظ مین "خودی اور خدائی اور فقر مین شہنشاہی" ہے، وہ فرماتے ہین :-

بے ذوق نمو زندگی موت ۔ تعمیر خودی مین ہے خدائی

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند ۔ سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبحگاہی ۔ کہ خودی کے عارفون کا ہے مقام پادشاہی

حضرت علامہ حسن پانی پتی "تعلیم غوثیہ" مین تحریر فرماتے ہین :-

"طو بائے شریعت پر صوفیون کی نغمہ سرائی طائرانِ سدرہ کی زمزمہ سنجی سے بالاتر ہی، خودی مین
خدائی رعیت مین بادشاہی" کے مزے جو صوفیون نے لوٹے، دوسرون کو خواب مین بھی نصیب نہ ہوئے"

یہ کتاب ۱۹۱۹ء مین طبع ہوئی ہے، مجھے یہ معلوم نہین کہ علامہ اقبال نے کب نظریۂ خودی کو اپنا کر اس کی اشاعت کی؟ میرے نانا بزرگوار علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق اقبال نے حضرت قلندر صاحب سے بھی استفادہ کیا تھا[۵۱] اس لئے گمان غالب ہے کہ اقبال نے اس حکیم العصر اور مجتہد صوفی کے نظریۂ خودشناسی "خودی مین خدائی" کو بھی زیرِ نظر رکھا ہے، بلکہ اس سے قبل ان کے مرشد بزرگ کے وصال پر جو مثنوی فارسی میں دورِ آخر کے نام سے لکھی تھی (تذکرۂ غوثیہ مین موجود ہے) اس مین بھی یہ نظریہ موجود ہے، بلکہ ان کے طرزِ بیان، آرٹ اور اسلوب و الفاظ کو بھی اقبال نے اپنا یا ہے، مولانا حسن پانی پتی ایک عارف کامل ہونے کے ساتھ باکمال شاعر و ادیب و فلسفی اور حکیم و فاضل الٰہیات بھی تھے، اور پھر حضرت مولانا اسماعیل میرٹھی مرحوم سے ان کے خاص تعلقات و روابط بھی تھے، کیونکہ مولانا اسماعیل مرحوم اعلیٰ حضرت مولانا الحاج سید غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری پانی پتی کے خاص مریدون مین سے تھے، شاید اقبال نے اُن کے ذریعہ علامہ تک رسائی حاصل کی ہو، یہ مجھے معلوم نہین کہ مولانا اسماعیل میرٹھی اقبال کے ہم عصر تھے یا نہین؟[۵۲]

اقبال نے بچون کی شاعری کا طرز ایک حد تک اسماعیل کی پیروی سے لیا ہے[۵۳] حضرت سید غوث علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ میرزا غالب دہلوی سے ملاقات کر چکے ہین، حضرت علامہ حسن پانی پتی دورِ آخر مین لکھتے ہین :-

جانِ تو خود جانِ جانانِ زندگی است	از تو خرم بوستانِ زندگی است
سالہا گردیدۂ در بحر و بر	ہم تو خود مقصود بودی از سفر

---

۵۱ معارف :- اقبال نے خودی کے تصور کو سب سے پہلے اپنی مثنوی اسرارِ خودی مین پیش کیا ہے، جو تعلیم غوثیہ کی اشاعت سے پانچ سال پہلے ۱۵ء مین شائع ہو چکی تھی، اور ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف مین بھی کچھ عرصہ لگا ہوگا، اس لحاظ سے اقبال کے خیالات تذکرہ غوثیہ کی اشاعت سے زیادہ قدیم ہو جاتے ہین ۵۲ معارف مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی وفات ۱۹۱۷ء مین ہوئی اس لئے اقبال کی جوانی اور مولوی اسماعیل صاحب کا بڑھاپا ہم عصر تھے، لیکن یہ معاصرت غوث علی شاہ صاحب سے اقبال کے توسل کا ثبوت نہین یہ محض قیاس ہی ۵۳ معارف :- اقبال کے کلام مین بچون کی صرف چند نظمین ہین، وہ بھی انگریزی نظمون سے ماخوذ ہین ان مین اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز مین کوئی مناسبت نہین

بحرِ توحیدِ الٰہی خود توئی — بے تعین بے تشخص بے دوئی
مستی صہبائے تو چوں جوش زد — کے شود شورِ من و تو گوش زد
بے خودی بزمِ خودی آراستہ است — نعرہا از خامشی برخاستہ است
اے ندیم الشمس نجم الدین بیا — نعرۂ دیگر بزن لب برکشا
باز بنشیں در خراباتِ سخن — معنی اندر شیشۂ الفاظ کن
باز گو حرفے ز سلطانِ جلیل — تا نہ گردد قصۂ ہجران طویل
اے درخشاں کوکبِ نورِ قدیم — از کجا جوئیم انفاسِ کریم
از کجا جوئیم گلبانگ سرور — از کجا یابیم آن اُنس و حضور
از کجا جوئیم قربِ اختصاص — اے درِ تو قبلہ گاہ عام و خاص
پرتوِ حالِ تو پاک است از عمل — استوار و پائدار و بے خلل
پرتوِ حالِ تو پاک از فہم عام — ہست لاشرقی و لاغربی مدام
پرتوِ حالِ تو اے سلطانِ حال — ہست بالاتر ز پروازِ خیال
ذاتِ تو پاک است از حال و مقام — شہپرِ عنقائے تو بشکست دام
کشفِ ہر حالے ز تو باید کشود — ہر مقامے از تو میگردد وجود
نقدِ حالِ تست ذاتِ پاک تو — ذاتِ پاک تست درادراکِ تو
خضرِ ربانی و فردِ کاملے — عارفِ بیباک مردِ کاملے
پاک و بیباک و مجرد از عمل — شاہبازِ اوجِ افلاکِ ازل
زندۂ جاوید پاک از جسم و جان — شہسوارِ عرصہ ہائے بے نشان

مسئلہ حیات بعد الممات

پاک را کے مرگ آید در خیال — زندہ را مردن بود امرِ محال
وصلِ او دائم بود با زندگی — ذاتِ او را زندہ گویا زندگی
زندۂ را حلقۂ ماتم چرا است — از پئے گنجِ مسرت غم چرا است
زندۂ در زندگی بے پردہ شد — مردگان را دل چرا آزردہ شد

مردِ آن باشد کہ دیدش زندگی ست — بیش و ہم خویش اندر بندگی ست

علم و عرفان نیست گشتہ غرق شد — زورقی اندر بحرِ وحدت غرق شد

فرقہ را نبود مقام و منزلے — غیر دریا نیست او را ساحلے

بارگاہ او ست بے جا و مقام — نے نشانے باشدش نے ہیچ نام

ہر کجا سر برزند خود جاے اوست — بے سر و سامانیش ماواے اوست

فلسفہ زمان و مکان اور وقت

ہست آزاد و ندارد پاے بند — نے اسیر وقت و نے در جاے بند

ہم زمان و ہم مکان خیزد از و — اعتبار جسم و جان خیزد از و

نامرادی ہم از و مقصود ہم — عبد از پیدا شود معبود ہم

ہست خود تنہا و ہم خود انجمن — گاہ ہے نوی گر دو و گاہ ہے کہن

اب اقبال کے یہ خیالات

تو کہ از اصل زمان آگہ نۂ — از حیاتِ جاودان آگہ نۂ

وقت را مثل مکان گستردۂ — امتیاز دوش و فردا کردۂ

خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زنّاری — نہ ہے زمان نہ مکان لا الٰہ الا اللہ

صد جہان پوشیدہ اندر ذاتِ او — غیر او پیدا است از اثباتِ او

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم

از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

در جہانِ نتوان اگر مردانہ زیست — ہمچو مردان جان سپردن زندگی است

ڈھونڈھتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو — آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں

قلندر صاحب کے نظریات سے کتنے قریب ہیں، اور پھر مقام قلندریت و فقر و غنا، حضرت قلندر صاحبؒ قبلہ کی توجہات و تعلیمات کا نچوڑ ہے،

حضرت علامہ حسن پانی پتیؒ کی اردو شاعری اور شاعرانہ آرٹ سے اقبال نے بہت نمایاں

ؔ۵ اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں (اقبال)

فائدہ حاصل کیا ہے :-

آپ مدحِ مرشدِ عالی میں لکھتے ہیں :-

اے ضیاء الشمس نجم الدین حسن — مشرق الانوار نور ذو المنن
لب پہ آیا نام شہ غوث علی — بے تکلف کھل گئی دل کی کلی
پھر ہوا سبزے کو لہرانے لگی — باغ معنی میں بہار آنے لگی
پھر لگا دی ابر رحمت نے جھڑی — پھر وہی بادِ بہاری چل پڑی
پھر وہی محمل وہی ہے کاروان — ناقہ سرمست وحدی خوان ساربان
پھر اُسی منزل میں جا کھولی کمر — دشت چٹیل اور ویرانہ نگر
پھر کھلا درِ حجرۂ انوار کا — قفل ٹوٹا قبۂ اسرار کا
پھر وہی صحبت وہی لیل و نہار — پھر لگے ہونے دُرِ معنی نثار
پھر خزانہ غیب کا لٹنے لگا — رشک سے حاتم کا دم گھٹنے لگا
پھر لگی سانچے میں ڈھلنی بات بات — عارفانہ رمز و مردانہ نکات
پھر الاپے نے نئے اسرار قدم — ذرّہ ذرّہ بن گیا منصور دم
پھر وہی ساغر وہی بزم سرور — پھر لگا بہنے وہی دریائے نور
اے تجلّیِ اخیرِ ذو الجلال — تھا کمالِ بندگی تیرا کمال

ہاں محمد وار تو نام خدا
کر گیا ہے بندگی کا حق ادا

یہی اقبال کا فلسفۂ عبدیت "ھُوَ عَبْدُہٗ" ہے، جسے علامہ نے جاوید نامہ میں بیان فرمایا ہے

ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ جان — قول و فعل و حال سے تیرے عیان
خوب توڑا تو نے ہر بندِ کہن — تھا مگر توحید رضؔ خیبر شکن

فلسفۂ اسرار زمان اور "الوقت سیف قاطع" پر اقبال کے نظریات اسی حقیقت کے مظہر ہیں :-

ہر توسّل سے تجھے اعراض تھا — شیر خوار مبدأ فیاض تھا،
داد حق تھی تیری قوت اور قوت — تھا خیالِ غیریت عنکبوت

فقر فخری کی صدا بھائی تجھے ‏ ‏ ‏ حق نے بخشی ارث آبائی تجھے

مدتوں کے بعد ایک "آدم" بنا ‏ ‏ ‏ ہفت خوانِ فقر کا رستم بنا

علامہ کی فلسفیانہ نظم "سیر آدم" "حضرتِ انسان" "فقر وجود" وغیرہ اسی نظریہ کی آئینہ دار ہیں،

شاذ و نادر کوئی شہبازِ جلال ‏ ‏ ‏ کھولتا ہے اس ہوا میں پر و بال

علامہ کے شاعرانہ کنایے شہباز و شاہین وغیرہ کی نظمیں اسی نقطۂ نظر کی ترجمان ہیں،

شیخ و صوفی پارسا زاہد بہت ‏ ‏ ‏ ہے مگر مردِ خدا عنقا صفت

غوثِ اعظم یا جنید و بایزید ‏ ‏ ‏ یا نظام الدین و یا بابا فرید

یا معین الدین عطار و شہاب ‏ ‏ ‏ اپنے اپنے وقت کے تھے آفتاب

مجمع البحرین تجھ سا بعد ازاں ‏ ‏ ‏ گردشِ دوراں نے دیکھا تھا کہاں

لاکھ چکر کھائے گا جب چرخِ پیر ‏ ‏ ‏ لائے گا تجھ سا کوئی مہر منیر

اے محیطِ اولین و آخرین ‏ ‏ ‏ آفریں صد آفریں صد آفریں

ذات کا آئینۂ کامل بنا ‏ ‏ ‏ یہ امانت تھی کہ تو حامل بنا

حامل و محمول میں یاں فرق کیا ‏ ‏ ‏ شمسِ ربانی کو شرق و غرب کیا

تھا نہایت معتبر پکا امین ‏ ‏ ‏ تیرا پیمانہ کبھی چھلکا نہیں

ظرفِ عالی بسکہ دریا نوش تھا ‏ ‏ ‏ خم کدے خالی کئے پہ ہوش تھا

مردہ روحوں کے لئے تھی زندگی ‏ ‏ ‏ زندگی وہ جس کو ہو پایندگی

تیرے دم سے حشر روحانی ہوا ‏ ‏ ‏ صاف و صیقل گوہر کانی ہوا

صور پھونکا تو نے جس کی جان میں ‏ ‏ ‏ جو ہوا سو ہو گیا اک آن میں

جس کسی پر تو نے پھونکا ہے فسوں ‏ ‏ ‏ اک نہ اک دن اس کو ابھریگا جنوں

رسم و عادت کا گریباں پھاڑ کر ‏ ‏ ‏ دینِ تقلیدی سے دامن جھاڑ کر

کفر پر یاروں کے ایمان لائے گا ‏ ‏ ‏ دار مردوں کا نہ خالی جائے گا

"فقر محتاجِ خدا ہرگز نہیں ‏ ‏ ‏ فقر عینِ ذاتِ حق ہے بالیقین

فقر فقر آیا تو کیا باقی رہا ‏ ‏ ‏ بادہ کش باقی نہ خود ساقی رہا

تو قلندر رند تھا کونین سوز سیف قاطع تھا نہ تھا تو بخیہ دوز
تا لبِ دریا ہیں آثار و طریق عین دریا میں ہیں سب راہیں غریق
کس کی طاقت تھی کہ تجھ کو دیکھتا لاکھ پردوں میں ہیں مردانِ خدا

علامہ کی قلندریت ان کے صوفیانہ نظریئے اور شاعرانہ آرٹ پر قلندرؔ صاحب کی بلندی فکر اور آفاقی جذبات کا پرتو ضرور پڑا ہے،

حضرت مولانائے رومی سلیمان و بلقیس کی حکایت میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اے تو در پیکار خود را باختہ دیگران را تو ز خود نشناختہ
این تو کے باشی کہ تو آن اوحدی کہ خوش و زیبا و "سرمست خودی"

(دفتر چہارم)

اس کی شرح میں مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں:۔

" حاصل آن کہ او با وحدتِ ذاتیہ خود خوش و زیبا ہم اوست و سرمست و عاشق خودی خود است" او را در شاہی زیبا شدہ ظاہر شدہ او خود مرغ است و در شانے خود صید خود است و فرش خود است و بام خود ست و خلاصہ آن کہ او ہمہ موجودات ست و در ہر شانے بہیچے ظاہر شدہ کہ در شان دیگران بہیچ نیست"

کیا مولانا نے "سرمستِ خودی" کو خود شناسی کے معنی میں لکھا ہے،

خواجہ عطار فرماتے ہیں:۔

کفر در تسبیح حق باشد حرام از مسلمانی بجو از کفر تام
کفر پوشیدن "خودی خود بحق" او بگیر از دین و از برخوان سبق

اس کے کیا معنی ہیں، اقبال کا کہنا ہے "خودی ما از وجود حق وجود ے"

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی نہ ہو تو مردِ مسلمان بھی کافر و زندیق

کیا مولانائے روم علیہ الرحمہ اور خواجہ عطار نے لفظ "خودی" خود شناسی کے لئے یا عرفانِ نفس کے لئے استعمال کیا ہے:۔

اقبال نے اسرار خودی کے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ ہاں لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کردینا

ضروری ہے، کہ یہ لفظ اس نظم مین بمعنی غرور استعمال نہین کیا گیا، جیسا کہ عام طور پر اردو مین مستعمل ہے، اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعین ذات ہے، مرکب لفظ بیخودی مین بھی اس کا یہی مفہوم ہے، اور غالباً محسن تاثیر کے اس شعر مین بھی لفظ خودی کے یہی معنی ہین،

غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نہ زند بود محال کشیدن میانِ آب نفس

اور ڈاکٹر نکلسن کے خط مین یہ لکھا ہے کہ خودی پر استدلال قرآن اور اسلامی فلسفہ اور صوفیہ کے نظریات و مشاہدات سے بھی کیا جا سکتا ہے، تو پھر تصوف کے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاطونیت وعجمیت ہے، یا ویدانت و بدھمت فلاسفی کا مرہونِ منت ہے، کہان تک درست ہے ؟ کیا اقبال کا یہ نظریہ یورپ کے مستشرقین کی غلط فہمیون کی وجہ سے پیدا نہ ہوا تھا ؟

آخری دور مین علامہ نے خود تسلیم کیا ہے کہ میرے خیالات مین اب بہت انقلاب آچکا ہے، یہ سرسری مطالعہ کے اثرات ہین، امید کہ آپ اس طویل سمع خراشی کے لئے مجھے معاف فرمائین گے اور اپنے گران قدر خیالات سے استفادہ کا موقع مجھے بھی عنایت فرمائین گے، "والسلام"

اعلان

ہندستانی اکیڈمی یو پی، الہ آباد کی مجلس عاملہ نے اردو کی مطبوعہ کتابون پر پانسو روپئے سالانہ انعام دینے کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ

۱- ہر سال مندرجۂ ذیل مضمونون مین سے ایک پر سلسلہ وار انعام دیا جایا کرے گا،

(الف) شعر اور ڈراما (ب) ناول اور مختصر افسانے (ج) مضامین (عام اور انتقادی) (د) تاریخ اور حیات نگاری (ھ) فلسفہ (و) نیچرل سائنس،

۲- انعام ۱۹۴۵ء مین شعر اور ڈراما کی کتابون پر دیا جائے گا،

۳- شعر اور ڈراما کی صرف اُن کتابون پر غور کیا جائے گا، جو ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء کے بعد شائع کی گئی ہین،

پبلک، اہلِ علم حضرات اور طابعین و ناشرین سے درخواست ہو کہ ہندوستانی اکیڈمی کو مندرجہ بالا تاریخ کے بعد شائع شدہ شعر اور ڈراما کی کتابون کے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائین تاکہ ابتدائی انتخاب کے وقت اُن پر غور کیا جا سکے اور منتخب کتابون کے متعلق جج اُن کی کمیٹی فیصلہ کر سکے،

سکریٹری ہندستانی اکیڈمی الہ آباد

استفسار و جواب

جبر و قدر

جناب خان محمد صابر صاحب
خانقاہ ڈوگران ضلع شیخوپورہ پنجاب

"قرآن مجید کے پہلے سیپارہ مین ارشاد خداوندی ہے ختم اللہ علیٰ قلوبھم الآیۃ اللہ نے ان کے دلون اور کانون پر مہر کی اور آنکھون پر پردہ ہے ان کے لئے عذاب عظیم ہے" اگر خدا ہی نے ان کے دلون اور کانون پر مہر لگائی ہے، اور اسی وجہ سے وہ گناہ کرتے ہین، تو ان کا کچھ قصور نہین، یہ قصور خدا ہی کا ہے، ایسی حالت مین ان کو سکھ دکھ یا گناہ و ثواب نہین ہو سکتا؟ پھر خدا ان کو سزا و جزا کیون دیتا ہے، کیونکہ انھون نے گناہ یا ثواب خود مختاری سے نہین کیا، یا اولاد سب کے یہان ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے، مگر پیدا ہونے کے بعد کوئی گورا ہوتا ہے، کوئی کالا، کوئی امیر، کوئی غریب، کوئی اندھا، کوئی لولا، اس کی کیا وجہ ہے"،

معارف ۱- انسان کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ اور نیت کی آزادی بخشی ہے، وہ اپنے اسی اختیار سے خیر یا شر کو اختیار کرکے ثواب یا عذاب کا مستحق ہوتا ہے، قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (کہف - ۴) جو چاہے ایماندار بنے اور جو چاہے کافر بنے،

۲- انسان جس پہلو کو اپنے اختیار سے پسند کرتا ہے، اور اس کام کو کرتا ہے، تو بار بار کرنے سے وہ کام اس پر آسان ہو جاتا ہے، اور اس کا عادی ہو جاتا ہے، خواہ وہ شر ہو خواہ خیر ہو، اگر کام خیر اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے، اس کو توفیق اور ہدایت کہتے ہین، اور اگر شر آسان ہو جاتا ہے، تو اس کو اضلال (گمراہی) اور خذلان (عدم توفیق) کہتے ہین،

۳- ان دو باتون کے سمجھ لینے کے بعد آپ یہ سمجھین کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کو جو فرمایا ہے، وہ وہی

عدم توفیق ہے، یہ عدم توفیق اور مہر لگانا نتیجہ ہے انسان کے اپنے فعل کا جس کو اس نے پہلے اختیار سے کیا، اوس کا نتیجہ دل و دماغ پر مہر ہے یعنی وہ اب احکام خداوندی اور نصائح سے مستفید ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھا،

۴- اب جس آیت کو آپ نے پیش کیا ہے اور بھی بہت سی آیتین اس معنی کی قرآن مین ہین، مگر ان سب آیتون مین کفار اور فساق اور ان کے فعل بد اور اختیار شر کا ذکر پہلے ہے، اور مہر یا اضلال اور عدم توفیق کا ذکر اس کے نتیجہ کے طور پر ہے یعنی ان کا معلول اور نتیجہ ہے، لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہین، کہ مہر خداوندی یہ علت ہے اور بندہ کا اختیار شر معلول اور نتیجہ ہے،

۵- یہان غور فرمائین اوپر یہ ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ	(بقرہ - ۱)	جن لوگون نے کفر کیا برابر ہے ان کے لئے
ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ		چاہے ان کو تم ہشیار کرو یا نہ ہشیار کرو،

دیکھئے پہلے انھون نے اپنے اختیار سے کفر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق ان سے روک لی، اور پھر ان کے کفر پر اصرار اور بار بار عمل کرنے سے خیر کی توفیق ان سے سلب ہوگئی، اور شر کا کام آسان ہوگیا، یہی اللہ تعالیٰ کی مہر ہے، یہ نہین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ پر پہلے مہر کر دیا، اور اس کے سبب سے وہ کفر پر مجبور ہوگئے، بلکہ پہلے انھون نے کفر کا کام کیا، اور جیسے جیسے وہ کام کرتے گئے، خیر کے راستے بند ہوتے چلے گئے، یہی وہ مہر ہے، اسی سورہ بقرہ مین دو رکوع کے بعد دوسری آیت ہے :-

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ		اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ سے بہتون
كَثِيْرًا ۔	(بقرہ - ۳)	کو گمراہ بناتا ہے اور بہتون کو راہ دکھاتا ہے،

اس کے بعد ہی فوراً ہے :-

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ...		یعنی اور اللہ تعالیٰ گمراہ نہین کرتا مگر ان کو
.. ..		جو اللہ تعالیٰ کے حکم نہین مانتے ہین، اور
.. .. ..	(بقرہ - ۳)	اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتے ہین،

یہان بھی دیکھئے اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ کا فسق و فجور سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی عدم توفیق جس کو گمراہی کہا ہے اس کے نتیجہ کے طور پر پیچھے ہے،

ایک اور آیت مین ہے :-

بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ ، (النساء - ۲۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب سے ان پر مہر کر دی ،

دوسری آیت اور ہے :-

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن ۴) یعنی اور اسی طرح اللہ ہر مغرور ظالم کے دل پر مہر لگا دیتے ہین ،

یہان بھی غرور اور ظلم اختیاری سبب ہے، اور مہر اس کا نتیجہ ،

امید ہے کہ اب بات آپ کی سمجھ مین آگئی ہوگی، اور اعتراض رفع ہو کر تسکین پیدا ہو گئی ہوگی، مین اس وقت بحالتِ سفر یہ چند سطرین لکھ رہا ہون، اپنے مقام پر ہوتا تو تفصیل سے لکھتا، مولانا شبلی مرحوم کا ایک مضمون مقالات شبلی مین مسئلہ قضا و قدر ہے، اس کو ضرور پڑھیں ،

والسلام "س"

(۱) کیا خلقی معذورین کی پیدایش انصاف الٰہی کے خلاف ہے؟

(۲) عثمانی و حسینی شہادتین

جناب خان محمد صابر صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب ، دو ایک مسائل کے متعلق پہلے کی طرح مفصل روشنی مین اپنی اور بعض احباب کی تشفی کے لئے رائے عالیہ درکار ہے، لیکن اتنا عرض ہے کہ آپ جتنی تفصیل سے ارشاد فرمائین گے، وہ بہت بہتر رہے گا، چونکہ پہلے مسئلہ کا حل ایک ہندو دوست کی تسلی کے لئے درکار ہے، جو یہ کہتا ہے کہ اگر میری عقلی طور پر تسلی ہو جائے، تو مین مع اپنے اہل و عیال کے حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤن گا، لہذا متمنی ہون کہ اس مسئلہ پر عقلی لحاظ سے روشنی ڈالی جائے، اور کتابی حوالون سے گریز فرمایا جائے ،

۱- حل طلب امر یہ ہے کہ اولاد سب کے ہان ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے، مگر کوئی گورا ہوتا ہے اور کوئی کالا، کوئی امیر، کوئی غریب، اس مین مولود کا کیا قصور ہے، کہ وہ سیاہ ہو یا غریب الحال

خدا تو منصف ہے، اور دوسری طرف مولود بھی معصوم، ہان اگر مولود کے والدین سے کوئی غلطی ہوئی ہے، تو اس کا بدلہ اُن والدین سے لینا چاہئے، نہ کہ اس (بچہ) سے، اور اگر والدین کا بدلہ (بچہ) سے لیا جائے، تو اس کے عدل مین شک آتا ہے، اس چیز کا جواب عقلی درکار ہے،

(۲) شہادتِ حسینؓ و عثمانؓ مین سے کون سی شہادت افضل ہے، بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حضرت عثمانؓ اپنے گھر مین بیٹھے ہین کسی کو جا کر چھیڑا نہین، تنگ نہین کیا، اور شہید ہوتے ہین، مگر دوسری طرف حضرت حسینؓ یزید کے ملک مین چل کر جاتے ہین، اعزہ و اقارب کے روکنے سے بھی نہین رُکتے، حقوق کی حفاظت ہر بادشاہ کرتا ہے،

۳- مرزا حیرت دہلوی کے حالات پر بھی روشنی درکار ہے، وہ کس عقیدہ کے تھے، اور ان کے بیانات متعلق واقعہ کربلا کہان تک صحیح ہین، "والسلام"

ردِ تناسخ کے ذریعہ ابطال

معارف (۱) جی ہان اگر آپ کے دل مین یہ شبہہ تھا، تو اس کو پہلے ہی صاف طریقہ سے لکھنا تھا، آپ نے تو جبر و قدر کے مسئلہ کو پہلے دریافت کیا تھا، اس کا جواب دیا گیا، اب جو سوال آپ نے کیا ہے، یہ حقیقت مین تناسخ کے ماننے والون کی طرف سے ہے، اور ان کے نزدیک تناسخ کے عقیدہ سے اس مشکل کا حل ہو جاتا ہے، تو یہ غلط ہے، اس پر حسب ذیل اعتراضات ہین،

۱- ہر زندگی کو پچھلی زندگی کا نتیجہ ماننے سے تو ہر شخص مجبور محض ہو گا، پھر وہ اپنی زندگی مین اپنی اصلاح کیسے کر سکتا ہے، پچھلے کرم کے ہاتھون وہ ہر عمل مین پابند ہے، پھر اختیار کہان رہا جو اپنے کو بنائے

۲- ہر سزائے دنیاوی سے مقصود اصلاح ہے اور اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے، جب اوس کو اپنے جرم کی خبر اور اپنی سزا کا احساس ہو، حالانکہ نہ کسی کو اپنی پچھلی بدکاری کی نہ اس زندگی مین خبر نہ اپنی سزا کا کوئی احساس ہے، کیونکہ کسی کو اپنی پچھلی زندگی کا اس زندگی مین کوئی شعور ہوتا ہے، پھر اصلاح کیسے ہو،

۳- ہندوؤن کے چار ورن یا ذات ان کے دعوے کے مطابق شروع سے ہین، اور تمام جانور وغیرہ بھی، پھر جزا کے طور پر انسانون کا ان چار ورنون اور جانورون کی صورت مین ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

۴- انسان کی اس زمین مین آبادی ان مخلوقاتِ حیوانی و نباتاتی کے وجود پر موقوف ہے، پھر آغاز عالم مین ان چیزون کے بغیر انسان کی آبادی کا خیال گویا محال ہے،

۵- شروع میں تو سب ہی انسان بھلے اور کرم کے بغیر ہوں گے، تو پھر ان کی جو کیفیت بھی ہو اچھی یا بُری، وہ کیونکر پیدا ہوئی،

۶- جو شخص کہ انسان ہو کر اچھا نہ بنا وہ جانور ہو کر پھر کیسے اچھا بنے گا،

۷- اس عقیدہ والوں کے مطابق چونکہ نئی روح کہیں سے نہیں آتی، تو چاہئے کہ انسانوں کی موت اور پیدایش کی تعداد برابر ہی رہے، حالانکہ یہ مردم شماری سے ثابت نہیں،

۸- پھر چاہئے کہ کسی قوم کی مردم شماری میں ترقی و تنزل نہ ہو،

۹- اس عقیدہ کے مطابق انسان کی دوبارہ پیدایش گناہ کا نتیجہ ہے، پھر اس کے ماننے والوں کو چاہئے کہ اپنی تعداد اور مردم شماری کے اضافہ کو اپنے گناہوں کی ترقی سمجھ کر خوش ہونے کے بجائے افسوس کیا کریں،

۱۰- بیماری اور اندھا، بہرا، گونگا ہونا جب گناہ کی سزا ہے تو اس سزا کو انسانی تدابیر سے دور کرنے کی فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سزا کو ہٹانا ہی جو سراسر پاپ ہونا چاہئے،

اور بھی اس عقیدہ کے ماننے میں خرابیاں ہیں،

اب اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے مختلف پیدایشی احوال کا جواب جو ہے، وہ بعد کو عرض کروں گا، پہلے اس نظریہ کی غلطی تو ثابت ہو جائے جو فریق مخالف پیش کرتا ہے، اس عمارت کے انہدام کے بغیر دوسری عمارت اس کی جگہ نہیں بن سکتی،

عثمانی و حسینی شہادتیں

(۲) حضرت عثمان اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی ذاتی شہادتیں باعتبار نوعیت کے یکساں ہیں لیکن خاندانی حوادث کے شمول کی بنا پر واقعہ کربلا کی غمگینی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے صبر و ابتلا کی شدت زیادہ ہے، والسلام "س"

اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے پیدایشی احوال کا اختلاف

جناب خان محمد صابر صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ (پنجاب) } گرامی نامہ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۴۵ء وصول فرمایا ہوا، یادآوری اور کرمفرمائی کا شکریہ،

میرے تین سوالات کا جواب صادر ہوا ہے جن میں سے دو سوالوں کے متعلق مزید معلومات درکار ہیں

۱۔ دراصل سوال تھا کہ اسلام ارواح کا مادی دنیا میں صرف پہلی دفعہ ہی آنا ظاہر کرتا ہے یہ نہ اس سے پہلے آئی ہیں اور نہ بعد میں آئیں گی، بدیں حالات خدا سے وحدہٗ لاشریک کی تقسیم میں مساوات چاہیئے تھی، پھر یہ فرق کیوں ؟

اس مسئلہ کا حل اسلامی نقطۂ نظر سے درکار ہے اور اس میں انسانی پیدائش خصوصاً مولود کے امیر غریب گورے کالے وغیرہ ہونے کا ذکر بھی آجانا چاہئے تھا، آپکے ارسال کردہ جواب سے میں اپنے دوست کی تشفی نہیں کرسکا، محض اس خیال سے کہ سوال کرنے والا ہندو ہے، آپ نے مسئلہ تناسخ کو درمیان میں لے لیا ہے، اگر ایسا بھی ہو کہ سوال کنندہ مسئلہ تناسخ کی رو سے موجودہ نظامِ قدرت کو سو فی صدی انصاف پر مبنی جانتے تو بھی ہمارا نظریہ یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں اپنے معتقدات کی بنا پر ایسے طریقہ سے استدلال کرنا چاہئے، جو عام فہم ہونے کے علاوہ اتنا موثر ہو کہ مخالف کے دل و دماغ میں گھر کر جائے اور وہ بھی اسے تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو جائے نہ کہ اسی کے معتقدات کا رد کرنا، بہرحال آپ کے لئے ایسے اسلوب بیان کا پیدا کرلینا بھی کچھ مشکل نہیں،

جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے (مسئلہ تناسخ پر دس اعتراض) یہ اگر اس وقت ہوتا جب ہم اپنے خدا کو اپنے معتقدات کی بنا پر عادل ثابت کرنے میں معذور ہوتے، یا مخالف خود مسئلہ تناسخ کو بیچ میں لے آتا تو اس کے عقائد کو قطع کرنے کے لئے ہمارا یہ استدلال ضرور کارآمد ہوتا، مگر یہاں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مدمقابل کا یہ اقدام مناظرانہ نہیں بلکہ صرف متعلم نہ ہے کہ شاید تائید ایزدی آپ کی وساطت سے ہی اسے گمراہی سے نکال کر صراطِ مستقیم پہ لے آئے، اور یہ فلاح پا جائے،

۲۔ بقول آپ کے شہادتِ حسینؓ کو خاندانی شمولیت کے باعث شہادت عثمانؓ پر تفوق ہے اگر خاندانی شمول ہی کو لیا جائے تو حضرت عثمانؓ بھی اس تعلق سے خارج نہیں کیونکہ اگر حضرت حسینؓ نواسۂ رسول ہیں تو حضرت عثمانؓ داماد رسول ہیں وہ حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم کے تحت جگر ہیں تو یہ خود خلیفہ برحق وغیرہ تو پھر یہ تفوق کیسا؟ یہی خوش اعتقادی تو یہ ضرور چاہئے مگر ایک طرفہ نہیں بہرحال مفصل رائے مطلوب ہے ؟

معارف:۔ میں راندیر و سورت کے سفر میں تھا، ۳۱ر جولائی کو واپس آیا، افسوس ہے کہ آپ نے میرے جواب کی قدر نہ فرمائی، میں مخالف کو خاموش کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کے قلب میں طمانیت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس لئے میں نے جو طریقہ مناسب سمجھا، وہ اختیار کیا، اس کے جواب میں آپ کو یہ

لکھنا چاہئے تھا، کہ تناسخ کے ذریعہ سے اس کا جو فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ بے شبہہ غلط ہے، اب آپ اسلام کے رو سے اس کو حل کیجئے، جب تک پچھلا دروازہ پہلے بند نہ کر لیا جائے سامنے کا دروازہ نہیں کھولا جا سکتا، اب آپ ہی غور کریں کہ میرا طریقہ حکیمانہ تھا یا نہیں، اب بھی آپ اس طریقہ پر عمل فرما سکتے تھے، بہرحال اب میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ آپنے یہ مان لیا کہ تناسخ کے ذریعہ سے اس مشکل کا حل نہیں ہو سکتا، اب میرا سوال ہے،

۱۔ یہ کیوں ضروری ہو کہ تمام مخلوقات میں مساوات تامہ ہو،

۲۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو ظلم لازم آئے گا،

۳۔ ظلم نام ہے غیر کے اندر بے سبب تصرف بیجا کا، یہاں مخلوقاتِ الٰہی تمامتر اللہ تعالیٰ کے مخلوق و محکوم تابعدار محض ہیں اور اس کی مشیت مطلقہ کے زیر فرمان ہیں، جیسے فرض کیجئے کہ کمہار ایک ہی مٹی سے کوئی مرتبان، کوئی پیالہ، کوئی صراحی، کوئی لوٹا، کوئی تشتری بناتا ہے تو ان ظروف کو اس اعتراض کا کیا حق حاصل ہو کہ مجھے ایسا یا اس کو ویسا کیوں بنایا، اس کی مشیت، خواہش اور ارادہ حاکم مطلق ہے جس کو جو بنانا مصلحت نظر آیا، اس کو اس کے فائدہ ہی کے لئے ویسا بنایا، کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں،

اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں راحت رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں تکلیف، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جس کی قسمت میں راحت رکھی ہے، اس پر کرم فرمایا ہے اور جس کو تکلیف دی ہے اس پر ستم کیا ہے، ورنہ دنیا کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا، کہ نکوکاروں اور اچھے لوگوں پر جو دنیا داروں کے مقابلہ میں تکلیف میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑا نامہربان ہے، اور بدمعاشوں، بدکاروں اور ڈاکوؤں پر اس کا بڑا کرم ہے، جی نہیں، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے امتحان اور ابتلا ہیں، امیر اور غریب جو راحت میں ہیں اور جو تکلیف میں ہیں، دونوں اس دنیا کے تماشا گاہ میں اپنے اخلاق و اعمال کا امتحان دے رہے ہیں، غریب کا امتحان صبر میں اور امیر کا شکر میں ہو رہا ہے، ممکن ہے کہ یہ غریب جیت جائے اور امیر ہار جائے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس امیر کو عذاب و اس غریب کو سراسر راحت دے،

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے تھیٹر کا منیجر کسی ایکٹر کو فقیر کا روپ بھرنے کو کہے اور دوسرے کو شہزادہ کا، اب دونوں اپنا اپنا ایکٹ پیش کرتے ہیں، بالکل ممکن ہے کہ فقیر کا روپ بھرنے والا اپنے ایکٹ میں کامیاب ہو جائے، اور وہ انعام و اکرام کا مستحق سمجھا جائے، اور شہزادہ کا روپ دھارنے والا بالکل ناکام رہے، اور وہ نوکری سے بھی محروم کر دیا جائے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منیجر نے جس سے فقیر کا روپ بھروایا، اس پر ظلم کیا تھا، اور جس سے شہزادہ کا روپ بھروایا اس پر احسان و کرم فرمایا تھا، یہ ظاہر بینوں کا فیصلہ قطعی غلط ہوگا، اور اگر دونوں نے اپنا اپنا ایکٹ ٹھیک کیا تو دونوں برابر کے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہریں گے، یہ نہیں کہ فقیر کو کم اور شہزادہ کو زیادہ ملیگا،

ایک بات سمجھ لیں کہ مذاہب حقہ کے نزدیک یہ دنیا دار الجزا حقیقی نہیں حقیقۃً دار العمل ہے، اس لئے اس دنیا میں جو اختلاف

حال پیش آتا ہے، عموماً گذشتہ عمل کی کلی اور قطعی پاداش نہین، ہان اس دنیا مین کوئی جزوی پاداش اسی دنیا کے کام کی مل سکتی ہے، مثلاً کوئی بدکاری کرے، اس کو امراض خبیثہ ہو جائین، تو یہ جزئی سزا ہے جو مل سکتی ہے اور ملتی ہے، یا جیسے کوئی سڑی گلی غذا کھائے اور اس کو ہیضہ ہو جائے، تو یہ جزئی کام کی جزئی سزا ہے، یہ پوری عمر کے کامون کی کلی سزا نہین،

بہرحال اسلامی عقیدہ مین یہ دنیا عموماً دار العمل ہے کسی گذشتہ زندگی کا دار الجزا نہین، اور تناسخ ماننے والون کے نزدیک یہ زندگی بلکہ ہر زندگی پچھلی زندگی کی جزا ہے، اور یہ جزا اوس کو اس وقت تک ملتی رہے گی جب تک اس کا عمل ختم نہ ہو جائے یعنی اس سے کوئی عمل ہی سرزد نہ ہو یعنی پوری زندگی مین وہ مسلوب العمل رہتے تاکہ عمل کی جزا مین دوبارہ پیدائش نہ ہو، کیا اس نظریہ کو کوئی صحیح الدماغ مان سکتا ہے،

بچون کو طفولیت مین جو تکلیف و راحت ہوتی ہے، اس سے خود بچون کے صبر و شکر کا امتحان نہین، بلکہ ان کے والدین اور سرپرستون کے صبر و شکر کا امتحان ہوتا ہے اور اس پر ان کو جزا ملتی ہے، مثلاً اس دنیا مین اگر کسی کا مکان جل جائے، یا کسی کا اکلوتا لڑکا مر جائے تو تناسخ کا ماننے والا بھی یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ سزا مکان کو ملی یا یہ سزا لڑکے کو ملی، مرنا تو کوئی سزا نہین کیونکہ اس سے تکلیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور ممکن ہے کہ آرام ملے، اب تناسخ کے ماننے والے کو بھی یہی کہنا ہوگا کہ یہ سزا مکان کے مالک اور لڑکے کے والدین یا سرپرست کو ہوئی ہے، یہی صورت حال چھوٹے بچون کے باب مین بھی ہے، اور اس اختلاف حال کا کوئی تعلق پچھلی زندگی کی جزا سے نہیں ہے،

یہ جواب تو مین نے ان مسلمانون کے خیال کے مطابق دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت مطلقہ اور قدرت عامہ پر ایمان رکھتے ہین لیکن مسلمانون کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین سارے قوانین بنا دیئے ہین، اور اشیا مین خواص رکھ دیئے ہین، اب دنیا اسی قانون کے مطابق چل رہی ہے، جیسے قانون بنا دیا کہ آگ جلائے، اب وہ جلا رہی ہے خواہ اس مین کوئی نیکوکار ہاتھ ڈالے یا بدکار، دونون کے ہاتھ جلین گے، قانون بنا دیا کہ سنکھیا کھانے والا مر جائیگا، اب چاہے اس کو ہندو کھائے یا مسلمان دونون مرین گے، اسی طرح بدکاری کی طبعی سزا ہے، اگر کسی کو سوزاک یا آتشک ہو گئی، تو اس کی مقررہ سزا ہے اور اس کے جراثیم خون کے اندر داخل ہو جائین گے اور وہ خون جہان جہان جائیگا اسی بیماری کو پیدا کرے گا، چنانچہ یہ بیماری باپ سے بچے مین پیدا ہو گی، قانون طبعی کے مطابق، مگر روحانی قانون کے مطابق باپ کے جرم مین بچہ شریک ہو کر آخرت مین یا اس دنیا مین مستحق عذاب نہ ہوگا، مگر طبعی قانون کے رو سے ان کو سزا ملتی ہے اور ملتی رہے گی،

اب اگر کوئی بچہ بیمار پیدا ہو یا کوئی اندھا، یا کوئی لنگڑا، یا کوئی کالا کوئی گورا، کوئی ناٹا، کوئی لمبا تو

اس اختلاف کے اسباب طبعی قوانین ہین، روحانی قوانین نہین، اس میں غذا کی خرابی، نطفہ کی خرابی، ایام حمل میں بے ترتیبی کی خرابی، آب و ہوا کا فرق، غرض یہ سب اختلاف احوال قوانین طبعی کے اختلاف سے ہین، اس کا کوئی تعلق اعمال کی روحانی جزائے مطلق نہین ہے اس لئے اس اختلاف حال سے اللہ تعالیٰ کا ظلم و ستم ثابت نہین ہوتا، بلکہ خود انسان کی اپنی غلطی یا قوانین سے جہالت یا قوانین طبعی کی خلاف ورزی وغیرہ ذمہ دار ہے، چنانچہ جاہل ملکون اور قومون مین بچون کی بیماری اور موت کی جس قدر کثرت ہوتی ہے حفظان صحت کے اصول اور قانون سائنس کی نگہداشت سے بہت کمی ہوتی ہے، جیسے یورپ کے ملکون مین شرح اموات اور بچون کی بیماریون کی شرح بہت کم ہوئی ہے، توگیا اس کے معنی یہ ہین کہ یورپ کے لوگ بڑے نکوکار اور ہم ایشیائی لوگ اور ہندستان والے بڑے پاپی ہین، اس سے معلوم ہوا کہ طبعی اختلاف احوال کے اسباب تمامتر طبعی ہین جن کو اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین مقرر فرما دیا اور جس کے مطابق دنیا چل رہی ہے، اور اس اختلاف احوال کا سبب اعمال کے روحانی اثرات مطلق نہین ہین اس لئے اس سے اللہ تعالیٰ کے ستم و کرم پر استدلال قطعاً غلط ہے، اور آپ کا شبہہ تمامتر یہی ہے،

(۲) حضرت عثمانؓ والے جواب کو آپ سمجھے نہین مین نے یہ کہا تھا کہ شخصاً دونون شہادتین یکسان ہین لیکن غم گینی کا حصہ شہید کربلاؓ مین اس لئے زیادہ ہے کہ وہ پورے خاندان کے ساتھ شہید ہوگئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا شہید ہوے، اس لئے حادثہ کربلا کا ابتلا حادثہ مدینہ کے ابتلا سے اس حیثیت سے زیادہ ہے، والحمد للہ، (د س)

طمانیت مستفسر

جناب خان محمد صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب | مکتوب گرامی مورخہ ۵ رمضان المبارک ورود فرما ہوا، آداب و کرم فرمائی کا شکریہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا پہلا خط حکیمانہ مصلحت لئے ہوئے تھا، اور اس کی غرض محض فریق مخالف کے قلب مین طمانیت پیدا کرنا تھا، مگر مین نہیں چاہتا تھا، کہ مخالف کے دل مین کسی قسم کی حسرت یا شک رہ جائے لہذا دوبارہ تکلیف دی، جو خدا کے فضل و کرم سے موثر ثابت ہوئی جس کا یہ اثر ہے کہ وہ صاحب جو پہلے ہر روز آ آ کر پوچھا کرتے تھے کہ کیون سید صاحب قبلہ نے جواب بھیجا، اب سارا سارا دن شکل تک نہین دکھاتے، کئی کئی بار آدمی بھیجا جاتا ہے کہ وہ آئین، مگر بے سود، آپ کے گرامی نامہ کی وسیع تشہیر کیجا رہی ہے، ہدیۂ مبارکباد قبول فرمایئے کہ اس فرعون کے لئے آپ موسیٰ ثابت ہوئے،

معارف:- فالحمد للہ علی ذالک،

مطبوعات جدیدہ

کیفیہ از جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد للعہ غیر مجلد سے پتہ:۔ انجمن ترقی اردو، دہلی ۔

پنڈت جی اردو زبان کے محقق اور صاحب نظر اساتذہ مین ہین، اردو کے مزاج اور اس کی باریکیون پر ان کی نظر بہت گہری اور وسیع ہے، کیفیہ اس کا نمونہ ہے اس مین اردو زبان کی مختصر تاریخ اس کے الفاظ، املا وانشا، محاورات ومعانی وبیان، عروض وقوافی وغیرہ زبان کے مختلف اہم پہلوؤن پر عالمانہ بحثین اور متفرق لسانی مسائل پر نہایت مفید معلومات ہین، اردو زبان پر اب تک جتنی کتابین لکھی گئی ہین، ان مین کیفیہ مضامین کی ندرت تنوع اور افادہ کے اعتبار سے سب مین ممتاز اور سب سے جدا ہے، یہ معلومات ومباحث اور کسی کتاب مین یکجا نہین مل سکتے، لیکن کسی مصنف کے تمام خیالات اور کسی بحث کے تمام جزئیات سے پورا اتفاق ضروری نہین ہے، چنانچہ اس کتاب مین بھی کلام کے نقائص کی بحث مین اختلاف کی کافی گنجایش ہے بعض فروگذاشتین بڑی فاحش نظر آئین، مثلاً اس شعر

ساقیِ کوثر پلاتا ہے مئے خُمِ غدیر   مست ہون ناسخ مین عشقِ احمدِ مختار مین

کو مخالفِ قیاس لغوی کی مثال مین پیش کر کے لکھا ہے کہ "غدیر کے معنی ہین، جوہڑ گڑھا گڑھا ہولا، جہان برسات کا پانی جمع ہوتا ہے، یہ بھی مخالفت (قیاس لغوی) کی ویسی ہی بری مثال ہے"، یعنی غدیر کے معنی جوہڑ کے ہین، اس لئے خم کی اضافت اسکی جانب صحیح نہین ہے، لیکن یہ اعتراض اس لئے کیا گیا ہے کہ معترض نے خم اور غدیر کے لفظی معنی مراد لئے ہین، حالانکہ اس شعر مین لفظی معنی مراد نہین، بلکہ غدیر خم کے تاریخی واقعہ کی جانب اشارہ مقصود ہے، خم مکا اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے اور غدیر اس کے پاس ایک تالاب تھا جو خم سے قربت کی وجہ سے غدیر خم کہلاتا تھا، آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کی واپسی مین غدیر خم کے پاس حضرت علیؑ کی شان مین مشہور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ ارشاد فرمائی تھی شیعون کے یہان اس واقعہ اور اس تاریخ کی بڑی اہمیت ہے، اور ۱۸ ذی الحجہ کو اس کی

یادگار میں عید غدیر منائی جاتی ہے، اور خُم کی مناسبت سے خم غدیر اور عید غدیر کی اصطلاح مے، اور شراب وغیرہ کے اضافہ کے ساتھ بطور کنایہ تولائے علیؓ و محبت اہلِ بیت اور ان کے فضائل وغیرہ کے لئے استعمال ہوتی ہے، حزؔ فطرت کا شعر ہے،

مستی بیاد ساقیِ کوثر عبادت است　　　جوشِ خم است خطبۂ عید غدیر را

ناسخ نے بھی خم غدیر کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے، البتہ صحیح لفظ غدیر خم ہے، خم غدیر غلط العوام ہے، ساقی اور مے وغیرہ کی مناسبت سے ناسخ نے بھی اسکو استعمال کیا ہے، اس قسم کی بعض اور بھی خفیف فروگذاشتیں ہیں، لیکن اس سے کتاب کی اہمیت میں فرق نہیں آتا، اور یہ کتاب اردو زبان کی تحقیق کا ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہے، انشاء اللہ کسی آیندہ موقع پر اس پر تفصیلی نگاہ ڈالی جائے گی،

بیسویں صدی کا ادب مرتبہ جناب ملک حامد حسن صاحب صدر آفتاب مجلس، تقطیع اوسط ضخامت ۱۹۵ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت ۲ عہ پتہ آفتاب مجلس مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ،

ادھر پندرہ بیس برس کے عرصہ میں "ترقی پسند ادب" کے نام سے جو لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، اس کی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور اس میں ضمناً قدیم ادب کے نقائص کا بھی جائزہ لے لیا گیا ہے، لائق مرتب نے اس سلسلہ کو موافق و مخالف دونوں نقطۂ نظر کے دس تنقیدی مضامین اس مجموعہ میں سلیقہ سے جمع کر دیئے ہیں، "ترقی پسند ادب" پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی "ادب و زندگی" چودھری محمد ابو الحسن صاحب صدیقی ایڈوکیٹ بدایون، "ایک ادبی ڈائری کے چند اوراق" از جناب اختر انصاری "ترقی پسند ادب کا ایک معترض" جناب عبد القادر صاحب ایم اے "مختصر اردو افسانوی ادب" چودھری محمد ابو الفضل صاحب صدیقی "اردو غزل پر ایک نظر" شیخ عبد اللطیف صاحب صدیقی "حالی سے اقبال تک" ملک حامد حسن صاحب "ادب برائے ادب" جناب اطہر پرویز صاحب "اردو افسانے کا ارتقا" سعید احمد صاحب ایم اے ان مضامین کے مطالعہ سے نئے ادبی رجحانات، اس کے پیدا کردہ ادب، اس کے محاسن و معائب اور اس کے موافق و مخالف دلائل اور پرانے ادب کے نقائص وغیرہ بیسویں صدی کے پیدا شدہ ادب اور اس کی رفتار کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب کے شروع میں پروفیسر حلیم صاحب کے قلم سے مختصر لیکن متین و سنجیدہ دیباچہ اور لائق مرتب کے قلم سے نئے ادب پر معتدل و متوازن تبصرہ ہے، پروفیسر رشید احمد صاحب کا مضمون کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکا ہے،

اور اس لائق ہے کہ ترقی پسند نوجوان اسے اپنا ادبی رہنما بنائیں،

المختصر مترجمہ جناب احمد اللہ صاحب منشی فاضل و مولوی عالم تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے،
کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- مصنف سوباجی گوڑہ حیدرآباد سے ملے گی،

یہ رسالہ امام ابوشجاع تقی الدین شافعی المتوفی ۵۸۸ھ کے ایک فقہی رسالہ غایۃ الاختصار کا اردو ترجمہ ہے، مترجم نے شیخ ابراہیم بیجوری کی شرح اور محمد بن قاسم غزی کے حاشیہ سے جابجا مفید اضافے اور الفاظ کی تشریحات بھی کر دی ہیں، یہ رسالہ اختصار کے باوجود فقہی مسائل کا جامع ہے، اور روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، ذبیحہ، قربانی، وقف، ہبہ، شفعہ، وراثت، وصیت، نکاح و طلاق کے تمام ضروری مسائل آگئے ہیں، شوافع کے لئے یہ رسالہ خاص طور پر مفید اور کارآمد ہے، اور دوسرے مذاہب کے اشخاص بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

کمپنی کی حکومت جناب باری صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۹، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت للعہ پتہ مکتبہ اردو لاہور،

یہ کتاب لائق مصنف کی پرانی تصنیف ہے، اس کا یہ تیسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، ہر اڈیشن اپنے ماقبل سے زیادہ جامع و مکمل ہے، چنانچہ اس اڈیشن میں بھی بہت سے نئے اضافے ہیں، اس کتاب میں مغلوں کے زوال اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے زمانہ سے لے کر ان کے خاتمہ تک ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں جو بیتا گذری، اس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے، اس کے پہلے اڈیشنوں پر معارف میں مفصل ریویو ہو چکا ہے، اس لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، کتاب بہت جامع، مستند اور ہر پڑھے لکھے ہندوستانی کے مطالعہ کے لائق ہے،

سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری پر ایک جامع تبصرہ از جناب چودھری رحم علی صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ بلا جلد ۸؍ پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی میں آبادی کی مختلف قسموں اور ان کے مختلف پہلوؤں مثلاً شہر و دیہات، ہندوستان کی قوموں، عورتوں کی حالت، صحت، تعلیم، زبان وغیرہ کی تفصیلات اور ان کے مختلف تناسبوں پر نہایت مفید اور دلچسپ تبصرہ کیا گیا ہے، ان میں سے ہر موضوع و بحث، بہت سے ذیلی موضوعوں پر مشتمل ہے، اور اس سے ہندوستان کی آبادی کے

مختلف پہلوؤن اور حیثیتون کے متعلق نہایت کارآمد معلومات حاصل ہوتے ہین، انگریزی مین تو اس قسم کی کتابون کی کمی نہین لیکن اردو مین کمیاب ہین، اور ان کی بعض اوقات بڑی ضرورت پڑتی ہے،

خدا اور کائنات از جناب ماہر القادری تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۶ر پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

لائق مؤلف نے اس کتاب مین فطری اور وجدانی دلائل اور مغرب کے حکماء و فلاسفہ کے اقوال سے خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے، اور دلنشین انداز مین دکھایا ہے کہ کائنات کا کمال تخلیق اور حسن تخلیق اور اس کا عظیم الشان نظام خود ایک صانع حقیقی کے وجود کا شاہد ہے، اور کسی شے کی کنہ اور حقیقت سے لاعلمی کے بارہ مین قدیم فلاسفہ وحکماء کے اعترافات نقل کرکے خدا کی ضرورت اور اس کے وجود کے ثبوت مین بعض مغربی فلاسفہ کے اقوال اور ان کے اعترافات پیش کئے ہین، انداز تحریر موثر و دلنشین اور کتاب عام لوگون کے لئے مفید ہے،

بچون کی نفسیات از جناب شیر محمد اختر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۷۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ کلدار ۱۲ر سکۂ عثمانیہ پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

جدید نفسیات نے بچون کی تعلیم و تربیت کے بارہ مین بہت سے پرانے اصول و نظریے بدل دیئے ہین، ایک زمانہ مین "جور استاد" "مہر پدر" سے بہتر سمجھا جاتا تھا، لیکن جدید نفسیات کی رو سے تعلیم و تربیت کے لئے جور بلکہ تنبیہ و سرزنش بھی مضر ہے، اور اس سے بچون کے عادات و خصائل بننے کے بجائے اور بگڑ جاتے ہین اسلئے اس کے بجائے مناسب افہام و تفہیم کو اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ اس کتاب مین بچون کی نفسیات کی روشنی مین تعلیم و تربیت کے کے ان جدید اصولون کو پیش کیا گیا ہے معلمون کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا،

ذہنی زلزلے از جناب نعیم صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ:۔ دارالاشاعۃ نشأۃ ثانیہ مکان نمبر ۱۰۴۶، ملے پلی جدید حیدرآباد دکن و مکتبہ کاروان ادب دارالاسلام نزد پٹھان کوٹ پنجاب،

جدید ترقی پسند افسانون مین بڑی بے اعتدالی پائی جاتی ہے، جناب نعیم صدیقی نے جو روشناس صاحب قلم ہین مذکورہ بالا افسانون مین ایک درمیانی اعتدال کی راہ پیدا کی ہے، جس مین مذہب و اخلاق کی حرمت کے ساتھ جدید تقاضون کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے اور بے قید انقلابی خیالات اور دور جدید کے بعض مسائل پر بڑے لطیف انداز مین تنقید کی گئی ہے، اس مجموعہ مین تیرہ افسانے ہین اور سب مفید، مقصد اور پڑھنے کے لائق ہین، ان مین قدامت کی سنجیدگی و وقار بھی ہے اور جدت کا حسن و ترقی پذیری بھی، "م"

جلد ۵۶ ماہ ذوقعدہ سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء عدد ۴

مضامین

شذرات

غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۳ء مین حضرت الاستاذ مدظلہ، سر اقبال اور سر راس مسعود مرحوم نے حکومت افغانستان کی دعوت پر، وہان کے نظام تعلیم کی تشکیل و ترتیب مین مشورہ کے لئے کابل کا سفر کیا تھا، اور اپنے علمی و تعلیمی تجربون سے اس کام مین رہنمائی کی تھی، حضرت الاستاذ نے نادر شاہ مرحوم اور افغانستان کے دوسرے عمائد اور علماء کے سامنے خاص طور سے عربی و دینی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے متعلق اپنے مفصل خیالات پیش کئے تھے، کہ دور جدید کی ضروریات کے لحاظ سے قدیم نصاب اور پرانا طرز تعلیم ناقص اور ایسے علماء پیدا کرنے سے قاصر ہے، جو نئے افغانستان اور جدید تعلیم یافتہ نسل کی رہبری کر سکین، اور ملک مین مفید اصلاحات کی سربراہی مین مدد دے سکین، ضرورت ایسی تعلیم کی ہے، جو دینی ضروریات اور دنیاوی مصالح دونون کی جامع ہو، اور جس کے ذریعہ علماء مین سیاسی و اجتماعی اصلاحات اور صحیح دینی شیفتگی، دونون کا متوازن احساس پیدا ہو سکے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دینی تعلیم مین جدید ضروری فنون کو بھی شامل کیا جائے گا، اور پرانے طریقہ تعلیم مین تغیر اور اس کو طلبہ کا معیار معاشرت بلند کیا جائے گا، افغانستان کے سفرنامہ مین جو سیر افغانستان کے نام سے کتابی صورت مین شائع ہو گیا ہے، یہ تجاویز متفرق طور سے موجود ہین،

رسالہ کابل کے تازہ سالنامہ بابت ۱۹۴۵ء مین افغانستان کی وزارت تعلیم کے کامون کی مفصل روداد شائع ہوئی ہے، اس مین عربی دینی تعلیم کا بھی ذکر ہے، اس سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی، کہ نعمان کے خوش سواد علاقہ مین جو حکومتِ افغانستان کا گرمائی مستقر ہے ایک نئی اسکیم کے مطابق ایک عربی درسگاہ قائم ہو گئی ہے، اور اس کے نصاب مین جملہ دینی علوم کے ساتھ انگریزی زبان اور ضروری فنون جدیدہ کی کتابین بھی ہین، رسالہ کابل مین اس درسگاہ اور اس کے نصاب کی پوری تفصیل موجود ہے، یہ خوشی کا مقام ہے کہ ندوہ کی صدائے بازگشت خیبر پار تک پہونچ گئی، امید ہے کہ اس درسگاہ سے

ایسے علماء پیدا ہون گے، جو افغانستان کے مسلمانون کی دینی و دنیوی دونون ضروریات کی کفالت کرسکین گے،

گذشتہ اگست مین مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے ۷۷ سال کی عمر مین انتقال کیا، وہ عربی و فارسی زبان کے فاضل اور لندن اور کیمبرج یونیورسٹی مین ان دونون زبانون کے استاد رہے تھے، ان کا موضوع اسلامی تصوف تھا، اس کے وہ یورپ مین امام مانے جاتے تھے، انھون نے اسلامیات اور تصوف پر کئی کتابین لکھین، اس کی بعض قدیم اور اہم کتابون کو ایڈٹ کیا، اور انگریزی مین ان کے ترجمے کئے، شیخ ابو نصر سراج کی کتاب اللمع اور مثنوی مولانا روم کی بڑی محنت سے تصحیح کی، یہ دونون کتابین گب میموریل سیریز کی جانب سے شائع ہوگئی ہین، کشف المحجوب، مثنوی مولانا روم اور انتخاب دیوان شمس تبریز کا انگریزی مین ترجمہ کیا، اسلامی تصوف اور صوفیاے اسلام پر مستقل کتابین لکھین، عربون کی علمی و ادبی تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لٹریری ہسٹری آف دی عربس تالیف کی ہندوستان مین ان کا نام زیادہ سر اقبال مرحوم کی مثنوی اسرار خودی کے مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن اسلامیات سے اس دلچسپی کے باوجود ان کا دامن تعصب و تنگ نظری سے پاک نہ تھا جس کا اثر لٹریری ہسٹری آف دی عربس مین زیادہ نمایان ہے، اور یہ کتاب علمی و مذہبی دونون حیثیتون سے اعتبار کے لائق نہین ہے،

فلسطین کا معاملہ اب خطرہ کی اخیر حد تک پہنچ چکا ہے، سرمایہ دار امریکا اور مزدور برطانی حکومت کے بعض ذمہ دار علانیہ یہودیون کی حمایت مین آوازین بلند کر رہے ہین، یہودی سورما آلات جنگ سے مسلح فلسطین کے اردگرد منڈلا رہے ہین، اور بزور قوت فلسطین مین داخلہ کے لئے آمادہ ہین، یہ موقع تھا کہ تمام مسلمانان ہند بیک آواز فلسطین کے عرب باشندون کی تائید مین کھڑے ہوتے گو الگ الگ اسلامی سیاسی پارٹی کے سر لیڈر نے اپنے بیانات سے عربون کی تائید کی ہے، مگر ضرورت متحدہ محاذ کی ہے کیا اندرونی سیاسی اختلاف کے ساتھ کسی عمومی اسلامی سیاسی صورت حال پر غور کرنے کے ہم یکجا نہین ہوسکتے،

مسلمانون کے سیاسی اختلاف کی شدت اب یہان تک پہنچ گئی ہے کہ دلائل سے اپنے مسلک کی تائید و حمایت اور اپنے خدمات و ایثار سے استحقاق کے ثبوت کے بجائے محض پروپگنڈے اور ایک دوسرے

کی مخالفت اور تحقیر و تذلیل کو اصل مقصد بنا لیا ہے، بعض اخبارات کا لب ولہجہ اتنا غیر سنجیدہ ہو گیا ہے کہ اون کا پڑھنا مشکل ہے، مرتبہ شناسی کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے، اپنی قوم کے اکابر اور لائق احترام شخصیتون کی شان مین جیسے نازیبا الفاظ تقریرون اور تحریرون مین استعمال کئے جاتے، اور عام مجمعون مین ان کے ساتھ جو غیر شریفانہ سلوک کیا جاتا ہے، اس پر ہر مسلمان کی گردن شرم و ندامت سے جھک جانی چاہیئے افسوس کہ ہم اپنی زندگی کا ثبوت بھی دینا چاہتے ہین، تو تعمیر کے بجائے تخریب مین، کسی قوم کی شایستگی کا معیار اس کا کیرکٹر اور پختہ اخلاق ہے،



ابھی گذشتہ ہی مہینہ معارف مین مدیر نگار کے علمی سرقون کا ذکر آیا تھا، اتفاق سے اسی مہینہ کے نگار مین اس کا ایک تازہ ثبوت نظر آیا، مولانا شبلی مرحوم نے تہذیب الاخلاق علی گڈھ مین الاسدی کے مخفی نام سے "المعتزلہ والاعتزال" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جو مقالات شبلی جلد پنجم مین بھی چھپ چکا ہے، مدیر نگار کو غالباً اس کا علم نہ تھا انھون نے اس کو پرانا بھولا ہوا مال سمجھکر اس کی تمہید مین اپنی طرف سے اضافہ کر کے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ کوئی نیا مضمون ہے، "اسلام کا اولین عقل پرست فرقہ" کے عنوان سے ستمبر کے نگار مین شائع کر دیا، گو نام "الاسدی" ہی کا رہنے دیا ہے، لیکن یہ صرف اس لئے کہ اگر چوری پکڑ لیجائے، تو یہ کہنے کا موقع رہے، کہ الاسدی کے نام سے شائع کیا گیا ہے، اور نہ پکڑی جائے تو مدیر نگار کی ذاتی ملکیت بن جائے ورنہ ظاہر ہے کہ آج الاسدی سے علامہ شبلی مرحوم کو کون سمجھ سکتا ہے، اگر مدیر نگار کی نیت صاف تھی تو اصل مضمون کو بغیر کسی اضافہ کے بعینہ شائع کرنا اور تہذیب الاخلاق کا حوالہ دیدینا چاہئے تھا، اسے کہتے ہین مہارتِ فن،



جناب عبد السبوح صاحب قاسمی عربک اسسٹنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اسرار المحبۃ کو ایڈٹ کرنا چاہتے ہین، ان کے پاس اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے وہ بھی کرم خوردہ، اگر ناظرین معارف مین سے کسی صاحب کے پاس اس کا دوسرا نسخہ ہو یا ان کے علم مین ہو تو وہ عبد السبوح صاحب کو اس سے استفادہ کا موقع یا اس کی اطلاع دین، یہ ایک علمی خدمت ہوگی،



مقالات

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام
اور
ان کی فارسی تصانیف

از
سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ) رفیق دارالمصنفین

(۴)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی محمد، لقب سلطان المشائخ، سلطان الاولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھا، عرف عام میں محبوب الٰہی کے نام سے مشہور تھے[۱]،

ان کے والد بزرگوار مسمی احمد بن دانیال غزنین[۲] سے ہجرت کرکے لاہور آئے، پھر وہاں سے بدایون آکر سکونت پذیر ہوئے، اور اسی شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں خواجہ نظام الدین اولیار کی ولادت باسعادت ہوئی، جب پانچ سال کے تھے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنی والدہ محترمہ کے زیر تربیت پرورش پائی، ابتدائی تعلیم بدایون کے مکتب میں ہوئی، مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی آگئے، جو اس وقت علما و فضلار کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بیحد قدردان تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب دیا اور "مستوفی ممالک" کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے،

---

[۱] سیر العارفین، ص ۱۱۴، اخبار الاخیار ص ۵۳، خزینۃ الاصفیار ص ۳۲۲ [۲] اخبار الاخیار میں ہے کہ خواجہ صاحب کے دادا اور نانا دونوں بخارا سے لاہور آئے،

شمسا کنون بکام دل دوستاں شدی مستوفی ممالک ہندوستان شدی[1]

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لئے مشہور تھے، اس لئے خواجہ نظام الدینؒ نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، مولانا شمس الدین خوارزمی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردون کو اپنے حجرہ مین بلاکر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردون، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی اور خواجہ نظام الدینؒ کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین خوارزمی کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا، تو جب وہ آتا تو اس سے مذاق سے پوچھتے، کہ مین نے تمھاری کیا خطا کی تھی، جو تم درس مین حاضر نہ ہوئے، بتا دو تاکہ مین پھر وہی قصور کرون، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہو سکو، لیکن جب خواجہ نظام الدینؒ کا درس ناغہ ہوجاتا اور وہ استاد کی خدمت مین پہونچتے تو ان کو دیکھکر یہ شعر پڑھتے،

آئی دبما کنی نگاہے بارے کم از آنکہ گاہ گاہے[2]

خواجہ نظام الدینؒ، دہلی مین ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ مین رہتے تھے، اس سے قریب ہی خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا مکان تھا، جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت مین خواجہ نظام الدینؒ کے دل مین بابا فرید گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد مین مقیم تھے، صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ، (حدید - ۲) کیا اس کا وقت نہین آیا ہے، کہ جو لوگ ایمان لائے ہین، ان کے دل، اللہ کے ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائین،

اس کو سنکر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اور بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے، اور جب اجودھن پہونچے، تو باباصاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا،

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ چہارترکی سر سے اتار کر اپنے مرید کے سر پر رکھدی[3]

خواجہ صاحبؒ اپنے پیر دستگیر کی صحبت مین ۵ا رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم وتربیت پاتے رہے، باباشکر گنج کی خانقاہ مین تمام درویشون کی زندگی بڑی عسرت تنگی اور فاقہ مین

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱۵ [2] ایضاً ص ۱۱۶ [3] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۹،

گذرتی تھی، مولانا بدر الدین اسحٰق لنگر خانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جاکر ڈیلہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے، اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، خواجہ نظام الدینؒ ڈیلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، ڈیلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسر ہوتا اور کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی، تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا، ایک روز نمک نہ تھا، خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا، اور ڈیلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدر الدین اسحاق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ نظام الدینؒ ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا فرید گنج شکرؒ نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا کہ "ازیں بوے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، خواجہ نظام الدینؒ نے لرزہ براندام ہو کر عرض کی، قرض کا ہے، بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا، خواجہ نظام الدینؒ کا خود بیان ہے، کہ اسی وقت انھوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ و استغفار کی، مرید کی اس توجہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر وہ بیٹھے تھے، اس کو عطا کر کے ارشاد فرمایا کہ انشاءاللہ آیندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، اور جب خواجہ صاحبؒ دہلی واپس ہونے لگے، تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب خواجہ صاحبؒ دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہونچے جس سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی اور وہ گم ہو گئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کر کے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کر دوں گا، وہ عزیز یہ سُن کر ایسے متاثر ہوئے، کہ کتاب مذکور خواجہ صاحب کو بخشدی، وہاں سے خواجہ صاحب ایک بزاز کے پاس آئے، جس سے کسی وقت بیس ٹنکے کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس ٹنکے دیکر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس ٹنکے تو لے لئے اور بقیہ دس خواجہ صاحبؒ کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کے صلے میں معاف کر دیئے (مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر العارفین ص ۱۹ و مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین)

دہلی سے کئی بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے خواجہ نظام الدینؒ اجودھن تشریف لے گئے، ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر" یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے خواجہ صاحب محبوب الٰہی کہلائے[۱] آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہوگے، جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصول استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا"

بابا شکر گنجؒ کا جب وصال ہوا، تو محبوب الٰہیؒ اجودھن میں نہ تھے لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدر الدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا، بابا شکر گنج کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء میں تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے، بابا شکر گنجؒ فرمایا کرتے تھے کہ

"علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء بداؤنی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ[۲]

پہلی دفعہ جب اجودھن سے خواجہ نظام الدینؒ اولیاء دہلی تشریف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پرسکون جگہ نہ ملی، ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لئے جب شہر میں یکسوئی نہ ملتی تو جنگل جاکر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خان کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی، اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا منبع ہو رہا ہے، اس لئے یہاں کے قیام سے ایمان میں سلامتی اور عبادت میں استقامت پیدا نہیں ہو سکتی، اس گفتگو کے بعد خواجہ صاحب دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور میں آکر مقیم ہوئے، شروع میں یہاں کے قیام کے زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہیں، کہ اس زمانہ میں ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے، ساری فصل گذر گئی مگر میں ایک پھل بھی نہ چکھ سکا، اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا، جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا، اس زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، ایک بار چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو خواجہ

---

[۱] سیر العارفین ص ۵۳ [۲] سیر الاقطاب ص ۱۷۱،

نظام الدینؒ سے بیعت بھی تھیں، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوبؒ نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک دلق پوش درویش آپہونچا، اور کچھ کھانے کو مانگا، خواجہ صاحبؒ نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھدیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا،

"شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیا، ارزانی داشت ومن دیگ فقر ظاہری او بشکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی"

اس کے بعد خواجہ صاحب کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[۱]

اسی زمانہ میں سلطان معزالدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلو کھڑی میں ایک محل بنوایا، اور ایک شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لئے لوگوں کے ہجوم سے خواجہ صاحب کی طبیعت گھبرانے لگی، اور کہیں دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے،

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی کانگشت نمائے عالمے خواہی بود

امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود درگوشہ نشست نمی دارد سود

اور کہا:-

"اول مشہور نمی بایستی شد، این کس مشہور شد، چنان سعی کند کہ در روز قیامت از روے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است اما مردانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و باوجود انبوہ خلق در مشغولی خلل نیفتد"[۲]

یہ سن کر وہ غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی ان کے یہاں شروع ہوئی، اور وہ تربیت پاکر مستفیض ہوتے رہے،

سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ

"اکثر وہ متمول روٗسا جو مائل فسق و فجور تھے، شیخ کی خدمت میں افعال زشت سے تائب ہو کر رہنے لگے"[۳]

۱؎ خزینۃ الاصفیا ص۳۳۰ و فرشتہ جلد دوم ص۳۹۲ ۲؎ ۔۔ ص۳۳۰ و سیر العارفین ص۱۲۵ ۳؎ سیر العارفین ص۱۲۳۔

امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی خواجہ نظام الدینؒ کے حلقۂ ارادت میں آکر داخل ہوئے، اور دونوں کا پورا خاندان شرفِ بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انھوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی کل آٹھ سال تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا، کہ بارہا فرمایا کرتے کہ

"اے ترک من از وجود خود بر نجم لیکن از تو نرنجم"[۵۱]

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہو گئی کہ جب لباس زیب تن کرتے، تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہیں، کہ

"روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من بپرسند خواہم گفت کہ سوز سینہ این ترک اللہ"[۵۲]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے، امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے، بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے، لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنی خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے، اور جو شعر مرشد کو پسند آجاتا، اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کئے ہیں،[۵۳]

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست	ملک است کہ ملک سخن خسرو راست
این خسرو ماست ناصر خسرو نیست	زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہیؒ کے پاس آکر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح میں آئے گا تم کو

---

۵۱ خزینۃ الاصفیا ص ۳۴۳ جلد اول، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں یہ الفاظ اس طرح ہیں، "از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم" ۵۲ سفینۃ الاولیا ص ۱۰۶، ۵۳ کہا جاتا ہے کہ محبوب الٰہیؒ نے امیر خسرو کے منہ میں ایک بار اپنا لعاب دہن ڈالدیا تھا خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۴۳،

دیدیا جائے گا، مگر اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہین سے نہین آئی، فرمایا کہ کل کی فتوح تمھاری نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہین آئی، بالآخر محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤن کی جوتیان دے کر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا، تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے، راستہ مین ملے، اور درویش سے شیخ کی خیریت پوچھی، جب درویش باتین کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا،

"مرا از تو بوے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری"،

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے، اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ مین عطا کئے تھے، یہ پوری رقم درویش کو دے کر شیخ کے نعلین خرید لئے، اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور عرض کی :-

"درویش برہمین اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض این کفش طلب می کرد حاضر می کردم"[1]،

محبوب الٰہیؒ کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر شریعت مین اجازت ہوتی تو مین وصیت کرتا کہ

"او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم"[2]،

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

"امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چون رحلت کند بپہلوے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہم"[3]،

امیر خسرو شیخ کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے، محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچکر معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی ساری ملکیت شیخ کے ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین مین لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر پہونچ گئے، اس سے سر کو ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۴۱ و سفینۃ الاولیا ص ۱۰۱ [2] و [3] فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۳

"سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ"[1]

اور یہ کہکر بیہوش ہوگئے، اور اسی اندوہ وغم مین چھ مہینے کے بعد عالم بقا کو سدھارے لیکن وفات کے بعد شیخ کے پہلو مین دفن نہ کئے جا سکے، فرشتہ کا بیان ہے،

"چون امیر خسرو فوت شد خواستند کہ بموجب وصیت پہلوے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شد کہ بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبہ خواہد شد پس اورا در پایان شیخ بر چبوترہ یاران فون ساختند"[2]

خلجی دربار کے امراء مین محمد کاشف حاجب اور ملک قرا بیگ ترک بھی سلطان المشائخ کے معتقدین مین تھے، ایک بار محمد کاشف علاء الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے نذر لایا، یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا، جب محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے مین کسی عقدہ کے حل کئے عہد کا ایفا کرنیوالے تھے، تحفہ دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کرون یا عہد پورا کرون، مریدون نے عرض کی،

"وفاے عہد بہتر از ہشت بہشت ست، چہ جائے پنجاہ ہزار تنکہ"[3]

سلطان علاؤ الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا، تو کچھ دنون تک سلطان کو اس مہم کے متعلق کسی کی کوئی خبر نہ ملی، حالتِ اضطراب مین قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرا بیگ کو بھیجکر محبوب الٰہیؒ کی خدمت مین یہ پیام کہلایا،

"شما را غم اسلام بیش از من ست، اگر بیامن نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شدہ باشد شاد نمایند کہ خاطر از نرسیدن خبر لشکر گران ست"[4]

محبوب الٰہیؒ نے بشارت دی،

"وراے این فتح فتحاے دیگر متوقع ست"[5]

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی، سلطان علاؤ الدین نے خوشی مین سلطان الاولیا

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۰ و مونس الارواح [2] فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۰۴، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینے کے بعد انتقال کیا۔

[3] فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۲ و سیر العارفین ص ۱۳۴ [4] فرشتہ جلد اول ص ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۳۱ [5] ایضاً

کی خانقاہ کے لئے پانچسو اشرفیان بھیجین، ملک قرابیگ اشرفیان لیکر پہنچا تو اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوبِ الٰہی سے کہا کہ الہدایا مشترک (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوبِ الٰہیؒ نے جواب دیا، تنہا خوشتر (یعنی اگر تنہا لیا جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہکر تمام اشرفیان قلندر کے حوالہ کر دین[۵۱]

ملک قرابیگ کو علاء الدین نے یہ ہدایت دے رکھی تھی، کہ محبوبِ الٰہیؒ کو محفل سماع مین جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے، اور آکر سنایا کرے، مرآۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاء الدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[۵۲]، ایک بار محبوبِ الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعرون پر وجد طاری ہوا،

بیش منما جمال جان افروز ورنہ دیگر برو سپند بسوز

آن جمال تو چیست ہستئ تو وان سپند تو چیست مستئ تو

قرابیگ اس کو لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، آنکھون سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرابیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا "اس حسن اعتقاد کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہین کی ہے جو تعجب کا باعث ہے"، سلطان نے جواب دیا،

"اے قرابیگ ترک ما بادشاہیم از سرتا پا آلودہ دنیا و بدین آلودگی شرم می دارم کہ آنچنان پاکی را بہ بینم"

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشون خضر خان اور شادی خان کو محبوبِ الٰہیؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے کیلئے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا، دونون مرید ہو کر محبوبِ الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، خضر خان ہی نے خانقاہ اور مقبرہ کی عمارت بنوائی ہے[۵۳]

خضر خان محبوبِ الٰہی کے حلقۂ ارادت مین آچکا، تو مولانا عبدالحق دہلوی لکھتے ہین کہ

"ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت مین امور سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلین لکھین، جن مین ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہین، اور دین و دنیا مین جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ مین دی ہے، تو

---

[۵۰] سیر العارفین ص ۴۳، [۵۱] مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین)، [۵۲] سیر العارفین ص ۳۶-۱۳۵، مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [۵۳] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ سیر العارفین ص ۱۳۶،

ہم کو چاہئے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت مین پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت مین پیش کرین تاکہ جس چیز مین ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے وہ مطلع فرمائین، اس لئے چند فصلین اس باب مین شیخ کی خدمت مین بھیجی جاتی ہین، ان مین جو اچھی باتین ہون تو ہر بات کے نیچے لکھدین، تاکہ ہم اس پر عمل کرین"۔ اس کاغذ کو خضر خان کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکون مین زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت مین بھیجا، جب خضر خان نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ مین دیا، تو انھون نے اس کو نہین پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہین، پھر فرمایا کہ فقیرون کو بادشاہ کے کام سے کیا مطلب، مین ایک فقیر ہون، اور شہر سے الگ ایک گوشہ مین رہتا ہون، اور بادشاہون اور مسلمانون کی دعاگوئی مین مشغول ہون، اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو مین اس جگہ سے بھی چلا جاؤن گا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاؤالدین کو پہنچی، تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائین تو مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہون، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہین مین غائبانہ دعا مین مشغول ہون اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاؤالدین نے ملاقات کے لئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا، کہ اس ضعیف کے گھر مین دو دروازے ہین، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائین گے، تو مین دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤن گا"۔[۱]

علاء الدین خلجی کے عہد مین محبوب الٰہی کے فیوض و برکات سے ملک مین جو عام انقلاب پیدا ہوا اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی مین کھینچی ہے، اس مین پہلے تو بعض اور مشائخ کرام کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہی کی نگاہ کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام مین جو غیر معمولی تبدیلیان پیدا ہوئین ان کی تفصیل ہے :-

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ مین سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین، اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا، کہ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہو گئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گناہگارون نے توبہ کی، اور ہزارون بدکارون اور بے نمازیون نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز

[۱] اخبار الاخیار ص ۵۶ - ۵۵۔

ہو گئے، اور باطنی طور پر مذہبی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہو گئی، اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی، اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی، اور ان پیروں کے مکارم اخلاق، مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے خدا والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گذاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا رخصت ہوا، اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت و طریقت سے جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا جو سلطان علاؤالدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک طرف سے سلطان علاءالدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد، قید و بند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گذاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاؤالدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں

سے سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے والی سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں رکھتا تھا، دوسری طرف اسی زمانہ مین شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگارون کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی مین قبول کرتے تھے، اور خاص وعام، غریب و دولتمند، بادشاہ و فقیر، عالم وجاہل، شریف و رذیل شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہون سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگون کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیون سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہوگئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والون نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈالدیئے تھے، کنوین کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیان بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگون کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے مین نماز کےادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین نفل پڑھنے والے نمازیون کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگون کے درمیان کم ہوگیا تھا اور اکثر آدمیون کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھیں کہ ان نوافل مین ہر وقت کتنی رکعتین ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہین، اور اوقات پنجگانہ نماز مین اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائین آئی ہین، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے، کہ شیخ رات کی نماز کتنی رکعتین

ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کیا پڑھتے ہین، اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہین، اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ رات دن مین کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ مین اکثر آدمیون کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدون کی صحبت مین رہتے تھے، پرانے مریدون کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابون کے پڑھنے مشائخ کے اوصافِ حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا دارون کا ذکر ان کی زبان پر نہین آتا تھا کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہین کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہین سنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے، کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ مین اس حد تک پہونچ گیا تھا، کہ بادشاہ کے محل مین بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور وہ چاشت و اشراق کی نمازین ادا کرتے تھے، ایام بیض عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلہ ایسا نہین تھا جس مین ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہ تھا، اور صوفیون کی محفل سماع نہ قائم ہوتی، اور باہم گریہ وزاری نہ کرتے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز مین مسجدون اور گھرون مین ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہوارون کی راتون مین قیام کرتے، اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ کے مریدون مین سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گذارتے، بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدون مین سے چند آدمیون کو میں جانتا ہون، کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود اُن کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان

علاء الدین اپنے تمام گھروالون کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہوگیا تھا، خواص وعوام کے دل نے نیکی اختیار کرلی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالون مین شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیون کی زبان پر کبھی نہین آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگون کے نزدیک کفر کے متشابہ معلوم ہونے لگے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سودخواری، ذخیرہ اندوزی کھلم کھلا مرتکب نہین ہوسکتے تھے، بازاروالون سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے وغیرہ کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علمون اور بڑے بڑے لوگون کی رغبت جو شیخ کی خدمت مین رہتے تھے تصوف اور احکام طریقت کی کتابون کے مطالعہ کی طرف ہوگئی تھی، قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمۂ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامح قاضی حمیدالدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہوگئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشون سے سلوک وحقائق کی کتابون کے بارے مین دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس مین مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیون کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت گران ہوگئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیون مین شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا[۵۱]۔

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خان اور شادی خان کو قتل کرکے تخت نشین ہوا، خضر خان اور شادی خان محبوب الٰہی کے خاص اور عزیز مریدون مین تھے، اس لئے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہوگیا، اور پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت مین تبدیل ہوگئی، اور مصلحتہً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوگیا، اور سلطان الاولیاء رح کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کردیا، اس وقت سلطان الاولیاء کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دوہزار ٹنکہ تھا، درویشون اور مسکینون کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے، کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہین، جو خانقاہ آیا جایا کرتے ہین، اس لئے قطب الدین نے امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہین پڑا،

---

[۵۱] تاریخ فیروزشاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۶-۳۴۴،

سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے، جس سے قطب الدین کی پرخاش اور بھی بڑھ گئی، اور اس نے محبوب الٰہیؒ کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہیؒ نے اس حکم کا یہ جواب دیا :-

"من مرد منزویم جائے نمی روم، نیز رسم وعادت ہر سلسلہ قومی باشد، قاعدہ بزرگان ما نبود

کہ بدیوان روند، ومصاحب پادشاہان شوند، درین باب معذور دارید دبحال خود بگذارید"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہ کیا، اور حکم دیا، کہ وہ ہفتہ میں دو بار دربار آیا کریں، محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں، کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر اس پیام کے پہونچنے سے پہلے شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال ہوگیا، ان کی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے، محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت کی جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہی نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین محبوب الٰہیؒ کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں، اس سے اس کا حسد اور بھی بڑھا، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لیکر محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گذارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہی) دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہیؒ نے یہ کہکر ان کو رخصت کیا کہ

"ببینم چہ بظہور پیوندد"

انھوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا، کہ محبوب الٰہی دربار میں آنے کے لئے راضی ہوگئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کرلی ہے، مگر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہی نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کرونگا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی، کہ سلطان الاولیاء اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی، مگر محبوب الٰہی کو کشف ہوچکا تھا، کہ وہ نہ دربار جائیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اُسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خان کے ہاتھوں وہ قتل ہوا،

خسرو خان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریون پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک مین روپیے تقسیم کئے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپیے بھجوائے، محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہونچے، انھون نے اسی وقت ساری رقم فقرا مین تقسیم کردی، چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خان کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگون کو خسرو نے روپیے دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشائخ کرام نے روپیے واپس کر دیئے، لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی،

سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً "دین دار"، "دین پرور" "حق گذار" اور حق شناس واقع ہوا تھا، چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ

"از برائے جریان احکام شریعت قاضیان و مفتیان و داد بک و محتسبان عہد او را آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود"[۵۱]

سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علماے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت مین ایک عام شاہی حکم جاری کرادیا، لیکن محبوب الٰہیؒ کے یہان محفل سماع بدستور جاری رہی، جا طلب علما نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا جس مین مسئلۂ سماع کی تحقیق کے لئے تمام مشائخ عظام و علماے کبار جمع کئے گئے، محبوب الٰہی بھی اس مجلس مین شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی، تو دونون طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کئے گئے، چاشت کے وقت سے زوال آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ مین بڑی گرماگرمی رہی، محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواز مین جب حدیثین پیش کین تو علماے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو، تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوب الٰہی نے فرمایا، کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس مین لوگون کی راے کو احادیث نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولنا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین بھی معتقد تھا، محبوب الٰہی کی موافقت یعنی سماع کی اباحت مین فیصلہ دیا جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوب الٰہی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوب الٰہی خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا،

---

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۲ [۵۲] سیر العارفین ص ۵۵، و ۱۵۵ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۵،

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھون نے وسیع میدان پایا، اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتین کہین، اور آج ایک تعجب انگیز بات یہ دیکھی گئی، کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثین نہین سنتے، اور مجھ سے کہتے ہین کہ ہمارے شہر مین فقہی روایت پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے، اور اس قسم کی باتین وہ لوگ کہتے ہین جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہین، جب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح بیان کی گئی، تو برہم ہوئے، اور منع کیا، اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہین"[1]

بعض تذکرہ نگارون اور مورخون نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ مین بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا،

"وقتیکہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بسبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد وجاے براے متوسلان بادشاہی نمی ماند"[2]

اس پیام کو پڑھ کر محبوبؒ الٰہی کی زبان سے صرف یہ نکلا:-

"ہنوز دہلی دور است"

"چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کروہ کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور مین ایک نئی عمارت مین مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی جس کے نیچے دب کر وہ جان بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[3] جس کا

[1] معارف ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء فرشتہ نے لکھا ہے کہ محبوبؒ الٰہی نے اس مناظرہ مین یہ حدیث "السماع مباح لاہلہ" پیش کی تھی جو صحیح نہین، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء العلوم مین بطور فتوی لکھا ہے مفصل بحث کے لئے دیکھو معارف ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۲۶ء، مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اباحت سماع مین ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام کشف القناع عن وجوہ السماع رکھا ہے [2] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۳۲، طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۱۹۱ مین پیام کے الفاظ یہ ہین، "چون من بدہلی برسم، شیخ از شہر بدر رود"، فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۸ مین ہے "تا آمدن من بدہلی نباید بود، بعد ازین از غیاث پور برود" [3] منتخب التواریخ مین اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے کہ "در میان اہل ہند مشہور است" (جلد اول ص ۲۲۵)

شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہین، کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہیؒ کے خلفا مین تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی مین مطلق نہین کرتے، بلکہ سلطان کی "دین پروری"، "دین پناہی"، "حق گذاری"، "حق شناسی" عبادت گذاری"، "نیک نفسی"، انصاف پرستی" اور "شریعت پسندی" کا بار بار ذکر بہت ہی والہانہ انداز مین کرتے ہین[1]۔

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہیؒ کا معتقد رہا، لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ مین ان کا وصال ہوگیا۔

محبوب الٰہیؒ تمام عمر صائم الدہر رہے[2]، شغل باطن سے ان کی آنکھین سرخ رہتین، ان ہی خمار آلود آنکھون کی کیفیت پر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا ؎

> تو شبانہ می نمائی کہ بہ بر کہ بودی امشب
> کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[3]

عباداتِ وریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہیؒ "نہنگ دریائے وحدت"، "پلنگ بیدائے محبت و معرفت"، "مسند نشین سپہر صدق و صفا"، "ملک الاتقیاء"، "نقادۂ مشائخ عظام" اور "عارف معارف ربانی" کہلاتے تھے[4]، فرماتے تھے، کہ ہر وجود دو عدم کے بیچ مین ہے یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد مین ہوگا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کرکے تعطل اور غفلت مین کیون گذارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد مین استغراق ہو[5]، اس پر خود بھی عمل کرتے تھے، چنانچہ اخبار الاخیار کے مولف رقمطراز ہین:

"در آخر عمر کہ سن شریفش از ہشتاد متجاوز شدہ بنہایت مجاہدہ پیش گرفتہ بود[6]"

مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال مین نہین بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدر الدین سمرقندیؒ کے عرس میں شریک تھے، مجلس مین کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا مین تقسیم توضرور کرتے ہین، لیکن اہل وعیال کے جھگڑے سے پاک ہین، اس لئے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہ ہوتا ہوگا،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۴، ۴۴۶ [2] اخبار الاخیار ص ۵۳ [3] ایضاً ص ۵۵ [4] سیر العارفین ص ۱۱۵، [5] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین [6] فوائد الفواد ص ۲۲ [7] اخبار الاخیار ص ۵۴

یہ سن کر شیخ شرف الدین حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور اس کو نقل کرنا ہی چاہتے تھے، کہ محبوب الٰہیؒ نے خود ہی فرمایا،

"بابا شرف الدین جو رنج و غم میرے دل پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے، اُسے سُن کر اس سے دوچند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح مین نہین کر سکتا، معلوم نہین وہ لوگ کیسے سنگ دل ہین، جو اپنے دینی بھائیون کا غم والم اپنی آنکھون سے دیکھین اور آہ نہ کرین، ان پر بڑا تعجب ہے"[۵۱]

چنانچہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا، اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہوگا، ادنیٰ مثال یہ ہو، کہ صوم دوام رکھنے کے باوجود افطار مین کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری مین کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا، کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس وقت بھی کچھ نہ تناول فرمائین گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ

"چندین مسکینان و درویشان در کنج ہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند این طعام در حلق من چگونہ فرو رود"[۵۲]

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا،

خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلا وجہ ان کا دشمن ہوگیا تھا، اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا، لیکن جب اس کی وفات کی خبر ملی، تو اس کے جنازہ مین شریک ہوئے، اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی، اور اس سے جو تکلیفین پہونچی تھین، ان کو معاف کرکے ارحم الراحمین سے اس کی مغفرت کے لئے دعائین کین،[۵۳]

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت مین جتنی اشیاء تھین، غرباء و مساکین مین تقسیم کر دین، پھر بقیہ خاص سے مختلف چیزین مختلف خلفاء کو عطا کین، اور ان کو خاص مقامات پر جانے کا

---

۵۱ سیر العارفین ص ۴۴، ۵۲ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۶ ۵۳ اخبار الاخیار ص ۵۴ ۵۳ سیر العارفین ص ۲۵؛

حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلّی، خرقہ، تسبیح اور کاسۂ چوبین دے کر فرمایا،

"شما را در دہلی باید بود، وجفاے مردم باید کشید"

اس کے بعد عصر کی نماز ادا کی[1] اور آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا کہ یہ آفتاب دین ابد کے پردہ میں مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ ہے،[2] مزار پرانوار دہلی میں ہے، جہان آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے، (باقی)

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد اول صفحہ ۳۳۲ [2] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین،

حیاتِ شبلی

حصۂ اول

حیاتِ شبلی جس کا مدتون سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہو گئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہین ہے، بلکہ اُس میں ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر، انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علما کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے، اس کے علاوہ دار المصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سراے میر، اور شبلی انٹر کالج کی عمارتون کے ۱۳ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد سے مجلد لعہ

"منیجر"

غزالی کا نظریۂ علم وعرفان

از

جناب شوکت سبزواری ایم اے ریسرچ اسکالر

امام غزالی حکمائے اسلام میں ایک بلند ترین درجے پر فائز ہیں، انھوں نے اپنی قابلِ قدر علمی اور حکیمانہ تصانیف سے اسلامی ادبیات کے دامن کو بیش از بیش مالا مال کیا ہے، اسلامی علوم وفنون کا کوئی شعبہ بھی نہ ہوگا، جس میں اس پر عظمت شخصیت نے اپنی کوئی تصنیف نہ چھوڑی ہو، اور اپنی علمی موشگافی اور فلسفیانہ بحث وجستجو کے بے شمار چشموں سے اُسے سیراب نہ کیا ہو، اس مفکر کی زندگی تمام تر تحقیق وطلب کے لئے وقف ہو چکی تھی، وہ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے کائنات اور خالق ارض وسماوات کے اسرار ورموز اور حقائق پر غور وفکر فرماتے رہتے تھے، ان کا یہ والہانہ شوق وجستجو براہ راست اثر تھا قرآنی تعلیمات اور اسلامی روایات کا، اس لئے میرا یقین ہے کہ ان کی داستان طلب وجستجو میں جہاں علم وعرفان کے نامحدود حقائق پنہاں ہیں، وہاں وہ عملی تفسیر بھی ہے قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کی؛

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا	صاحبانِ ہوش وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ	لیٹے خدا کا ذکر کرتے ہیں اور ارض وسما
یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	کی خلقت پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں، اور
وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا	کہتے ہیں کہ اے خدا تو نے اس کائنات
بَاطِلًا، (آل عمران - ۲۰)	کو بے سود پیدا نہیں کیا،

امام غزالی کی زندگی نام ہے ذکر وفکر کا، اور وہ صحیح معنی میں سب سے پہلے اسلامی مفکر، اسلامی حکیم، اور اسلامی فلسفی ہیں، جنھوں نے قرآن کی صاف اور واضح تعلیمات کو فلسفۂ یونان کے نامسعود اثر سے پاک کیا، اور ذکر وفکر اور بحث ونظر سے متعلق خالص اسلامی نقطۂ نظر، اسلامی اسلوب، اسلامی طریقے اور اسلامی

روایات متعین فرمائین، یونانی فلسفے نے جہان اسلامی مفکرون مین ایک خاص نقطۂ نظر اور تحلیلی بحث کا ایک خاص شوق پیدا کر دیا تھا، وہان اس سے ایک برا اثر بھی رونما ہوا تھا، کہ قرآن کا اصل منہاج یعنی کائنات و حیات کا براہ راست مطالعہ اور گردوپیش کے ٹھوس حقائق کا ذاتی احساس یا قریبی تعلق کسی قدر عقب مین جا پڑا تھا، ہر مسئلے کو ارسطو کے بتائے ہوے منطقیانہ اصولون پر پرکھا جاتا تھا، اور قیاس و استدلال یا حجت و برہان کے طریقے جو یونان مین مقرر کئے جا چکے تھے، ان مین کسی کاٹ چھانٹ اور تراش و خراش کی کوئی گنجایش باقی نہ رہی تھی،

خاص اس اثر سے اسلامی دنیا مین جو تحریکین وجود مین آئین ان مین قدیم علم کلام اور اعتزال (Rationalism) خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہین، یہ دونون تحریکین ایک حیثیت سے ایک دوسرے سے متبائن ہین، یہ مخالف جہت کی دو حرکتین ہین، اعتزال وہ حرکت ہے جو یونانی فلسفے کی طرف کی گئی ہے، اور اس غرض سے کی گئی ہے، کہ اُسے اپنا یا جائے، اسلام کے نظامِ حیات کو فلسفۂ یونان سے قریب تر کر دیا جائے، یونانی فلسفے کی روحِ استدلال اور عقلیت پرستی (Intellectualism) کے عناصر کو اسلامی تعلیمات مین سمو دیئے جائین، اور اسلام و قرآن کے احکام کو فلسفۂ یونان کے قالب مین ڈھال لیا جائے، اس غرض سے بہت سے اسلامی احکام و مسائل کی تاویلین روا رکھی گئین، اور منطقیانہ تجزیہ کے بعد بعض نہایت سادہ اور فطری اصول بہت کچھ بدل دیئے گئے، قدیم علم کلام اس حرکت سے وجود مین آیا، جو یونانی فلسفے سے اسلام کی طرف اور اس کے موافق کی گئی تھی، اس تحریک کے زیر اثر تقریبی طور سے تمام مذہبی ذخیرے کی جانچ پڑتال عمل مین آئی، اور خصوصیت کے ساتھ مابعد الطبعیاتی مسائل یعنی ذات و صفات خداوندی، حدوثِ عالم، یومِ آخرت، جزائے اعمال، اور ترکیب کائنات کو انھی اصول اور قاعدون کے مطابق بحث مین لایا گیا، جو یونانی حکمت اور منطق مین استعمال ہوتے تھے، اور اسلامی زاویہ ہائے نگاہ کو ان پر پرکھا بھی گیا،

طبعی طور پر اس کا یہ اثر ہوا کہ یونانی استدلال اور اس کا طریق بحث اسلامی ادبیات مین کچھ اس طرح رچ بس گیا، اور اسلامی اربابِ فکر پر چھا گیا، کہ وہ اسلامی روحِ بحث اور اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل غافل ہو گئے، ان کی نگاہون سے تحصیل علم و عرفان کی وہ تمام راہین اوجھل ہو گئین، جو حقیقت کی منزلون تک ان کو لے جاتی تھین، اسلام چاہتا تھا، کہ وہ حیات و کائنات کا برہنہ آنکھون سے مشاہدہ کرین، لیکن وہ

مصنوعی چشموں اور موٹے موٹے شیشوں سے خارجی دنیا کو دیکھنے کے ایسے خوگر ہوگئے، کہ قریب تھا ان کی آنکھیں اپنی فطری روشنی اور چمک تک کھو بیٹھیں، اور عینک اتارنے کے بعد بیرونی نور سے خیرہ ہو جائیں،

غزالی سب سے پہلے عالم ہیں جنھوں نے یونانی فلسفے کی اس متحرک روح کو دبا دیا، اور اس کے زیر اثر اسلام میں عقلیت پسندی کا جو بے پناہ سیلاب بڑھتا چلا آرہا تھا، اس کا فلسفیانہ تشکک وارتیاب (Philosophical Scepticism) سے پوری طرح مقابلہ کیا، اس حیثیت سے امام غزالی کو جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے لکھا ہے :-

"بہر حال اس سے انکار نہیں کیا سکتا کہ امام غزالی کا مشن پیمبرانہ ہے، اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے جرمن فلاسفر کانٹ سے بہت مماثل ہے"[1]

کانٹ دنیائے فلسفہ میں ایک خاص مقام کا مالک ہے، اس کا فلسفہ انتقادی فلسفہ کہلاتا ہے جس میں عقل نظری (pure reason) یا فکر انسانی (Thought) کے اعمال کا جہاں محققانہ جائزہ لیا گیا ہے، وہاں اوس کی حدود بھی متعین کر دی گئی ہیں، غزالی اور کانٹ میں دو وجہ سے مماثلت ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ دونوں کا محور بحث عقل انسانی کے حدود و قیود کی تعیین ہے، یا یوں کہئے کہ عقلیت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو کاٹ چھانٹ کر اعتدال پر رکھنا ہے، دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہ دونوں ہستیاں جس عہد میں پیدا ہوئیں، وہ عقلیت پرستی کا زمانہ تھا، جس کے ماتحت لادینیت، مذہب سے عام بیزاری یا نفرت اور الحاد و زندقہ کے میلانات عام طور پر ابھر رہے تھے، اور فروغ پا رہے تھے، جرمنی میں اٹھارہویں صدی عیسوی لادینی اور شکست ایمان کا عہد سمجھا جاتا ہے، اور کانٹ کی بابت عام خیال ہے کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کی بے پایاں عنایات کا ایک برگزیدہ مظہر تھا، علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں :-

"غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب نے جو کسی قدر اپنی حدود سے متجاوز ہو گیا تھا، وہی کام کیا جو جرمنی میں کانٹ نے کیا ہے، یعنی اس فریب کارانہ سطحی عقلیت کی پشت توڑی، جو ٹھیک اس سمت میں حرکت کر رہی تھی، جدھر جرمنی میں کانٹ سے پہلے اس کا بہاؤ تھا"[2]

کانٹ اور غزالی میں فرق بھی ہے جس کی تشریح و تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن غزالی کی بابت

---

[1] Reconstruction of Religious Thought in Islam p. 4.

[2] ایضاً ص ۵،

علامہ اقبال نے بہت صحیح لکھا ہے کہ ان کا مشن پیمبرانہ تھا، خود امام غزالی نے اپنے مشن اور کام کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے، یہ سب جانتے ہیں کہ امام غزالی اپنے زمانہ میں ایک بڑے علمی وقار کے مالک تھے، دنیائے اسلام میں ان کی جلالت عظمت، اور زہد و تقویٰ کا ڈنکا بجتا تھا، ایک مدت تک وہ بغداد کی مشہور درس گاہ نظامیہ میں اعلیٰ مدرس رہ چکے تھے، تمام علمائے اسلام، شیوخ، اکابر اور امرائے دولت ان کا انتہائی احترام کرتے تھے، لیکن بچپن ہی سے ان کی فطرت حقیقت اور سچائی کی جویا تھی، جب سے انھوں نے ہوش سنبھالا ایک طالب حق کی طرح اہم علمی، فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کی تحقیق میں وہ برابر غرق رہے، انھوں نے اپنے مشہور رسالہ "المنقذ من الضلال" کی تمہیدی سطور میں لکھا ہے[۵]:-

"مختلف امور کے حقائق دریافت کرنے کا شوق قدرت نے طفلی ہی سے میری فطرت میں ودیعت کر دیا تھا، اس لئے تقلید یا رسم پرستی کی تمام بندشیں اس زمانہ میں ہی ڈھیلی پڑ چکی تھیں، اور عہد طفلی کے تمام موروثی عقائد کو میں خود ہی خیرباد کہہ چکا تھا، میرا یہ شوق و ذوق کوئی اختیاری چیز نہ تھی، یہ خالص فطری اور جبلی رجحان تھا جو میری فطرت پر چھایا ہوا تھا"

امام غزالی کی یہ علمی تشنگی یوں تو آخر تک قائم رہی لیکن اس کی شدت کا زمانہ خود ان کے بیان کے مطابق اس وقت شروع ہوا، جب ان کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی اور اس وقت تک قائم رہا، جب وہ پچاس سال سے بھی متجاوز ہو چکے تھے، ۴۸۸ھ کا درمیانی عہد ان کی قلبی بے چینی اور روحانی اضطراب کا زمانہ ہے، یہ وہ زمانہ ہے، جب انھیں یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہے، وہ قلبی سکون اور طمانیت خاطر کے لئے کافی نہیں، تقلید کے روابط ٹوٹ جانے کے بعد ایمان و ایقان کا عروۂ وثقیٰ انھیں دستیاب نہ ہو سکا تھا، بار بار وہ یہی محسوس فرماتے تھے، کہ ان کی دلی تاریکیاں گھٹنے کی جگہ اور بڑھتی جا رہی ہیں، وہ چاہتے تھے، کہ صحیح اور حقیقی علم کی تحصیل کے لئے اپنے تمام علمی مشاغل اور درس و تدریس کے انہماک کو ترک کر دیں، کمال یکسوئی اور گوشۂ تنہائی کے بغیر وہ درک حقیقت سے قاصر تھے، اور اس ذکر و فکر یا عبادتِ الٰہی کی ضرورت محسوس فرماتے تھے، جسے احادیث میں تحنث سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ پس و پیش کی سی حالت پورے چھ ماہ قائم رہی، اور آخر ماہ ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں یہ حق و عرفان کا جویا جاہ و مال اور عیال[۱]

---

[۵] المنقذ من الضلال مطبوعہ مصر ص ۳۔

واطفال کو چھوڑ کر بغداد سے روانہ ہو گیا، یہ کہانی بہت دلچسپ ہے، اس لئے انہی کے الفاظ میں سنئے :-

"اس ماہ میں میں مجبور سا ہو گیا، اس لئے کہ ناگاہ میری زبان پر قفل سا لگ گیا، اور میں درس تک نہ دے سکا، میں کوشش کرتا تھا، کہ کم سے کم ایک روز تو اپنے طالبوں کو خوش کرنے کے لئے کچھ درس دوں، لیکن ایک لفظ بھی نہ بول سکتا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ میں ملول رہنے لگا، اور میری قوت ہاضمہ جاتی رہی، نہ پانی پی سکتا تھا، اور نہ کوئی لقمہ ہضم ہوتا تھا، تمام قوی کمزور ہو گئے، اطبا نے کہا کہ یہ صدمہ کا اثر ہے، جو مزاج تک سرایت کر گیا ہے، اس لئے علاج کی کوئی صورت نہیں، جب تک وہ صدمہ رفع نہ ہو، میں نے اپنی کمزوری محسوس کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دعا کی، آخر خدا نے میری سُنی، اور میرے لئے جاہ و مال، عیال اور اطفال کا ترک آسان کر دیا، میں نے ظاہر یہ کیا، کہ میں مکہ جانا چاہتا ہوں، اور دل میں شام کے سفر کا ارادہ میں پنہاں رکھتا تھا، میں نے یہ اس لئے کیا کہ خلیفۂ زمان اور میرے احباب اس سے باخبر نہ ہوں"

چنانچہ وہ شام تشریف لے گئے، اور مسلسل گیارہ سال تک ذکر و فکر اور مجاہدہ و ریاضت فرماتے رہے،

"پھر میں شام گیا اور دو سال وہاں مقیم رہا، میرا مشغلہ یکسوئی تنہائی، خلوت، ریاضت اور مجاہدوں کے سوا اور کچھ نہ تھا، خدا کے ذکر سے میں نفس کے تزکیۂ اخلاق کی تہذیب، اور قلب کی صفائی میں لگا رہتا تھا، جیسا کہ میں نے صوفیائے کرام کی کتابوں سے سیکھا تھا اور پڑھا تھا، کبھی مسجد دمشق میں اعتکاف کرتا تھا، تمام دن کے لئے میں مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا تھا، اور اس کا دروازہ بند کر لیتا تھا، پھر میں بیت المقدس روانہ ہو گیا، میرا معمول تھا کہ میں روزانہ صخرہ میں داخل ہو جاتا، اور اندر سے دروازہ بند کر لیتا، ازاں بعد کشاں کشاں حرمین پہنچا، اور خلیل اللہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، اس کے بعد وطن کی الفت نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، یہاں بھی عملی طور پر میں خلوت نشیں ہی رہا، اور دنیاوی افکار و علائق کے باوجود تنہائیوں میں اپنے قلب و نفس کی پاکی میں لگا رہتا، یوں ہی کامل دس سال بیت گئے، اس درمیان میں

بہت سے امور مجھ پر منکشف ہوئے، جن کا حصر و اندازہ نہین کیا جا سکتا،" (المنقذ ص ۲۹ و ۳۰)

امام غزالی کے نظریے دراصل نتیجے ہین ان کے لگاتار ذکر و فکر اور نظر و خبر کے جن کی بابت خود ان کا بیان ہے کہ وہ بے پایان ہین، اور ان کا اندازہ نہین کیا جا سکتا، پورے گیارہ سال کی خلوت نشینی اور مجاہدہ کے بعد جب ان امور کی نشر و اشاعت کا انھون نے فیصلہ فرمایا، تو اوّل اپنی جماعت کے اکابر یعنی اربابِ کشف و عیان سے انھون نے مشورے کئے، رات کی تنہائیون مین اولیاء اور صلحار کی ارواح سے رہنمائی کی خواہش کی، تب کہین ان کے باطن مین انقاد ہوا، کہ وہ چھٹی صدی ہجری کے آغاز مین دین متین کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے ہین، اور یہ ان کا اخلاقی اور مذہبی فرض ہے، کہ وہ اسلام کے چشمے کو تمام بیرونی خس و خاشاک کی کثافتون سے جس سے وہ اٹا پڑا ہے، پاک و صاف فرمائین،

وَقَدْ وَعَدَ اللّٰہ سبحانہ باحیاء	خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے
دینہ علی رأس کل مائۃ فاستحکم	آغاز مین اپنے دین کا احیاء فرمائے گا اس لئے
الرّجاء وغلب حُسن الظنّ بسبب	میری آرزو میں اور استحکام آگیا؛ اور ان
ھٰذہ الشھادات ویسّر اللہ	شہادتون کی وجہ سے میرا حسنِ ظن اور پختہ
تعالیٰ الحرکۃ الیٰ نیسابور للقیام	ہوگیا، چنانچہ ذی قعدہ ۴۹۹ھ مین خدا کی
بھذا المُھمّ فی ذی القعدۃ سنۃ	توفیق و اعانت سے اس خدمت کی انجام دہی
تسع وتسعین واربعمائۃ وکان الخروج	کے لئے مین نیشاپور روانہ ہوگیا، بغداد سے
من بغداد فی ذی القعدۃ سنۃ ثمانٍ	میری روانگی بھی ۴۸۸ھ کے ذی قعدہ ہی
وثمانین واربعمائۃٍ وبلغت مُدّۃ	میں ہوئی تھی، اس اعتبار سے پورے گیارہ
العزلۃ احدی عشرۃ سنۃً (ایضاً ص ۵۱)	سال مین نے خلوت مین گذارے،

ان سطرون مین صاف اور واضح الفاظ مین اعلان کیا گیا ہے، کہ علم و عرفان کی تحصیل کے بعد امام غزالی نشر و تبلیغ کی خدمت پر خدا کی طرف سے اور اس کے امداد اور توفیق کے ماتحت مامور ہوئے اس لئے اگر ان کی اس خدمت کو پیمبرانہ مشن (Prophetic mission) کہا جائے، تو کسی طرح بھی بیجا نہ ہوگا،

حقیقتِ علم امام غزالی نے سب سے پہلے علم کی حقیقت پر غور فرمایا، اور یہ اس لئے کہ طالب حق اور

جویائے حقیقت کے لئے ضروری ہے، کہ اولاً علم و عرفان کی اصلیت اور اس کی ماہیت دریافت کرے، علم نام ہے جاننے اور دریافت کرنے کا، اور ظاہر ہے کہ جاننا ایک طرح کا انکشاف ہے، جس کے بے شمار مراتب یا درجات ہیں، رات کی تاریکی میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ روشن کر دینے سے بھی آس پاس کی چیزیں منور ہو جاتی ہیں، لیکن چیزوں کا یہ تنوّر یا انکشاف کسی قدر دھندلا ہے، اور اس کے مقابلہ میں بہت ہی ہیچ اور بے قدر ہے، جب ایک نہایت قوی برقی لمپ روشن کر دیا جائے، دن کی خیرہ کر دینے والی روشنی میں یہ دونوں انکشاف کوئی حیثیت نہیں رکھتے، دن میں چیزوں کے چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر گوشے اور زاویے بھی آئینہ کی طرح چمک اٹھتے ہیں، علمی یا ذہنی انکشاف کی نوعیت اور اس کے بے شمار درجات کا تفاوت بھی کچھ اسی طرح کا ہے، اعلیٰ اور برتر انکشاف امام غزالی کے نزدیک علم یا علم یقینی ہے، اس اعلیٰ انکشاف کی بابت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ انکشاف ہے جس میں شک و شبہہ کا شائبہ تک نہ ہو، اور غلطی یا وہم کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے[۱]، یہ ایک خالص ذہنی کیفیت ہے، جس کا اندازہ الفاظ یا عبارت سے نہیں کیا جا سکتا، اور اس کی کوئی قطعی یا فیصلہ کن تحدید و تعیین بھی نہیں ہو سکتی تاہم امام صاحب نے اس نامعلوم کیفیت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ اگرچہ ذہنی یا قلبی طور پر ذرا دشوار ہے کہ اس کیفیت کے صدود متعین کر دیئے جائیں لیکن اس اعلیٰ انکشاف کی ایک علامت ہے، اور وہ یہ کہ اس انکشاف کے ہوتے ہوئے کوئی سحر افسون بلکہ اعجاز بھی علم کی اس استوارانہ حالت کو صدمہ نہیں پہنچا سکتا، مثلاً اگر میں جانتا ہوں اور پوری طرح مجھے یقین بھی ہے، کہ نو تین سے زیادہ اور اس سہ گنا ہے، اور کوئی یہ کہے کہ نہیں یہ غلط ہے، بلکہ تین نو سے زیادہ ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے، کہ میں اس عصا کو سانپ کی شکل میں تبدیل کر سکتا ہوں، اور وہ تبدیل کر بھی دے اور میں اپنی آنکھ سے دیکھ بھی لوں، تب بھی اپنے علم و عرفان میں مجھے کوئی شک نہ ہوگا، اور اس حیرت انگیز کارنامے پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بھی میں یہی کہوں گا، کہ میرا علم صحیح ہے، جو علم اس طرح کا نہ ہو اور جس میں یقین و استواری اس درجے تک نہ پائی جائے، وہ قطعی ناقابل اعتبار ہے،

دراصل علم کی حقیقت دو صفات سے مرکب ہے، ایک صفت کا تعلق عالم کی ذات سے ہے، اور دوسری کا معلوم سے، علم ایک باطنی انکشاف اور قلبی تنور ہے، جو عالم کے باطن سے پیدا ہوتا ہے، اور اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب معلوم براہ راست مدرکہ قوتوں پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے، کہ

---

[۱] المنقذ صفحہ ۴،

عالم کے باطن میں وہ تمام صلاحیتیں ہوں جو اسے معلوم کے زیر اثر لاسکیں، اور ان میں انفعالی لہریں بھی پیدا کرسکیں
امام غزالی نے مذکورہ بالا مثال سے یہ بات بھی واضح کرنی چاہی ہے، کہ اگر کسی امر کا خواہ وہ اپنی جگہ کیسا ہی
حیرت انگیز اور تعجب خیز کیوں نہ ہو، کسی معلوم سے کوئی نسبت یا تعلق نہ ہو تو وہ اس معلوم کی حقیقت پر کوئی
اثر نہیں کرتا، میں جانتا ہوں کہ تین دس سے کم ہے، یہ ایک حقیقت ہے، اور ایسی ہی حقیقت ہے جیسے عصا
کو سانپ کی شکل وصورت میں تبدیل کرنا، لیکن یہ دونوں حقیقتیں جدا جدا اور ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق
ہیں، اس لئے ایک کے ماننے یا نہ ماننے سے دوسرے کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، دوسرے علم عالم
کے باطن یا اس کے اندرون سے رونما ہوتا ہے، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، اس لئے جب تک کوئی حقیقت
پوری طرح سمجھی نہ جاسکے، وہ علم وعرفان کے درجے پر فائز نہیں ہوتی، امام صاحب فرماتے ہیں :-

فان کان للنبی خاصیۃ لیس	اگر نبی میں کوئی خاصیت ایسی بھی ہے،
لک منھا انموذج فلا تفھمھا	جو ایک عام انسان میں نہیں پائی جاتی
اصلاً فکیف تصدق بھا	تو تم کبھی اس کو نہیں سمجھ سکتے، اس لئے
وانما التصدیق بعد	اس کی تصدیق بھی نہیں کرسکتے، ایک
التفھم،	چیز کی تصدیق اس کے فہم وادراک کے بعد
(ایضاً صفحہ ۳۳)	ہی ہوتی ہے،

امام صاحب کے الفاظ انما التصدیق بعد التفھم ان کے نظریہ علم کی حقیقت تک پہونچنے میں ہماری
رہنمائی کرتے ہیں، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ایمان جو دراصل تصدیق کا شرعی یا مذہبی نام ہے ایسی اشیاء،
امور اور قضایا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے، جو کسی طرح بھی سمجھے نہ جاسکیں، امام غزالی کے اصول پر یہ صحیح نہیں،
یہ ایک طرح کی خود فریبی اور بھولا پن ہے، ایمان نام ہے تصدیق کا، اور تصدیق تفہم کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے
اس لئے فطری طور پر ایمان بھی تفہم کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے، تصدیق نبوت کے باب میں بھی امام غزالی
کا خیال ہے کہ وہ بے واسطہ اور براہ راست نبی کی تعلیمات، اس کی ہدایات اور اس کے اقوال و اعمال
میں نظر و فکر کرنے اور الگ الگ اس کے اصول کو عقل وادراک کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد حاصل کی جائے،
اس سلسلہ میں امام صاحب نے معجزات اور خوارق پر بھی بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک ان کے
ساتھ دوسرے بے شمار قرینے بھی نہ ملائے جائیں، یہ معجزے تنہا ایمان وایقان پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے،

فمن ذالک الطریق فاطلب	اس راہ سے نبوت کا علم اور اس کا
الیقین بالنبوۃ لا من قلب	یقین حاصل کرو نہ کہ عصا کے اژدہے
العصا ثعبانا و شق القمر	کی صورت میں تبدیل ہو جانے اور چاند
الخ،	کے دو ٹکڑے ہو جانے سے،

سرچشمۂ علم عام طور پر علم کے سرچشمے دو ہیں، ایک حس، دوسرے عقل، ان میں سے اوّل الذکر قدیم ترین اور اوّل ترین سرچشمۂ علم ہے، قدیم ترین اس لئے کہ شاید انسان اوّل ہی جب وہ پوری طرح تہذیب اور تمدن کی برکتوں سے فیضیاب نہ ہوا تھا حس کو علم حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا تھا، اور اب بھی جو قومیں ذہنی ارتقاء سے محروم ہیں حس کے علاوہ کسی اور قوت کو سرچشمۂ علم قرار نہیں دیتیں، یہ قومیں تاریخی ارتقار کی درمیانی کڑیاں ہیں، قدیم ہندی فلاسفہ میں سے چارواک پرتیکش پرمان[1] (sense perception) ہی کو علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ خیال کرتے تھے، اوّل ترین اس لئے کہ چھوٹا بچہ سب سے پہلے حواس ہی کو کام میں لاتا ہے، اور محسوسات ہی تک اس کے ناقص علم کی رسائی ہوتی ہے، اس کے بعد جب اوس کی ذہنی قوتیں پوری طرح نشو و نما پا چکتی ہیں، تب کہیں وہ عقل سے جو حس کے مقابلے میں کسی قدر لطیف مدرک ہے، آشنا ہوتا ہے، حواس پانچ ہیں، اور وہ سب ایک حیثیت کے نہیں، ان میں بھی تقدم و تاخر کے اعتبار سے درجات کا تفاوت ہے، جدید حیاتیات (Biology) نے بھی ان کے اس تفاوت کو مانا ہے[2] امام غزالی اس تفاوت سے باخبر تھے، انھوں نے لکھا ہے:-

> "انسان سب سے پہلے حاسۂ لمس سے مستفیض ہوتا ہے جس سے وہ حرارت، برودت، لین اور خشونت وغیرہ کا ادراک کرتا ہے، اس کے بعد اس کو قوت بصر یعنی بینائی بخشی جاتی ہے، جس سے وہ رنگوں اور شکلوں کی معرفت حاصل کرتا ہے، یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ عام اور وسیع حاسہ ہے، اس کے بعد سمع اور ذوق کا درجہ ہے، اور سب سے آخر میں شامہ یعنی سونگھنے والی قوت ہے"[3]

جہاں تک انسان کا تعلق ہے، یہ تمام قوتیں اور حواس بیک وقت اُسے عطا کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ قوت وضعف کے اعتبار سے بہرحال اس میں تفاوت رہتا ہے، یعنی ان قوتوں کا ارتقاء ایک

---

[1] چارواکو ہی سمکشم ایکم نیایکسما نجلی ص ۱۰۹، ہندی فلسفہ کے نظام ششگانہ میکس مولر ص ۹۹ [2] ... [3] المنقذ ص ۳۲

ہی ساتھ اور یکساں طور پر نہیں ہوتا، بلکہ آخر الذکر دو قوتیں یعنی ذائقہ اور شامہ خصوصیت کے ساتھ بالکل آخر میں اور وہ بھی بہت زمانہ کے بعد کہیں ارتقا پذیر ہوتی ہیں، امام صاحب کا خیال ہے کہ انسان کا بچہ سات سال کی عمر میں ان تمام قوتوں کو تمام و کمال حاصل کر لیتا ہے، یہ ارتقار کی اولین منزل ہے، جسے منزلِ محسوسات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے، جو گویا انسانی راہ حیات کا ایک نیا موڑ ہے، قرآن شریف نے بھی اس موڑ کی طرف ذیل کے الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:۔

ثمّ انشا ناہ خلقا آخر فتبارک	پھر ہم نے انسان کو نئی خلقت عطا فرمائی،
اللہ احسن الخالقین،	وہ خدا بابرکت ہے، جو تمام صناعوں
(مومنون - ۱)	سے بڑھکر ہے

یہ خلقتِ جدید یا خلقِ آخر وہ منزل تو نہیں جس کا ذکر کیا جارہا ہے، لیکن اس منزل کا سبب یا اوس کا باعثِ اصلی ضرور ہے، امام صاحب نے اس منزل کو تمیز کے نام سے پکارا ہے، اور اس کی بابت یہ فرمایا ہے:

وَھُوَ طورٌ آخر من اطوار وجودہٖ	انسان کے درجاتِ ہستی میں ہے یہ ایک
فیُدرک فیہ امورا زائدۃً	جدید اور بالاتر درجہ ہے، جس میں وہ
عن عالم المحسوسات لا یوجد	عالم محسوسات سے الگ کچھ اور امور
منھا شئی فی عالم الحس،	کا ادراک کرتا ہے، جو حسّی دنیا میں
(ایضاً صفحہ ۳۲)	نہیں پائے جاتے،

اس منزل کا آغاز اس وقت ہوتا ہے، جب بچے کی عمر سات سال کے لگ بھگ ہوتی ہے، اس کے بعد وہ عقل و خرد کی منزل میں قدم رکھتا ہے، جو عام اور مشہور ارتقائی منازل میں آخری اور اختتامی منزل ہے، امام صاحب کا بیان ہے، کہ اس منزل میں انسان واجبات، جائزات، محرمات اور مستحیلات وغیرہ کا بخوبی ادراک کر لیتا ہے، اور اس قابل بھی ہوجاتا ہے کہ وہ نیک و بد کے درمیان تمیز کر سکے،

کیفیت علم احساس و ادراک کی کیفیت ایک جیسی نہیں، بلکہ وہ بہت کچھ مختلف ہے، احساس میں ایک طرح کی بساطت پائی جاتی ہے، وہ انفرادی اور وجدانی ادراک ہے، آپ اگر کسی چیز کو دیکھتے ہیں، تو اس کی ایک تصویر اس کے مخصوص رنگ اور حدود و قیود کے ساتھ آپ کے ذہن (Sensation) میں

مرتسم ہوجاتی ہے، ذہن جسے انگریزی میں (mind) اور سنسکرت میں "من" کہتے ہیں، حواس کے لئے مرکز کی سی حیثیت رکھتا ہے، جہاں تقریباً حواس کے تمام مدرکات جمع رہتے ہیں، قدیم حکمائے یونان ذہن کے اسی حصہ کو حس مشترک کے نام سے موسوم کرتے تھے، عقلی ادراک کی نوعیت کسی قدر ترکیبی ہے، اور چونکہ ترکیب بساطت کے بعد ہے، اور اس کا دارو مدار ان مفردات پر ہے جن سے ترکیب حاصل ہوئی ہے، اس لئے عقلی ادراک بھی موقوف ہے حواس اور اس کے مدرکات پر، وہ ایک نوع کی چھان بین، جانچ پڑتال اور تالیف و ترکیب ہے، جس کے ذریعہ وہ مدرکات حواس کے الگ الگ حصے کرتا ہے، ان کی بہت سی ڈھیریاں بناکر ان کے متعلق کچھ قطعی احکام یا فیصلے بھی صادر کرتا ہے،

یہیں سے امام غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب کی بنیادیں پڑتی ہیں، ان کا خیال ہے کہ چونکہ حواس کے فیصلے کہیں کہیں عقل و ادراک سے غلط ثابت ہوجاتے ہیں اور ان کے فیصلے بارگاہ دانش سے مسترد کردیئے جاتے ہیں اس لئے حواس اور ان کے مدرکات پر پورا پورا اعتماد نہیں کیا جاسکتا، حاسۂ بصر (قوت بینائی) تمام حواس میں قوی تر شمار کیا جاتا ہے، اس کا یہ حال ہے کہ جب کبھی ہم ظل یا سایہ کی طرف نظر اٹھاکر دیکھتے ہیں، تو وہ ہمیں ساکن، غیر متحرک یا ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے، اور اگر اولین مشاہدہ پر ہی فیصلہ دیدیا جائے، تو یقیناً عقل بھی اُسے ساکن یا غیر متحرک ہی بتائے، لیکن بار بار دیکھنے اور تجربہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ سایہ بھی آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہے، یا وہ ٹھہرا ہوا نہیں ہے، آسمان پر کواکب اور سیارے بہت ہی صغیر و حقیر اور چھوٹے اور بے مقدار نظر آتے ہیں لیکن عقل انسانی ہندسی دلائل سے بصر کے اس فیصلے کو بھی غلط ثابت کردیتی ہے، اور اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجایش نہیں چھوڑتی، کہ بظاہر بے مقدار ناچیز اور چھوٹے چھوٹے سیارے درحقیقت زمین سے کہیں بڑے اور اس سے کئی گنا زائد عظمت و حیثیت کے مالک ہیں،

عقلی ادراکات دو طرح کے ہیں، اولیات، اور نظریات، نظریات کے غیر یقینی ہونے میں تو کوئی شبہہ نہیں، البتہ اولیات کی بابت اہل خرد کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ یقینی ہیں، اور ان میں کسی طرح بھی شک نہیں کیا جاسکتا، اولیات وہ واضح ہیں، اور مسلم عقلی فیصلے ہیں، جو بار بار تجربہ کیئے جانے اور مشاہدے میں آنے کے باعث کسی جدید ثبوت کے محتاج نہیں، یا جنھیں عام طور پر جملہ ذی ہوش انسان بے چون وچرا مان لیتے ہیں، اقلیدس کے تمام امور متعارفہ (Axioms) اسی قسم کے ہیں، دس تین سے زائد ہے، اجتماع ضدین محال ہے، ایک چیز بیک وقت موجود و معدوم نہیں ہوسکتی، یہ اور اسی طرح کے تمام جلی اور

ہین قضایا اولیات مین شمار کئے جاتے ہین،

جس طرح حس کے فیصلے عقل و ادراک سے غلط ثابت ہو جاتے ہین، اسی طرح امکان ہے کہ عقل کے اولین قضایا بھی آیندہ غلط یا نا درست ثابت ہو جائین، آخر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ عقل سے بالاتر دو کوئی مدرک یا سرچشمۂ علم و عرفان نہین ؟ جب تک اس کا امکان ہے کم سے کم اس وقت تک عقلی فیصلے بھی ہرچند کہ وہ اولی اور جلی ہین، قطعی یا یقینی نہین کہے جا سکتے، یہ ہے امام غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب کا خلاصہ جس نے انھیں ذوق یا وجدان کی راہین دکھائین، اور اسلامی دنیا مین حکمت و تصوف کے ڈانڈے ملائے،

ذوق یا وجدان امام غزالی کا بیان ہے کہ وہ پورے دو ماہ تک فلسفیانہ ارتیاب مین مبتلا رہے، جسے انھون نے سفسطہ کے نام سے یاد کیا ہے، اس عرصہ مین ان کے عقائد کی عمارتین سب ڈھیر ہو گئین، اور اگر توفیق ایزدی ان کی دستگیری نہ فرماتی تو شاید وہ کبھی سفسطہ کے دلدل سے باہر نہ آتے، نظم کلام یا ترتیب مقدمات سے ان کا یہ ارتیاب رفع نہ ہوا، بلکہ وہ محض نور الٰہی اور کشف روحی تھا جس نے درمیان سے تمام پردے اٹھا کر انھین اصل حقیقت کا جلوہ دکھایا،

ذوق (Intuition) دراصل مدارک علیہ مین سے ایک مدرک ہے اور اسی طرح ایک مدرک ہے، جیسے حس و عقل، لیکن اس کی تحصیل و تربیت کے لئے کسی قدر غیر معمولی جد و جہد اور طلب و جستجو کی حاجت ہے، اس قوتِ مدرکہ کے وجود سے یون تو قدیم ہند و یونان کے حکما اور ارباب عرفان بھی بیخبر نہ تھے، چنانچہ پروفیسر میکس مولر نے لکھا ہے کہ ویدانت سوتر کی بعض شروح و حواشی مین ایک جدید سرچشمۂ علم (Second source of Knowledge) کا ذکر ساکشاتکار کے نام سے کیا گیا ہے[۱]، اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کا متعلق یا موضوع براہمن یعنی خدا کی ذات اور اس کی صفات ہین، ایک مشہور جینی عالم نے لکھا ہے :-

> "پرم آرتھک پرتیکش (ذوق و وجدان) وہ واضح علم ہے، جسے آتما (روح) براہ راست اور بے واسطہ حاصل کرتی ہے، یہ علم کسی دوسری قسم کے علم یا حواس و ذہن کی وساطت سے حاصل نہین ہوتا، یہ خالصاً وجدانی یا ذوقی ہے، جو روحانی تنور سے پیدا ہوتا ہے، اور حصول کمال کا سبب یا ذریعہ ہے"[۲]

لیکن اس علم کی حقیقت یا ماہیت پر علمی بحثین امام غزالی ہی نے کین اور نظر و استدلال کی اعانت

---

[۱] ملاحظہ فرمائیے ہندی فلسفہ کے نظام ششگانہ ص ۱۴۳، ۵۲ نیا سے کسنا مجلی پروفیسر ہیرالال کپاڈیا صفحہ ۱۱۳

سے اس کو ایک جدید سرچشمۂ علم ان سے پہلے غالبًا کسی نے ثابت نہین کیا، یہ تو ایک حقیقت ہے، کہ یہ علم دلیل و برہان کا محتاج نہین یعنی اس کے لئے مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنے یا منطقیانہ تحلیل و تجزیہ کی ضرورت واقع نہین ہوتی، وہ ایک طرح کا فوری یا فجائی ادراک ہے، قدیم حکماے یونان نے قیاس واستدلال کی دو صورتین بتائی ہین، ایک فکر دوسرے حدس، یہ دونون صورتین استدلالی ہین، اس لئے کہ ان مین مقدمات سے نتیجے اخذ کئے جاتے ہین، اگرچہ فکر کسی قدر باقاعدہ استدلال ہے، اس مین مقررہ قاعدون اور ضابطون کے مطابق مقدمات ترتیب دینا پڑتے ہین، اور حدس ہرچند مبنی ہے مقدمات پر، لیکن مقدمات کی باقاعدہ ترتیب کی اس مین حاجت نہین، اور اسی لئے نتیجہ تک پہنچنے مین کچھ وقت صرف نہین ہوتا، بلکہ بجلی کی چمک کے ساتھ مقدمات سے نتیجہ تک رسائی ہوجاتی ہے، ذوق یا وجدان اس باب مین استدلال سے بہت مختلف ہے، اس مین سرے سے مقدمات ہی کی ضرورت نہین، وہ ایک قسم کا کشف روحی اور شرح صدر ہے، جو کبھی کبھی فیض الٰہی سے اس طرح پھوٹ کر نکلتا ہے جس طرح آفتاب سے نور، یا برق سے درخشانی، امام صاحب نے لکھا ہے، کہ حضرت اکرمؐ سے جب شرح صدر کے معنی دریافت کیگئی، تو آپنے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے، جو عارف کے قلب مین القا کر دیا جاتا ہے، اس نور کی بابت امام صاحبؒ فرماتے ہین :-

ذالک النور ینبجس من الجود	یہ نور گاہے ماہے فیض الٰہی سے پھوٹ
الالٰھی فی بعض الاحایین	پڑتا ہے، اس لئے اس کی طلب وجستجو
ویجب الترصد له	ضروری ہے،

دراصل وجدان ایک طرح کا احساس (Sense) ہے، جس مین ادراک یا علم کے بعض ضروری اجزاء بھی ملے جلے پائے جاتے ہین، صوفیاے کرام نے اس نوع کے احساس کو حال سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی نے حال اور علم کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے، کہ بہت سے علوم اور حقائق ایسے ہین جنھین تعلیم سے حاصل نہین کیا جاسکتا، بلکہ وہ صرف ذوق، حال اور تبدل صفات ہی سے دریافت کئے جاتے ہین، مثلاً صحت اور سیری کی حقیقت کو جاننا، اور ان کے اسباب اور شرطون کو سمجھنا اور خود سیر اور تندرست ہونا ان دونون مین بہت فرق ہے، اسی طرح بدمستی اور سرور کی ماہیت کا ادراک اور بدمست ہونا، یہ دونون بہت کچھ مختلف ہین، جسے عام طور پر علم کہا جاتا ہے، وہ دراصل علم ہی نہین، وہ ایک طرح کا معلوم سے بعید ترین

تعلق یا نسبت (Contact) ہے، صحیح علم وہی ہے جس مین عالم و معلوم کے درمیان سے دوئی کے تمام پردے اٹھ جائین، اور ظاہر ہے کہ متعارف اور مشہور علم مین اتنی یگانگت اور اس درجہ اتحاد کبھی حاصل نہین ہوتا خنکی کا تصور یا اس کا احساس بھی ہر چند انسان کے جسم مین پھریری پیدا کر دینے کا باعث ہوجاتا ہے لیکن اس کی اصل حقیقت سے آگاہی جب ہی ہوتی ہے، کہ اس کی تمام کیفیات انسان کے باطن مین رونما ہوجائین جذبات، احوال اور کیفیات کی بابت مشہور انشا پردازون نے بھی یہی کہا ہے، کہ جب تک ان کو اپنے اوپر طاری نہ کرلیا جائے، انسان ان سے بے خبر رہتا ہے حقیقی شاعر کے ادراک وحصول کی نوعیت بھی ذوقی یا وجدانی ہی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ جب تک شاعر کی نفسی کیفیات یا کم سے کم ان کی جھلکیان کسی تنقید نگار کو حاصل نہ ہون، تنقید کا حق ادا نہین ہوتا، شاید مولانا روم نے اسی تعلق سے شاعری کی بابت فرمایا ہے :-

شاعری جزویست از پیغمبری

امام غزالی نے معلومات اور درجات علم کے باہمی تفاوت کی بنا پر علم و ایمان کے بھی تین مراتب قرار دیئے ہین، اوّل علم جو برہان، استدلال یا قیاس سے حاصل ہوتا ہے، دوم ذوق و وجدان جو علمی حالات و کیفیات طاری کرلینے کا نام ہے، سوم ایمان جس کی بابت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ حسن ظن، تسامع اور تجربہ کی بنا پر کچھ امور مان لینے اور انھیں درست تسلیم کرلینے کا حاصل یا نتیجہ ہے، اس کے بعد امام صاحب نے لکھا ہے :-

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا	خداے تعالیٰ ایمان لانے والون کو اور
مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	ان کو جو اہل علم ہین درجہ بدرجہ بلند
دَرَجٰتٍ، (مجادلہ - ۲)	فرماتا ہے،

ہندوستان مین علوم حدیث کی تالیفات

از

جناب مولوی ابویحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب لکچرار الہ آباد یونیورسٹی نے علوم حدیث پر ہندوستان کی عربی تالیفات کے عنوان سے دسمبر ۱۹۴۲ء مین ایک مضمون لکھا تھا، یہ مضمون ایک حیثیت سے گویا اس کا تکملہ ہو، موصوف کا مضمون ۱۸۵۰ء تک کی صرف عربی تصنیفات تک محدود تھا، راقم نے اس مین فارسی اور اردو کو بھی شامل کرلیا ہے، لیکن سنہ کی تحدید قائم رکھی،

اس مضمون مین ۱۴۱ مولفات اور ۸۴ مولفین کا ذکر ہے، جو باعتبار فن ۲۲ اقسام پر مشتمل ہین،

(۱) اصول حدیث پر ۷ (۲) اسناد حدیث پر ۱۱ (۳) تخریجات پر ۲ (۴) رجال پر ۳ (۵) غریب الفاظ پر ۳ (۶) شروح بخاری ۱۰ (۷) شروح مسلم ۵ (۸) شرح ابی داؤد ۱ (۹) شرح نسائی ۱ (۱۰) شروح ترمذی ۷ (۱۱) شروح ابن ماجہ ۲ (۱۲) شروح مسند احمد ۱ (۱۳) شروح موطا مالک ۲ (۱۴) شروح مشکوٰۃ ۹ (۱۵) شرح بلوغ المرام ۱ (۱۶) کتب متفرق ۲ (۱۷) سیرۃ ۱۲ (۱۸) سیر و مناقب ۱۸ (۱۹) مدونات ۱۲ (۲۰) موضوعات ۲ (۲۱) اربعینیات و شروح ۱۲ (۲۲) اوراد و وظائف ۳،

مولفین مین ۳ حضرات کے سال وفات نہ معلوم ہوسکے (۱) شیخ الاسلام رام پوری (۲) فخر الدین رام پوری (۳) احمد یار مرالے والے، اور ۲ کتابون کے مولفین کے نام معلوم نہ ہوسکے، نمبر ۱۲۴، و ۱۳۵ و ۱۳۶ مین سے ایک تو یقینی طور پر مولینا ولایت علی صادق پوری ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء کی تالیف ہے، اور بقیہ ۲ کتابون کے مولفین کا اس وقت علم نہ ہوسکا، یہ ہر سہ کتب رسائل تسعہ مین ہین، جو مطبوع ہے،

قسم اول اصول حدیث مین ۱۰ کتابین

منہج در اصول حدیث: مخدوم نظام الدین بن امیر سیف الدین معروف بہ شیخ بھکاری کاکوروی (م ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) سال ولادت ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء ...... جامع علوم ظاہر و باطن در علوم ظاہرہ

یہ مولانا ضیاء الدین محدث (م سنہ) و قاضی عبداللطیف برانی (م سنہ) نسبت تلمذ داشتہ و درا وائل کتب درسیہ متعارفہ از والد خود تحصیل کردہ و در اکتساب علم باطن مرید سید ابراہیم ایرجی ست، کہ نبیرۂ سید عبدالرزاق بن غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی بود" (علماے ہند ۳۳)

مشاہیر کاکوری (ص ۵۵۴) میں آپ کی تصانیف کا ذکر ان الفاظ میں ہے:-

"منہج متعلق بہ اصول حدیث، معارف متعلق بہ تصوف، ترجمہ و شرح کتاب لمعات بزبان فارسی حسب ارشاد سید ابراہیم بغدادی، تحفہ نظامیہ تین سوالوں کے جواب میں"

(۲) **شرح نخبۃ الفکر فی اصول الحدیث**: از مولانا وجیہ الدین گجراتی (م ۲۹ رجب ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) محرم ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں متولد ہوئے، جاے ولادت چاپانیر ہے.... فنون درسیہ ملا عماد الدین طارمی (م سنہ) سے حاصل کئے، تصانیف یہ ہیں: حاشیہ بیضاوی شرح نخبہ فی اصول الحدیث، حاشیۃ العضدی، حاشیۃ التلویح، حاشیۃ البزدوی، حاشیۃ ہدایۃ الفقہ، حاشیہ شرح الوقایہ، حاشیۃ المطول، حاشیۃ المختصر، حاشیۃ شرح التجرید، حاشیہ شرح الجامی، حاشیہ ارشاد النحو، شرح ابیات المفصل، ان کے سوا اور بھی بہت سے حواشی ہیں (منتہی الارب من ذکر علماء النحو والادب مولفہ مولوی ذوالفقار احمد بھوپالی ص ۱۹۷)

(۳) **شرح نخبۃ الفکر**: مولانا عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبدالنبی شکاری اکبرآبادی (م سنہ ۹)

"نامش عماد الدین محمد عارف عثمانی صوفی شکاری نسباً و خرقۃً والحنفی مذہباً بہ پیروی شرع و مرید شیخ عبداللہ صوفی شکاری اکبرآبادی از علماے عظام و صوفیاے کرام بود تصانیف رائقہ ازو یادگار اند" تعداد تصانیف ۴۶ (تذکرہ علماے ہند ۱۳۴)

ان میں سے حدیث کی کتابوں کا تذکرہ آیندہ آئے گا،

ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوٰۃ (عدد ۴۶) شرح حدیث خیر الاسماء عبداللہ و عبدالرحمان (عدد ۴۷) شرح حدیث کنت کنزاً مخفیاً عدد (۵۷) شرح حدیث الصلوٰۃ معراج المومن (عدد ۳۷) لوامع الانوار فی مناقب السادات الاطہار (عدد ۱۰۸) لوامع ...... پر سال فراغ ۸ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء ثبت ہے، لیکن سال وفات معلوم نہ ہوسکا، (ملخص از علماے ہند ۱۳۵)

(۴) **مقدمہ فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث** (عربی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) مختصر تعریفات اقسام حدیث پر مشتمل، اور مشکوٰۃ مطبوعۂ ہندوستان کے شروع میں منضم ہے، آپ کی ۶۰ تالیفات کا

تذکرہ اس مضمون میں ہے (نمبر ۲۵، ۱۰۶، ۹۵، ۹۶، ۰۷، ۹۷)

(۵) **مایجب حفظہ للناظر** :- از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) من جملہ ان ۶ تالیفات (حدیث) کے جن میں سے ۵ کا ذکر آگے آئے گا، الارشاد الی مہمات الاسناد (عدد ۱۲) الانتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ (عدد ۱۳) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عدد ۱۴) المصفی فی شرح الموطا (عدد ۱۶) تاویل الاحادیث (عدد ۶۸)

(۶) **اصول حدیث**
(۷) **القول الصحیح فی مراتب التعدیل والتجریح**
(۸) **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**

علامہ محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م رمضان ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

نام عبد الرزاق لقب محی الدین کنیت ابو الفیض، (مولد بلگرام) حجاز و مصر و زبید وغیرہ ممالک اسلامیہ میں علم کی تحصیل کی، اور زبید میں طرح اقامت ڈال دی، آپ کے فیض یافتگان میں منجملہ اور اکابر کے سلطان عبد الحمید خان اور صدر الوزارت محمد پاشا بھی ہیں، تصانیف کی تعداد تقریباً ۶۶ ہے (ملخص از علمائے ہند ص ۲۲۴)

آپ کی پینتیس تالیفات کا ذکر مضمون ہذا میں ہے،

(۹) **عجالۂ نافعہ** (فارسی) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)

"دربیان بعض کتب حدیث و اسناد خود و بعض فوائد علم حدیث" (اتحاف النبلاء، نواب صدیق حسن ص ۱۰۹) مشہور متداول رسالہ ہے، اس کے سوا آپ کی اور چند تالیفات کا بھی ذکر ہے، (عدد ۶۲ و ۱۲۳)

(۱۰) **اصول حدیث** (عربی) مولوی سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء) .... (از علمائے ہند، ص ۷۷) ترجمہ شیخ کے لئے ملاحظہ ہو (معارف ج ۵۰ نمبر ۶ ص ۴۲۱)

آپ کی تالیفات حدیث میں (۱) ترجمہ صحیح بخاری (فارسی) (۳۹) (۲) ترجمہ شمائل ترمذی (عدد ۵۱) کا ذکر آیندہ آئے گا،

آپ کے والد حضرت شیخ الاسلام اور شیخ الاسلام کے والد حافظ فخر الدین کی ایک ایک تصنیف بھی زیب اوراق ہے (عدد ۴۰ ۳ و ۴۴)

قسم دوم اسناد حدیث میں دو کتابیں

(۱۱) **وثیقۃ الاکابر** (عربی) شیخ فقیر اللہ بن عبد الرحمان القرشی سندی نے سند کی ضرورت پر بحث کر کے مختلف کتب حدیث وغیرہ کے متعلق اپنے اسناد لکھے ہیں ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء

میں یہ رسالہ لکھا گیا، (لباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دار العلوم الاسلامیہ پشاور ص ۶۹ عدد مسلسل ۳۷۵)
"کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور میں آپ کی ایک اور تصنیف، قطب الارشاد عربی میں فقہ اور تصوف پہ (قلمی) موجود ہے، آپ ملا حبیب اللہ قندھاری کے شیخ الشیخ ہیں، (لباب المعارف.....ص ۱۰۰ عدد مسلسل ۹۶۹)

زمانۂ وفات کا اندازہ سنۂ تالیف متذکرۃ الصدر (۱۱۶۰ھ، ۴۷-۱۷۴۶ء) سے کیا جا سکتا ہے،

(۱۲) الارشاد الی مہمات الاسناد، (عربی)	از شاہ ولی اللہ
(۱۳) الانتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ (عربی)	محدث دہلوی
(۱۴) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی)	(م ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء)

اول الذکر (الارشاد) کا قلمی نسخہ کتب خانہ حمیدیہ بھوپال میں ہے، (معارف دسمبر ۱۹۳۶ء) اور فضل المبین کا قلمی نسخہ کتب خانہ سید احمد شاہ محدث رام پوری کے دار الکتب میں راقم الحروف نے دیکھا ہے،

(۱۵) حصر الشارد فی اسانید محمد عابد[۱]..... للشیخ محمد عابد بن الشیخ احمد علی سندی مجلد ایست ضخیم در وے الوف کتب وجمیع مسلسلات خود ذکر کردہ محتوی یست برہمہ مسانید مشائخ حرمین وغیرہم"
(اتحاف النبلاء ص ۲۷، و الفوائد البہیہ مولانا عبد الحئی لکھنوی ص ۹۵) ترجمہ شیخ محمد عابد کے لئے ملاحظہ ہو معارف جلد ۵۰ نمبر ۶ ص ۴۲۲، سال وفات ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء ہے،

(۱۶) الفیض الجاری فی اسانید البخاری[۲]	
(۱۷) المرتضویہ فی المسلسل بالاولیۃ	للشیخ محمد مرتضیٰ بلگرامی
(۱۸) تکمیل الجواہر الغالیہ فی روایۃ الحدیث العالیہ	الزبیدی،
(۱۹) المجالس الشیخونیہ	(م ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰ء)
(۲۰) برنامجہ	

برنامجہ کے متعلق نواب صدیق حسن فرماتے ہیں:-

---

[۱] قال الشیخ محمد عابد فی کتابہ حصر الشارد فی اسانید محمد عابد "فقد اجزت کافۃ من ادرک حیاتی من المسلمین ان یروی عنی جمیع ما اشتمل علیہ ھذا السفر بالاسانید التی ذکرتھا وکانت تمامہ فی بلد رحمانی شھر رجب سنۃ ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء"
(المکتوب اللطیف مولانا شمس الحق دیانوی ص ۹)

[۲] نمبر ۱۶ تا ۱۹ کے نام منتہی الارب ص ۴۹۴ سے ماخوذ ہیں،

"قال السراج القزوینی عن شیخنا ان النسخة التی یکتب فیھا المحدث اسماء رواته واسانید الکتب المسموعة تسمی بذلک، محرر سطور می گوید ازین جنس ست برنامجہ سید محمد مرتضیٰ" (اتحاف النبلاء ۱۷۶)

تذکرۂ علماے ہند (ص ۲۲۵) میں سید ممدوح کے مولفات میں الفیة السند کے نام سے جس کتاب کا ذکر ہوا ہے، شاید یہی برنامجہ ہو،

(۲۱) مدارج الاسناد، از شیخ محمد المعروف بہ ارتضیٰ علی خان گوپاموی (م ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء) الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۹۵)

"ابن مصطفیٰ علی خان در سال ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء متولد شد، بخدمت مولوی حیدر علی سندیلی (م ۶ رجب ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) علوم عقلی ونقلی اخذ کردہ دفن ادب از مولوی محمد ابراہیم بلگرامی آموختہ جامع شریعت وطریقت بود....." (علماے ہند ۲۱)

تیسری قسم تخریجات حدیث پر ۶ کتابیں

(۲۲) تخریجات حدیث شیبنی ہود،
(۲۳) تخریج نعم الادام الخل،
(۲۴) عقد الجواہر الثمین فی تخریج حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین
(۲۵) المواہب الجلیہ فیما یتعلق بحدیث الاولیہ[1]
(۲۶) العروس المجلیہ فی طرق حدیث الاولیہ[1]
(۲۷) التحبیر فی الحدیث المسلسل التکبیر

از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

چوتھی قسم رجال پر ۳ کتابیں

(۲۸) النور السافر فی اخبار القرن العاشر للشیخ عبد القادر بن الشیخ عبد اللہ العیدروس ابوبکر محی الدین الیمنی الحضرموتی الہندی ولد یوم الخمیس ربیع الاول (۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء) بمدینة احمد آباد من بلاد الہند..... (م ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء) التعلیقات السنیة مولانا عبد الحی لکھنوی علی الفوائد البہیہ ص ۳۶)

مولانا ممدوح نے شیخ کی حسب ذیل ۱۳ تالیفات کے نام رقم فرمائے ہیں:-

(۱) الفتوحات القدسیہ فی الخرقة العیدروسیہ (۲) الحدائق الخضرة فی سیرة النبی واصحابہ العشرة (ص)

---

[1] و [2] حدیث الاولیہ کی شرح میں آپ کی تالیف عدد ۹، میں ملاحظہ فرمایئے،

(۳) الدر الثمین فی بیان المہم من الدین (۴) اتحاف الحضرۃ العزیزۃ بعیون السیرۃ الوجیزہ (ص) ، (۵) المنہاج الی معرفۃ المعراج ص (۶) المنتخب المصطفیٰ فی مولد المصطفیٰ (ص) (۷) الانموذج اللطیف فی اہل البدر الشریف (ص) (۸) اسباب النجاۃ والنجاح فی اذکار المساء والصباح (مطبوعہ مصر) ص (۹) الحواشی الرشیقہ علی العروۃ الوثقیٰ (۱۰) منح الباری بختم البخاری ص (۱۱) تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء ص (۱۲) عقد اللآلی بفضائل اللآلی ص (۱۳) بغیۃ المستفید بشرح تحفۃ المرید (۱۴) النفحۃ العنبریہ فی شرح المبتین العدنیۃ (۱۵) غایۃ القرب فی شرح نہایۃ الادب ، (۱۶) اتحاف اخوان الصفا بشرح تحفۃ الظرفا (۱۷) صدق الوفا بحق الاخا (۱۸) درر فور السافر......

شیخ عبد القادر کی تالیفات میں سے جن کتابوں کے نام سے کسی شعبۂ حدیث کے ساتھ اس کا قریبی تعلق سمجھا گیا ، ان کا ذکر مضمون ہذا میں کیا گیا ہے ، ایسی کتابوں کی تعداد دس ہے ، جن کے نام پر علامت ص لکھ دی گئی ہے ، عدد ۲۸ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۳۷ ،

(۲۹) **المغنی فی ضبط اسماء الرجال و تبہم** شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء) (التعلیقات السنیہ ص ۷) آپ کی ایک اور تالیف کا ذکر عدد ۵۲ میں آئے گا ،

(۳۰) **طبقات الحفاظ** : از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) (علماے ہند ۲۲۵)

پانچویں قسم لغت حدیث پر ۳ کتابیں

(۳۱) **مختصر نہایہ ابن اثیر** از شیخ علی متقی برہان پوری (م ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء) (اتحاف النبلاء ۱۷۸) ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ج ۵ نمبر ۶ ص ۴۲۳ ،

(۳۲) **مجمع الغرائب فی غریب الحدیث**
(۳۳) **المفہم شرح غریب صحیح مسلم** ،
شیخ ابو الحسن عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر ابن عبد اللہ الفارسی نیشاپوری غزنوی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) (اتحاف النبلاء صفحہ ۳۰۲)

آپ کے ترجمہ میں نواب صاحب فرماتے ہیں :-

" واز غزنہ بہند شتافتہ درروایت حدیث نمودہ " (اتحاف النبلاء ۳۰۵)

غزنہ کے متعلق مولانا عبد الحی لکھنوی کی تصریح ہے :-

" من اول بلاد الہند ذکرہ السمعانی "

کینت میں ابو الحسین و ابو الحسن دو روایتیں ہیں ، اور دونوں (الفوائد البہیہ صفحہ ۲) مولانا ممدوح

سے نقل ہیں، یعنی تعلیق المجد میں ابوالحسن بھی ہے اور ابوالحسین بھی۔!

"وروی عنہ الحاکم ابو عبداللہ الحافظ و ابوالحسین عبدالغافر الفارسی" (تعلیق المجد ص ۲۴)

راقم الحروف نے شیخ ممدوح کا تذکرہ باتباع خطیب و ابن عساکر و امثالہم علماے ہند میں کیا،

چون صوفیان بحالت در قصند در سماع

ما نیز ہم بشعبدہ دستے برآوریم

یہ بھی عجب نہیں کہ شیخ عبدالغافر کا نیشاپوری ہونا اسی طرح ہو جیسے سید مرتضیٰ بلگرامی کا زبیدی بن جانا،

شیخ کی ایک اور تالیف کا ذکر سلسلۂ اربعین میں عدد ۱۲۴ پر ملاحظہ سے گذرے گا،

چھٹی قسم شروح بخاری کی ۱۰ کتابیں | (۳۴) شرح بخاری (نامعلوم الاسم) شیخ حسن بن محمد الصنعانی

اللاہوری (م ۶۵۰ھ ۱۲۵۲ء)

"واین شرحے مختصر است و در یک مجلد است" (اتحاف النبلا ص ۵۵)

شیخ کا ترجمہ معارف ج ۵ نمبر ۶ میں موجود ہے، اور اس مضمون میں آپ کی پانچ تالیفات کا ذکر ہے

عدد ۳۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۲،

(۳۵) فیض الباری، میر سید عبدالاول بن علاء الدین الحسنی،

نواب صاحب لکھتے ہیں:۔

"جامع جمیع علوم عقلی و نقلی و رسمی و حقیقی بود و در اکثر علوم تصانیف دارد بر صحیح بخاری شرح نوشتہ مسمی بفیض الباری ..... بغایت معمر و مسن بود .... و مرید بعضے از اولاد سید محمد گیسو دراز جونپوری آخر در ۹۶۸ھ ۱۵۶۰ء برحمت حق پیوست قبر او درون قلعہ دہلی است درمیان گور غریبان افتادہ است ....." (اتحاف النبلا ص ۳۰۲)

فیض الباری کے علاوہ سید عبدالاول کی بعض اور تصانیف ہیں (۲) رسالہ فرائض منظوم (۳) رسالہ فارسی در تحقیق نفس (۴) منتخب سفر السعادۃ از تصانیف وے مشہور اند و علاوہ آن بر اکثر کتب حواشی و شروح و تعلیقات دارد ......" (علماے ہند ۱۰۶)

"ان تالیفات میں سے عدد ۳۵ کے علاوہ عدد ۱۰ کا ذکر آگے ملاحظہ سے گذرے گا، شیخ کا وطن زید پور متصل جونپور ہے،

(۳۶) **شرح صحیح بخاری**: شیخ یعقوب صرفی تخلص کشمیری خلف شیخ حسن کنائی عاصمی از اکابر کشمیر بود از شیخ حسین خوارزمی تعلیم باطنی و سند حدیث از شیخ ابن حجر مکی گرفتہ ...... تصانیف تفسیر کلام مجید ناتمام ... و شرح صحیح بخاری وغیرہا ..... م ۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء (علماے ہند ص ۲۵۵)

(۳۷) **تیسیر القاری شرح صحیح البخاری**: شیخ المفتی نور الحق (م ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء) ابن الشیخ عبد الحق محدث دہلوی (اتحاف النبلاء ۴۵)

"وا و برسی جزء صحیح بخاری شرح وافی داشت و معضلات و مشکلات احادیث را حل ساختہ،

(نزہت الخواطر بحوالہ رسالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور اگست ۱۹۲۸ء)

آپ کی ایک اور تالیف کا ذکر عدد ۴۵ میں آئے گا،

(۳۸) **شرح صحیح بخاری فارسی**: از شیخ الاسلام رام پوری (والد ماجد مولوی سلام اللہ محدث رام پوری م ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) (علماے ہند ص ۷۰) تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی،

(۳۹) **ترجمۂ فارسی صحیح بخاری** از شیخ سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) ان کی ایک تالیف کا تذکرہ معارف (جلد ۵ نمبر ۶ ص ۴۲۱) میں ہے،

ان کے والد کی مذکور الصدر شرح بخاری کا ذکر صاحب علماے ہند نے انہی کے نام کے ساتھ کیا ہے۔

(۴۰) **نور القاری شرح صحیح البخاری**: شیخ نور الدین بن محمد صالح الاحمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء)

"علامۂ زمان و یگانۂ روزگار بود و درین عصر مثل او کم گذشتہ، نزد ملا احمد سلیمان و ملا فرید الدین احمد آبادی تلمذ کرد و سرآمد ارباب دانش گردید..... از ابتداے تحصیل تا انتہاے عمر بہ تدریس و تصنیف پرداخت و عالمے را بہ تبحر رسانید، و زیادہ بر یک صد و پنجاہ تصنیف صغیر و کبیر در سلک تحریر کشید مثل (۱) تفسیر کلام اللہ (۲) و شرح بخاری (۳) و حاشیہ قویہ بر حاشیہ قدیمہ (۴) و حواشی شرح مواقف (۵) و شرح مقاصد (۶) و شرح مطالع (۷) و شرح تلویح، (۸) و شرح عضدی (۹) و مطول حاشیہ مطول (۱۰) و حاشیہ شرح وقایہ (۱۱) و حاشیہ شرح ملا (۱۲) و طریق الامم (۱۳) و شرح فصوص الحکم، — ولادتش در احمد آباد در ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء شدہ و وفات در شعبان ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء و عمرش ۹۱ سال و قبرش قریب خانقاہ اوست،"

(اتحاف النبلاء ص ۴۲۷)

(۴۱) ضوء الدراری شرح صحیح البخاری: سید علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) تاکتاب الزکوٰۃ (اتحاف النبلاء صفحہ ۱۳۳) کہ "ملخص است از ارشاد الساری با زیادت فوائد علی القلیہ"

(اتحاف النبلاء صفحہ ۱۵۶)۔

(۴۲) نظم اللآلی فی شرح ثلاثیات البخاری: "شیخ عبد الباسط بن مولوی رستم علی بن ملا اصغر علی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء)...... تصانیف ایشان بسیار است ہمہ نافع و مفید، منہا نظم اللآلی،..... وانتخاب الحسنات ترجمہ احادیث دلائل الخیرات، وحبل المتین فی شرح الاربعین وجواہر خمسہ در فرائض وعجب البیان فی اسرار القرآن، وشرح شافیہ ابن حاجب مسمی بشفاء الشافیہ وغیر ذلک (اتحاف النبلاء ص ۳۰۹) ان کتابوں میں سے نمبر ۲ و ۳ کا ذکر آگے آئے گا،

(۴۳) منح الباری شرح صحیح البخاری: للشیخ محمد احسن الواعظ الحافظ بن الحافظ محمد صدیق ابن الحافظ محمد اشرف النخوشابی الفتنا وری المعروف بہ حافظ دراز...... ومراد از حفظ قرآن ست نہ حفظ حدیث...... واین شرح پارۂ اول است، از شروع در مقصود نبذے از مناقب ائمہ اربعہ وامام بخاری ذکر کردہ ومعلوم نشد کہ این شرح باتمام رسید یا نہ (اتحاف النبلاء ۱۶۱)

صاحب علمائے ہند ان کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"در فقہ وحدیث واصول یگانہ روزگار از دودمان علم وفضل بود اکثر علوم از والدۂ خود کہ عالمہ وفاضلہ بود تحصیل نمود بر مسند افادت وافاضت متمکن شد وتمام عمر گرامی بدرس طلبہ وتالیف کتب صرف کردہ، منح الباری (م ن ح) شرح فارسی صحیح بخاری وتفسیر سورۂ یوسف وتفسیر والضحیٰ، ومعراج نامہ، ووفات نامہ، وحاشیہ شرح مبارک بر سلم، وحواشی تحفۂ اخوند یوسف وغیرہ رسائل وکتب از تصانیف اوست بعمر ۶۱ سالگی بحدود ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء رحلت نمود، (علمائے ہند صفحہ ۶)

ساتویں قسم شروح صحیح مسلم میں ۵ کتابیں | (۴۴) شرح فارسی صحیح مسلم: از شیخ فخر الدین (جد شیخ سلام اللہ محدث رامپوری م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء)، (علمائے ہند ۶۰)، ترجمہ وتاریخ وفات دونوں معلوم نہیں ہو سکے، شیخ سلام اللہ (ان کے پوتے) کے سال وفات سے ان کے زمانہ وفات کا تخمینی اندازہ ہو سکتا ہے،

---

۱۵ نواب صاحب نے اتحاف میں نام منح (م ن ح) لکھا ہے،

(۴۵) شرح صحیح مسلم از شیخ نور الحق ابن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء) (علمائے ہند ۲۲۶)
ان کا تذکرہ اوپر نمبر ۳۷ مین گذر چکا ہے۔

(۴۶) حاشیۃ السندی علی الجامع الصحیح للامام مسلم بن الحجاج (مخطوط) للشیخ ابو الحسن السندی (م ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء)
(فہرس الکتب العربیۃ الموجودۃ بالدار لغایت ۱۹۲۱ء نمبر ۹، ۲ صفحہ ۱۱۱) آپ کی دوسری تالیفات کا ذکر عدد ۴۹، ۵۰،
۵۴، ۵۸، ۶۰ کے تحت مین آئے گا۔

(۴۷) ابتہاج بختم صحیح مسلم ابن الحجاج: سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰ء)
(قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب ص ۱۹۴)

(۴۸) مطرالثجاج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج، للشیخ ولی اللہ الفرخ آبادی، درزبان فارسی است
وتمام نشد" (اتحاف ۴۰۱۱) (م ۱۲۴۹ھ ۱۸۳۳ء) از علمائے ہند ص ۲۵۲

آٹھوین قسم شرح سنن ابی داؤد مین ایک کتاب | (۴۹) فتح الودود علی سنن ابی داؤد: شیخ ابو الحسن سندی
(م ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء) اتحاف النبلاء ص ۱۹ وص ۲۴۱ (اس کتاب کا ذکر غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد للشمس الحق ڈیانوی
(م ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء) صاحب عون المعبود مین بھی ہے:۔

"ومنہم الفاضل الکامل الشیخ العلامہ ابو الحسن السندی ابن عبدالہادی المدنی لہ شرح
لطیف بالقول سماہ فتح الودود علی سنن ابی داؤد" (غایۃ المقصود ص ۹)[1]

نوین قسم شرح سنن نسائی مین ایک کتاب | (۵۰) تعلیق السندی (عربی) شیخ ابو الحسن السندی (م ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء)

[1] علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، اعلام اہل حدیث سے ہین، ابوداؤد پر آپ کی دو شرحون: عون المعبود
وغایۃ المقصود مین سے اول الذکر کامل چھپ چکی ہے، اور ثانی الذکر کا صرف پارۂ اول (۳۰ پارون مین سے) چھپا ہے
غایۃ المقصود کے حاشیہ پر ۲ کتابین ہین (۱) تلخیص ابی داؤد للمنذری (۲) تہذیب السنن لابن القیم، ابوداؤد کی یہ
دونون شرحین بازار مین نایاب ہین، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی کا شکوہ ایسی کتابون کے نہ چھپوانے مین
کس طرح کیا جائے، کہ اس کے کرنے کا تو یہ کام بھی نہ تھا!

مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی
سنی کو دکی مین جس نے نہ کبھی میری کہانی

یہ شعر بپاس خاطر مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب (مدیر اہل حدیث) لکھا گیا کہ آپ ہی اس کانفرنس کے جنرل سکریٹری ہین۔

یہ تعلیق نسخہ نسائی مطبوعہ انصاری پریس دہلی ۱۸۹۸ء کے حاشیہ پر ہے۔ اس نسخہ میں دوسرا حاشیہ (عربی) ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی کا المسمی بہ الحواشی الجدیدہ ہے، اور اس تعلیق (السندی) کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی ہے، (فہرس الکتب الموجودۃ فی الدار لغایت ۱۹۲۱ء: ۲۵۲: ۱۱۱)

دسویں قسم جامع ترمذی پر، کتابیں[1]

(۵۱) شرح الشیخ سراج احمد السرہندی، وہو بالفارسیۃ وقد طبع قطعۃ منہ ومن شرح ابی الطیب السندی (م ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) فی المطبعۃ النظامیہ فی الہند، (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹ لابی العلی مولانا عبد الرحمن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی،

(۵۲) تعلیق الترمذی: شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء) (مقدمہ تحفۃ الاحوذی فی ذکر شروح الترمذی)

(۵۳) شرح ابو الطیب سندی (م ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء، (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰)

(۵۴) شرح ابی الحسن بن عبد الہادی السندی المدنی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) وہو شرح لطیف بالقول کذا فی کشف الظنون (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰)

(۵۵) دُرّ الضرع: شرح حدیث ام زرع شمائل ترمذی واز سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی، (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) سن تالیفش ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء است و در سہ ورق است بر مذاق اہل باطن" (اتحاف النبلاء، ۹۶)

یہ شرح بھی مبشرات (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی جیسی ہے، جیسا کہ سید مرتضیٰ صاحب سے منقول ہے:-

"ہذہ نبذۃ تتضمن الکشف والبیان من حقائق الوجوب والامکان القاہ روح الامر القرآنی وجامع السبع الثانی فی تلویح صاحب الشرع مما فی حدیث ام زرع مما استفدتہ من مجالستہ قرۃ عین ومؤانسۃ من لا تاخذہ سنۃ ولا نوم"

(اتحاف النبلاء ص ۱۹۶)

---

[1] نواب محمد علی خان والی ٹونک کے فرزند نواب زادہ محمد عبد الوہاب خان صاحب نے ترمذی کی چار شرحوں عارضۃ الاحوذی، قوت المغتذی سیوطی اور ابو طیب سندی اور سراج احمد سرہندی کی شرحوں کو مجموعۂ اربعہ کے نام سے چھپوایا تھا لیکن غالباً اس کی ایک ہی جلد چھپ سکی،

(معارف نمبر ۲ جلد ۵۱ ص ۹۰)

خوش قسمتی یا بدنصیبی سے حدیث ام زرع تشبیہات و استعارات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسے شارحین کی دلچسپی کا عجیب مشغلہ بن گئی ہے، حتی کہ سید صاحب نے تو (من ورا حجاب نہین بلکہ) بلا حجاب صاحب حدیث یعنی روح الاعظم القرآنی وجامع السبع المثانی سے بالمشافہ ان استعارون اور تشبیہون کا حل معلوم کر لیا!

راز درونِ پردہ کہ سالک بہ کس نہ گفت
درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(۵۶) دُرر الفضائل، شرح شمائل ترمذی، از شیخ علیم الدین بن مولوی فصیح الدین قنوجی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) شاگرد مولوی عبدالباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) "تاریخ تسوید وقت الضحٰی من یوم الجمعۃ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء" (اتحاف ۱۰۱)

(۵۷) ترجمۂ فارسی شمائل ترمذی، از شیخ سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) (علماے ہند، ۲، تعلیق المجد ۲۶)

گیارہوین قسم شروح سنن ابن ماجہ مین ۲ کتابین

(۵۸) شرح ابن ماجہ: از شیخ ابوالحسن سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) (اتحاف النبلاء ۸۰، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۶۶)

(۵۹) انجاح الحاجہ: از شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی (م ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) متداول ہندوستانی نسخون کے حاشیہ پر ہے،

اس مضمون مین راقم نے اس کا التزام کیا ہے، کہ ۱۸۵۷ء کے اندر کی تالیفات پیش کی جائین، شیخ عبدالغنی کا انتقال ۷۴ سال کی عمر مین ۱۸۷۸ء مین ہوا ہے، ہم نے تالیف کی عمر چالیس سال قرار دے کر ان کی تالیف کو ۱۸۴۵ء مین مانا ہے، اس اعتبار سے ان کی تالیف ہماری مقررہ حد کے اندر آجاتی ہے،

بارہوین قسم مسند امام احمد بن حنبل پر ایک شرح

(۶۰) شرح مسند امام احمد بن حنبل[1]: در پنجاہ کراسہ از

---

[1] مسند امام احمد پر علماے ہند کی سعی پامال کا ایک نمونہ مولوی عبدالحکیم نصیر آبادی کی تبویب بھی ہے، جو آج سے تقریباً ۳۰ سال قبل کی گئی تھی، اور ابھی تک وہ اہل حدیث کانفرنس دہلی کے قبضۂ جبر و اختیار مین ہے، مؤلف نے تو صرف تبویب فقہی کی تھی، مگر ارباب کانفرنس نے اسے بھی عون المعبود کی شکل مین لانا چاہا، ۶۰ صفحے چھپ بھی چکے، اسی قدر شرح ہوئی، اس کے بعد اصل نسخہ کانفرنس کی الماری مین پڑا ہے، سنا ہے کہ شیخ الحدیث رحمانیہ دہلی (مولینا

ابو الحسن بن عبد الہادی السندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) (اتحاف ۱۲۲)

تیرہوین قسم موطاے امام مالک پر ۲ شرحین | (۶۱) **المصفّٰی شرح فارسی موطاے امام مالک**: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) معارف ج ۵۰ نمبر ۴ مین آپ کی عربی شرح المسوّیٰ کا ذکر آچکا ہے،

(۶۲) **تعلیقات علی المسوی**: (عربی) از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) بصورت حواشی (مختصرہ) بر نسخہ المسوّیٰ مطبوعہ مکہ معظمہ (بحوالہ تراجم علماے حدیث ہند ج ۱ ص ۵۴)

چودہوین قسم شروح مشکوٰۃ المصابیح مین ۹ کتابین | (۶۳) **شرح مشکوٰۃ المصابیح** (عربی) ملا علی طارمی محدث منسوب بہ شہر طارم کہ وطن اوست... بالجملہ ملا علی طارمی اکتساب علم حدیث از محدثین ملک عرب نمودہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح و شرح فقہ اکبر بکمال متانت و نفاست تصنیف کردہ، در ہندوستان بملازمت ہمایون بادشاہ اختصاص داشت و در شہر اکبرآباد (۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) بر طارم فردوس قدم گذاشت" (روز روشن ص ۴۰۵[۵])

(۶۴) **ذریعۃ النجاۃ فی شرح المشکوٰۃ**: از شیخ عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبد النبی شطاری اکبرآبادی (ملاحظہ ہو عدد ۳۰)

(۶۵) **اشعۃ اللمعات**، فارسی شرح مشکوٰۃ از شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) نہایت مشہور و متداول کتاب ہے،

(۶۶) **حاشیہ بر مشکوٰۃ المصابیح**، شیخ محمد سعید سہرندی (یا سرہندی) ابن مولانا شیخ احمد مجدد الف ثانی ابن عبد الاحد سرہندی "لقب وے خازن الرحمۃ است دانشمند متبحر فقیہ و محدث بود ظاہر و باطن از والد خود آموختہ حاشیہ بر مشکوٰۃ المصابیح نوشتہ در سنہ ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء رحلت فرمود (علماے ہند صفحہ ۱۰۹)

(۶۷) **مظاہر حق**، ترجمہ و شرح اردو مشکوٰۃ المصابیح از نواب محمد قطب الدین دہلوی (م ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) اس کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دراصل یہ کتاب شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (م ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) کی کسی نامعلوم الاسم کتاب کی شرح اور ترجمہ ہے، چنانچہ نواب صاحب ممدوح لکھتے ہین :-

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۲) عبید اللہ صاحب مبارک پوری) کانفرنس کی مجلس عاملہ مین تشریف لانے کے بعد کانفرنس کی طرف سے یہ نسخہ چھپوانے کے لئے مصر تشریف لیجانے کو ہین، کانفرنس مین آپ کی شمولیت سے ارباب ذوق کو نعمت تو حاصل ہوگئی،

[۵] روز روشن مولفہ مولوی محمد مظفر حسین صبا گوپا موی مشتمل بر تذکرۂ شعراے فارسی عہد امیر الملک نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) میں لکھی گئی،

"بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہان آبادی عرض کرتا ہے، کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث مین عجیب نافع کتاب ہے، کہ ہر مضمون کی حدیثین اس مین مندرج ہین اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزرگ مولانا مخدومنا مکرمنا حضرت حاجی محمد اسحاق نواسہ حضرت شیخ عبد العزیز رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیچ زبان ہندی کے بین السطور مین لکھا تھا لیکن کاتبون سے اس کی صحت مین فرق آنے لگا، مرضی جناب موصوف ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جاوے، بہتر ہے، اس سے اس ہیچمدان نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علحدہ کرکر لکھا اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبد الحق اور حاشیہ سید جمال الدین رحمہم اللہ کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کرکر خدمت عالی مین عرض کی، اور جناب ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے، تبرکاً اس مین درج کئے، اور نام اس کا مظاہر حق رکھا گیا، کہ اس مین اس کی تاریخ نکلتی ہے،

(مظاہر حق جلد اول)

گویا یہ شرح (مظاہر حق) اصلاً شاہ محمد اسحاق صاحب (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء) کی ہے، اور نواب قطب الدین (۱۲۷۵ھ / ۱۸۶۲ء) نے اس کی تہذیب فرمائی ہے،

(۸۶) ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، از مولوی احمد یار (بہ عہد راجہ گلاب سنگھ حکمران جموں از سنہ یا سنہ)

مولوی صاحب کے بزرگون کا وطن قصبہ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) ہے، مولوی احمد یار کی بود و باش موضع قلعہ اسلام گڑھ (متصل جلال پور جٹان ضلع گجرات پنجاب) مین تھی، جہان سے آخر عمر مین موضع مرالہ برلب دریائے چناب بسمت شمالی) اقامت فرما ہوئے،

آپ نے راجہ گلاب سنگھ کی فرمائش پر گرنتھ صاحب کا ترجمہ فارسی مین شروع کیا تھا ایک اور تصنیف بطرز شاہنامہ فردوسی لکھنی شروع کی تھی جس مین مہاراجہ رنجیت سنگھ کے واقعات تھے، مگر دونون پوری نہ ہوسکین مناہج النبوۃ کے رکن چہارم کا ترجمہ کیا، اور پنجابی نظم مین ۴۳ کتابین لکھین، جن کے مسودے مولوی محمد لطیف صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول قصبہ پھالیہ (گجرات پنجاب) کے پاس موجود ہیں' (مستفاد از ہمیشہ سخنوران ہند (زیر تالیف) من ابی یحییٰ راقم مضمون بحوالہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور)۔

پندرہویں قسم شرح بلوغ المرام میں ایک کتاب

(۶۹) شرح بلوغ المرام از شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء)

(تراجم علماے حدیث ہند جلد ۱ ص ۵، ۲ بحوالہ علماے ہند فارسی ص ۲۰۲)

سولہویں قسم مختلف کتب احادیث کی شروح میں ۲۰ کتابیں

(۷۰) انتخاب سفر السعادۃ: میر سید عبد الاول جونپوری (م ۹۶۸ھ / ۱۵۶۰ء) "در سیر نیز نوشتہ منتخب از کتاب سفر السعادۃ و بر اکثر کتب حواشی و شروح و تعلیق دارد"

(اتحاف ص ۳۰۲)

(۷۱) شرح سفر السعادۃ (فارسی) از شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) مشہور و متداول ہے،

(۷۲) قصر الآمال بذکر الحال و المآل (فارسی) از مولوی رفیع الدین بن عظمت اللہ مراد آبادی (م ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء)۔ کہ

"یکے از فضلاے معتبرین ہند بود علم حدیث از مولوی خیر الدین سورتی، تلمیذ شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء) و از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) استفادہ نمود، و سعادت اداے حج و عمرہ یافت، و درین باب کتابے نوشتہ حالات الحرمین (عدد ۱۰۹) و او را با شاہ عبد العزیز مذاکرہ علوم و استفاضہ منطوق و مفہوم بود، مسائل صعبہ را از تفسیر و حدیث از وے پرسید و دران موشگافیہا می کرد، و تصانیف ایشان بسیار است ازان جملہ قصر الآمال بذکر الحال و المآل، اسلوب الکئیب بذکر الحبیب (عدد ۱۲۱) ترجمہ عین العلم و شرح اربعین نووی (عدد ۱۲۸) و کنز الحساب و تذکرۃ المشائخ و کتاب الاذکار (عدد ۱۳۸) و تذکرۃ الملوک و شرح غنیۃ الطالبین و تاریخ افاغنہ و جز آن، انتقال ایشان در بلدہ مراد آباد، یکم ذی الحجہ ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء بمرض استسقا بودہ رحمہ اللہ تعالیٰ (اتحاف النبلاء ۲۵۱)

(۷۳) شرح الصلوٰۃ معراج المومن
(۷۴) شرح خیر الاسماء عبد اللہ و عبد الرحمٰن
(۷۵) شرح حدیث کنت کنزاً مخفیاً

} شیخ عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبد النبی الشکاری الاکبرابادی (ملاحظہ ہو عدد ۳)

(۷۶) تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام، از شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء) تحریض فی العمل بالحدیث بر ذم علی التقلید (اتحاف فی ترجمۃ الشیخ) باتباع ذکر کتاب حجۃ اللہ البالغۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مضمون مقدمہ ڈاکٹر زبید احمد صاحب بیان میں لائی گئی، (ملاحظہ ہو معارف جلد ۵ نمبر ۶ مضمون ڈاکٹر صاحب ممدوح)

(۷۷) شرح الترغیب والترہیب ، از شیخ محمد حیات سندی ممدوح الصدر ، (اس کا ماخذ نظرانداز ہوگیا ، ابویحییٰ)

(۷۸) تاویل الاحادیث (عربی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)

(۷۹) المرقاۃ الجلیہ فی شرح الحدیث الاولیہ

(۸۰) کشف الغطا عن الصلوٰۃ المصطفیٰ ،

(۸۱) رفع الاشتباہ عن مناقب بسم اللہ

(۸۲) العقد الثمین فی طرق الالباس والتلقین ، | از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء)

(۸۳) الاحتفال بصوم الست من الشوال ،

(۸۴) عقد الجمان فی بیان شعب الایمان

(۸۵) حدیقۃ الصفا فی الدین المصطفیٰ

(۸۶) شرح تیسیر الوصول الی احادیث الرسول : شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء)

جامع الاصول لاحادیث الرسول کی شرح ہے (مولفہ ابوالسعادات المبارک بن ابی المکرم محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی الجزری المعروف بابن اثیر الجزری آخر شعبان ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء (اتحاف ۴۶)

(۸۷) تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار (اردو) از مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء) مشہور عالم ربانی امیر المومنین سید احمد بریلوی (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کے رفقا میں تھے ، تحریض عمل بالحدیث میں آپ کے یہ مشہور شعر ایک صدی سے آویزۂ گوش ہیں ،

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے — دُر دانۂ دُرج مصطفیٰ ہے

صوفی ، عالم ، حکیم ، دینی ، — کرتے رہے اس کی خوشہ چینی

بابا کے یہاں سے کون لایا — جس نے پایا یہیں سے پایا

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول و کردار

(۸۸) ترجمہ اردو حصن حصین ، از نواب قطب الدین دہلوی (م ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) علمائے ہند صفحہ ۱۲۹) اس تالیف کی وجہ عدد ۹۵ میں ملاحظہ فرمائیے ،

(۸۹) شرح حصن حصین ، مولوی فخر الدین رام پوری (م سنہ ؟ (علمائے ہند صفحہ ۱۶) (عدد ۸ ملاحظہ ہو)

(باقی)

استفسار وجواب

سادات وعلویین

اور

ان کی سیادت وشرافت کی نسبتین

(۱)

جناب کرم الٰہی صاحب ہڈ ماسٹر چک امرال ضلع راولپنڈی، "ہمین اقوام اعوان، قریش، سادات اپسال کی تاریخین درکار ہین مشہور ہے کہ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہین، اس کی کیا اصلیت ہے ؟"

معارف: حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی اولاد کی دو قسمیں ہین، ایک تو سادات کہے جاتے ہین جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دونون صاجزادون حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہین، اور عرف عام مین "سادات" سے موسوم ہین، حضرت علیؓ کی دوسری اولادین، دوسری ازواج سے ہین، یہ لوگ نسباً وعرفاً "علوی" کہے جاتے ہین،

آپ کے صوبہ مین جو مقامی طور پر مختلف قبائل اور خانوادے مختلف نامون سے موسوم ہین، ان کے حالات ان خاندانون کے اکابر سے پوچھیے، پنجاب کے مختلف خاندانون پر کتابین لکھی گئی ہین لیکن ایسی کتابون کا ذخیرہ ہمارے یہان کم ہے، اس لئے ان خاندانون کے متعلق اعتماد کے لائق کوئی بات عرض نہین کیجا سکتی،

(۲)

جناب اسد علی صاحب انور ٹیلرنگ ہاوس، مارگیٹ، اجمیر شریف (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری ازواج کی اولاد محمد بن حنفیہ وغیرہ کی اولاد کو تذکرۃ السادات اور دوسری کتابون مین "سید" سے ملقب کیا گیا ہے، اور صرف بطنی فرق بتایا گیا ہے، لیکن بعض لوگون

کو اس سے اختلاف ہے، وہ سیادت کی نسبت کو صرف حضرات حسنینؓ اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص جانتے ہین، اور علویین کو شیوخ کہتے ہین، حالانکہ حضرت علیؓ کی اولاد ہونے مین یہ دونون برابر ہین، اور میرے خیال مین ہر شخص کو اپنے باپ ہی کی طرف منسوب کرنا درست ہے، اس لئے سادات علویین و فاطمیین مین کوئی فرق نہین ہے، براہِ کرم تفصیل سے مطلع فرمائین، باعث کرم ہوگا،

(۲) حضرت محمد بن حنفیہ فرزند سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے کتنے فرزند تھے، اور ان سے اولاد جاری ہوئی؟"

معارف:- حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہونے کے سبب نسبت سیادت سے منسوب نہین، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "انا سید ولد آدم" (مستدرک حاکم) کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اپنے کو "سید" سے ملقب کرتے ہین، یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، کہ ہر شخص نسب مین اپنے آبا کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لئے سادات کا نسلی انتساب حضرت علیؓ کی جانب ہوگا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اور جب انتساب حضرت علیؓ کی جانب ہوگا، تو یہ نسبت ان کی تمام ازواج کی اولاد کو یکسان حاصل ہے' لیکن عموماً اصولون اور قاعدون مین استثنا بھی ہوا کرتا ہے اور اتفاق سے یہ استثنا یہان موجود ہے، جس سے یہ شبہہ رفع ہو جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے' آپ نے فرمایا،

کل بنی آدم ینتمون الی عصبتہ	تمام بنی آدم اپنے آبار کی قرابت کی
ابیھم الا ولد فاطمہ فانی انا	طرف منسوب ہین، سوائے اولاد فاطمہ کے'
ابوھم وانا عصبتھم،	مین ان کا باپ ہون، اور مجھ سے ان کی
(طبرانی)	داوہالی قرابت ہے،

اس حدیث کی سند کسی قدر مجروح ہے لیکن اس کی مؤید ایک دوسری روایت طبرانی ہی مین صحیح سند سے مروی ہے' اس مین آپ نے فرمایا:-

ان اللہ جعل ذریتہ کل نبی فی	"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد، اس
صلبہ وان اللہ جعل ذریتی فی	کے صلب مین رکھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے
صلب علی (المقاصد الحسنہ سخاوی ۱۵۰)	میری اولاد کو علی کے صلب مین رکھا،

نیز آپ نے فرمایا،

هٰذان ابنا لی وابنا بنتی اللهمّ تعلم انی احبهما فاحبهما

یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ان کو چاہتا ہوں تو بھی انھیں اپنی شفقت اور محبت کے سایہ میں لے،

اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

اما انت یا علی فختنی وابو ولدی انت منی وانا منک۔ (نسائی درخصائص امیر المومنین علیؓ ص ۳)

اے علی! تم تو میرے داماد ہو، میرے لڑکے کے والد ہو، تم مجھ سے ہو، اور میں تم سے ہوں،

خانوادۂ سادات کے لقب سید اختیار کرنے کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس خانوادہ کے بزرگوں کے لئے جدا جدا یہ لقب عطا ہوئے، حضرت فاطمہؓ کے متعلق "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" فرمایا، حضرات حسنینؓ کو "سیدا شباب اہل الجنۃ" اور حضرت حسینؓ کو "سید الناس" فرمایا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک مرتبہ "سید العرب" کے لقب سے یاد فرمایا، اس پر کہا گیا کہ "سید العرب" تو آپ ہی ہیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "انا سید ولد آدم، یعنی میں اولاد آدم کا سردار ہوں"، (حاکم) لیکن ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے یہ القاب ذاتی ہیں، خاندانی اور موروثی نہیں، اور نہ شریعت کی نگاہ میں اس سے کسی کو کوئی وجہ امتیاز و افتخار حاصل ہے، کہ ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا: "انا سید ولد آدم ولا فخر" پھر قرآن مجید کا یہ فیصلہ ناطق موجود ہے کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" یعنی "اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا"

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

یعنی ہم نے تم کو گروہوں اور قبیلوں میں بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو،

اس سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ انسانوں کا شعوب، قبائل اور خانوادوں کی شناخت کو قائم رکھنا اسلام کی نگاہ میں نازیبا نہیں، البتہ اس کو وجہ امتیاز اور باعث فخر و مباہات سمجھنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی لوگوں نے خانوادوں کی باہمی شناخت کو قائم رکھا، لیکن بعض

خانوادون کو "شرافت و سیادت" کی نسبتیں کیونکر حاصل ہوگئین، ہمارے خیال مین ان کا تعلق تمامتر استعمال اور رواج سے ہے، اور جو لوگ ان خانوادون سے تعلق رکھتے ہین، اور سیادت کی نسبتیں استعمال کرتے ہین، وہ محض اس خانوادہ سے اپنی نسبت کو ظاہر کرتے ہین، نہ کہ ان نسبتون کے معنوی پہلوون کو سامنے رکھکر کسی برتری اور تفوق کا پہلو بھی اپنے سامنے رکھتے ہین، یہ دوسری بات ہے کہ کثرت استعمال اور عام رواج کے یہ نسبتین ان خانوادون سے وابستہ ہوگئی ہین، لیکن جب یہ نسبتین ان سے وابستہ ہوچکی ہین، تو رفع التباس کے لئے کسی دوسرے خانوادہ کے کسی فرد کو ان نسبتون سے منسوب ہونے سے احتراز رکھنا زیادہ مناسب ہے،

عرب مین ایام جاہلیت اور آغاز اسلام کے وقت قبائل کے سردارون کو "اشراف" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا، جیسے :-

فذکران اشراف قومہ اجتمعوا لہ یومًا، (طبری جلد ۳ ص ۱۱۹)

کہا گیا ہے کہ آپ کی قوم کے سردار (اشراف) آپ کے پاس ایک دن جمع ہوئے،

ظاہر ہے کہ اس جملہ مین اشراف قوم سے مراد قریش کے سرداران قبائل ہین،

اس کے بعد عہد اسلام مین ابتداءً لفظ اشراف کا اطلاق طالبین و عباسین پر کیا جاتا تھا، اور علامہ ذہبی نے بھی اپنی تاریخ الاسلام مین الشریف..... العباسی..... الشریف..... العقیلی".... الشریف الجعفری لکھا ہے، لیکن دوسری طرف عباسیون ہی کے دور مین الشریف کا لقب رفتہ رفتہ آل علی کے لئے اس زمانہ مین مخصوص ہوتا گیا، جب وہ سلطنت کے مختلف حصون مین بغاوتین کر رہے تھے، اور طبرستان و عرب کے بعض حصون مین سلطنتین قائم کرنے مین کامیاب ہوگئے تھے، اس کے بعد سیوطی کا بیان ہے کہ لفظ شریف کا لقب آل علی کے لئے مخصوص ہوگیا، عام ازین کہ وہ حسنی ہون یا حسینی، جعفری ہون یا علوی، سب اسی لقب سے ملقب ہوتے تھے، اس لئے کہ "الشریف" خود حضرت علیؓ کے القاب مین داخل تھا، محب الدین الطبری کی الریاض النضرہ میں ہے،

ویلقب ایضا... بالشریف (ج ۲ ص ۱۵۵)

اور شریف سے بھی ملقب تھے،

پھر فاطمیین مصر نے اپنی حکومت کے زمانہ مین لقب "الشریف" کو حسنی و حسینی سادات کے لئے مخصوص کر دیا تھا، یہان تک کہ جو اوقاف صرف اشراف کے نام سے وقف ہوتے تھے، ان کا اطلاق

عرف عام کا لحاظ رکھ کر صرف حسنی و حسینی سادات پر کیا جاتا تھا، اس مین علوی داخل نہ سمجھے جاتے تھے،

لقب "السید" کے استعمال اور رواج پانے کی سرگذشت بھی تقریبًا لقب "الشریف" کے مثل ہے ابتدا "سید" کا لقب انھین عطا کیا جاتا تھا، جو اپنے کسی فن مین کمال رکھتے تھے، اور یہ عہد جاہلیت سے عرب کا عام استعمال تھا، عہد اسلام مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اوپر گذرا، خانوادۂ نبوت کے مختلف بزرگون کو اس لقب سے ملقب فرمایا، اور اپنی ذات گرامی کے لئے بلا فخر "سید ولد آدم" فرمایا، ان مناسبتون سے یہ لقب خانوادۂ نبوت سے متوسلین کے لئے استعمال کیا جانے لگا، چنانچہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مین اکثر بزرگون کو اس لقب "السید" سے ملقب کیا گیا ہے (ص ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۹، ۶۵، وغیرہ)

علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام مین حضرت امام علی بن محمد کو جو بارہوین امام کہے جاتے ہین، اس لقب سے ملقب کیا ہے، اور کبھی بعض آل علی "السید الشریف" دونون لقب ملا کر ملقب کئے جاتے تھے، مثلاً خزرجی لکھتا ہے:-

دفی ھذا التاریخ وصل الشریف	اسی تاریخ کو شریف سید محمد بن
السید محمد بن الھادی المعروف	ہادی معروف بہ قطابری، اشراف
بالقطابری الی الاشراف فارادوا	کے پاس پہونچے، ان لوگون نے ان کو
ان یقدموا اماماً وکان کاملاً فامتنع	امام بنانا چاہا مگر وہ صاحب کمال تھے،
من ذلک (العقود اللولوئیہ ج ۲ ص ۳۱۴)	اس سے محترز رہے،

اس طرح عرب و مصر مین الشریف اور السید کے القاب فاطمیین کے لئے رفتہ رفتہ مخصوص ہوگئے، اور فقہاء نے تصریح کی کہ اگر "اشراف و سادات" کے نام کے اوقاف ہون تو ان سے مراد فاطمیین ہی ہون گے اور یہی اطلاق موجودہ زمانہ تک قائم ہے، امین ریحانی لکھتے ہین:-

لایدعی سیداً فی الیمن غیر من	جو شخص خانوادۂ نبوت کی نسل سے نہ
کان من السلالۃ النبویہ،	ہو، اس کو یمن مین سید نہین
(ملوک العرب ج ۱ ص ۹۲)	کہہ سکتے،

پھر خاص حجاز مین حسنی و حسینی کے امتیاز کے لئے حسنیون کو "الشریف" اور "حسینیون" کو سید سے ملقب کرتے ہین، پچھلے دور مین بھی یہی تھا، اور اس زمانہ مین بھی یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے، ایران مین سادات کو خواہ حسنی ہون یا حسینی، سید اور "میر" کے لقب سے ملقب کرتے ہین، اور یہی رواج ترکی اور ہندوستان مین

بھی ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ان تفصیلات سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ اسلام کے عہد قدیم سے دور حاضر تک لقب سید آل علیؓ کے لئے نہین، بلکہ آل نبی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، لیکن ہر آل نبیؐ آل علی بھی ہے، مگر ہر آل علی، آل نبی نہین، حضرت علیؓ کی دیگر ازواج کی اولاد کے لئے نسبت علوی پہلے سے جاری ہے، اور اس زمانہ مین بھی عام طور پر اس کا رواج قائم ہے،

(۲) حضرت محمد بن حنفیہ کی بہت سی اولادین ہوئین اور وہ مختلف ازواج سے تھین، ابو ہاشم عبد اللہ، حمزہ، علی، اور جعفر اکبر، ام ولد سے تھے، حسن عبد الملک کی پوتی کے لڑکے تھے، ابراہیم سرایہ بنت عباد کے بطن سے، ہاشم اور عبد الرحمٰن مرہ بنت عبد الرحمٰن سے، جعفر صغیر عون، عبد اللہ الاصغر، حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کی پوتی کے لڑکے تھے، اور عبد اللہ اور رقیہ ام ولد سے تھے، (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۶۷)

حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات آپ کو ہمارے یہاں کی شائع شدہ کتاب "تابعین" میں ملیں گے، والسلام

"س"

"رَبُّ المشرقین و رب المغربین"

جناب منشی سید ممتاز علی صاحب شکوہ بذریعہ اے پی، او چھنڈواڑہ (سی پی)

"اگر بار خاطر نہ ہو تو معارف کی آیندہ اشاعت مین کلام پاک کی آیت رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ پر روشنی ڈالنے کی سعی فرما کر شکر گذار ہونے کا موقع دیجئے گا،"

معارف:- مشرق و مغرب سے شاید آپ پورب اور پچھم کی سمتون کو مراد لیتے ہین، اور سمتین چونکہ ایک ایک ہین، اس لئے یہان تثنیہ کے معنی لینے مین دشواری پیش آئی، لیکن سورۂ رحمٰن کی اس آیت مین یہان پر سمتیں مراد نہیں ہین، بلکہ مشرقین و مغربین سے مقصود سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہین ہین، یہ جگہیں موسم کے ساتھ بدلتی رہتی ہین، موسم عموماً دو ہی ہین، یعنی جاڑے اور گرمی کے، اس لئے سورج کے طلوع و غروب کی بھی دو جگہیں ہوئین اس لئے اس آیت کی تفسیر یوں کی جائے گی، کہ ھُوَ رَبُّ مشرقی الشمس صیفاً و شتاءً و مغربیھا یعنی اللہ تعالیٰ جاڑے اور گرمی دونون مین سورج کے طلوع و غروب کے مقاموں کا پروردگار ہے"

"والسلام"

"س"

ادبیات

جمالِ ہم نشین

از جناب روشن صدیقی

یہ فیضانِ جمالِ ہم نشین ہے!
نیازِ عشق بھی ناز آفرین ہے

ہزاروں کارواں پہونچے بہت دور
مرادِ کارواں شاید یہین ہے

نہ جانے کس کو دیکھا ہے کہ اب تک
نگاہِ آسمان سوئے زمین ہے

بہت کچھ ہے جنونِ شوق لیکن
حریمِ ناز کے قابل نہین ہے

فروغِ ہوش ہو یا رخصتِ ہوش
محبت کا ہر اک عالم حسین ہے

زمانہ مجھ سے الجھا بھی تو ناحق
مرے دامن مین دنیا ہے نہ دین ہے

یہ ویرانی یہ تنہائی مبارک
جہان مین ہون وہان کوئی نہین ہے

یہی دنیا بقدرِ ہوش و مستی
کبھی دوزخ، کبھی خلدِ برین ہے

نگاہِ کفر و ایمان سے ہے پنہان
وہ اک سجدہ جو مقصودِ جبین ہے

دلِ افسردہ! تو شاید ابھی تک
نسیمِ لطف کے قابل نہین ہے

وہ مجھ سے بدگمان ہون اللہ اللہ
کہ جن کی یاد معراجِ یقین ہے

دلِ محبوب کاشانہ ہے جس کا
وہ غم کتنا حسین و نازنین ہے!

ازل سے دیدۂ حیران مین اب تک
وہی خوابِ نگاہِ اولین ہے

گل افشانِ مسرت ہے محبت
مرے آنسو ہین اُن کی آستین ہے

حریمِ شوق ہو یا خلوتِ ناز
جہان تم ہو وہین عرشِ برین ہے

ہوا ہے خلد سے دامن بچا کر
روشؔ کس کے لئے خلوت گزین ہے

باتین کرو!

از

جناب شفیع منصور ام اے

ابر و باران مین گل و گلزار کی باتین کرو
کچھ صبا کی، کچھ خرام یار کی باتین کرو

ہولے ہولے چھا رہی ہیں کالی کالی بدلیان
چپکے چپکے زلف عنبر بار کی باتین کرو

خندان خندان ذکر چھیڑو طلعت دیدار کا
گریان گریان حسرت دیدار کی باتین کرو

بر لب جو، تلخیٔ ایام غم کو بھول کر
بیخودی مین ساغر سرشار کی باتین کرو

یہ نگار زندگی کے جلوہ ہائے رنگ رنگ!
دیکھو، کچھ عشق تازہ کار کی باتین کرو

آج ساز دل پہ گاؤ نغمۂ صبح ازل
آشکارا، عالم اسرار کی باتین کرو

داستانین تخت شاہی کی بہت دہرا چکے
دوستو! اب آستان یار کی باتین کرو

منبر و محراب کی باتون کا یہ موسم نہین
تم ذرا منصور بیکودار کی باتین کرو

غزل

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

جب جبین شوق ان کے زیر پا ہو جائیگی
پھر تو جتنی بھی قضا ہو گی ادا ہو جائیگی

جب مری آواز خود ان کی صدا ہو جائیگی
وہ تو خوش ہون گے مگر خلقت خفا ہو جائیگی

چاند تارے غنچہ و گل سب یہی ہون گے مگر
پھر بھی کروٹ لیکے دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

گل ہوئی شمع، آس رخصت چاندنی دامن کشان
اک کسی کی یاد کیا تو بھی جدا ہو جائیگی

بھول کر شوق چمن کرتے نہ ہم گر جانتے
پھول سے خود پھول کی نکہت جدا ہو جائیگی

میرے رونے پر ہنسو لیکن وہ وقت آنیکو ہے
جب ستم کے نام سے دنیا خفا ہو جائیگی

ہائے ان کے ہاتھ سے تعزیر کی لذت شفیق
وہ سزا دین گے تو ہم سے پھر خطا ہو جائیگی

باب التقریظ والانتقاد

یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو

European & Indo European Poets of Urdu & Persian

مرتبہ رائے بہادر رام بابو سکسینہ، ایم اے ال ال بی، کلکٹر بلند شہر، تقطیع بڑی،

کاغذ بہتر و ٹائپ دیدہ زیب، قیمت دس روپیہ، پتہ نولکشور پریس لکھنؤ،

از

جناب رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

رام بابو سکسینہ کا نام اردو کے طالب علمون مین غیر معروف نہین ہے، بڑے تعجب اور خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنی چند در چند منصبی مصروفیتون مین اردو زبان و ادب کو نہین بھولے، جو اس بدنصیب ملک کا بڑا ممتاز سرمایہ ہے، رام بابو ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ تاریخی احساس اور تاریخی دلچسپی سے بھی بہرہ مند ہین، تاریخی احساس کے بدولت وہ ہند و مسلم تہذیب، ملکی روایات اور ان کے جیتے جاگتے آثار و مظاہر سے قریب ہین، اور تاریخی دلچسپی کے باعث ان مین تحقیق و تفتیش کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے، جو ماضی کے خط و خال کو اجاگر کرنے مین مدد دیتی ہے،

اب تک ان کا مشہور تحقیقی کارنامہ اردو ادب کی مفصل و مربوط تاریخ تھی، یہ تاریخ اردو کے طالب علمون کے لئے مفید بھی رہی ہے، اور ناگزیر بھی، ان کا موجودہ زیر نظر کارنامہ پچھلے کارنامہ سے کسی طرح کم نہین، فاضل مصنف نے ایک نئی وادی تلاش کی ہے اور کتاب کے مطالعہ سے مصنف کے اس دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، کہ اس موضوع پر جو سرمایہ انھون نے فراہم کیا ہے، وہ بے مثل ہے، اور اس سرمایہ سے انھون نے ہم سب کی معلومات مین جو قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، وہ ہمیشہ تحسین و منزلت کا مستحق رہے گا،

پندرہ سال کی مسلسل تلاش و تحقیق کے بعد سکینہ صاحب نے ان شعرا و شاعرات کا تذکرہ مرتب کیا ہے، جو یورپی ممالک سے آکر ہندوستان میں رس بس گئے، یہاں شادیاں کین، ہندو مسلم گھرانوں سے روابط بڑھائے، ہندوستانی زبانوں پر عبور حاصل کیا، یہاں کے تہذیبی سرمایہ کو اپنایا، دیوان چھوڑے اور یہین پیوند خاک ہو گئے، ان مین ارمنی بھی تھے، ہند برطانوی، ہند فرانسیسی اور ہند پرتگالی بھی، جو ہفتہ مین چھ دن تجارت اور ایک دن عبادت کے قائل تھے، لیکن فرصت کے اوقات مین شراب، شاہد و شعر و سخن سے بھی شغل کرتے تھے،

سترہوین صدی سے انیسوین صدی کی ابتدا تک ہندوستانی اور یورپین تہذیبین ایک دوسرے سے سازگار رہین، باہر سے آنے والون نے ہندوستان کے لوگوں سے وہی برتاؤ کیا جیسا مغلون نے اپنے دور مین کیا تھا، ڈوپلے، وارن ہسٹنگز اور دوسرے معروف یورپی سیاست دانون نے اس ملک مین شادیان کین، عیسائی مبلغون نے بھی اس رشتہ کے جواز کا فتوی دیا، ٹھٹھ، مالابار کے ساحل سے لے کر چندر نگر اور بیگم سمرو کے محلات تک مصلحتین مراسم مین، مراسم شادیون مین اور شادیان شاعری یا شاعرون مین منتقل ہوتی رہین،

ان لوگون مین سے بعض نے کئی کئی دیوان یادگار چھوڑے، یہ دیوان تبرک کی حیثیت رکھتے ہین، ان کی اہمیت روایت شعری کی بنا پر کم اور تاریخی روایت کی بنا پر زیادہ ہے، ان کی حیثیت گم شدہ کڑیون کی نہین ہے، بلکہ ان بھولی ہوئی راہون کی ہے، جو ماضی کی دھند مین کھو گئی ہون، جن کو پاکر پرانی سمتون کا اندازہ ہو سکتا ہے، اگر انیسوین صدی مین نسلی قومیت کا احساس ہمارے حکمرانون مین یک بیک ضرورت سے زیادہ نہ بڑھ جاتا تو شاید ہمارے درمیان وہ خلیج حائل نہ ہو جاتی، جو آج ناقابلِ عبور بن گئی ہے،

سکینہ صاحب نے ان خاندانون کا کھوج لگایا ہے، یہ خاندان بیشتر ہند برطانوی اور ہند فرانسیسی خون سے تعلق رکھتے ہین، اور آج کل باقیات صالحات کی حیثیت رکھتے ہین، ان خاندانون کا پتہ چلانا، اور ان کی نجی مسودات مخطوطات اور کاغذات کا مطالعہ کرنا بڑا مشکل کام تھا، اور یہ رام بابو کی ہمت مردانہ اور طالب علمانہ سرگرمی کا فیضان تھا، کہ انھون نے ہار نہ مانی، اور بالآخر کامیاب ہو کر رہے، اس سلسلہ مین انھون نے دور دراز کے سفر اختیار کئے، دولت صرف کی، پرانے خاندانون مین رسائی حاصل کی، گرجا گھرون کے رجسٹر، رسالے اور ریکارڈ دیکھے، کتب خانے کھنگالے، پرانے سیاحت نامون، تاریخی رسالون، تذکرون، غیر مطبوعہ کلیات و دواوین، سوانح عمریان، روزنامچے، اور قانونی کاغذات سے لے کر مزارات کے کتبون تک ہر اس چیز کا

مطالعہ کیا جو مواد کی فراہمی، ترتیب و تصحیح میں کام آسکتے تھے،

فاضل مصنف نے تقریبًا تین سو صفحات ہند یورپی خاندانوں شخصیتوں اور شاعروں کے حالات پر صرف کئے ہیں، کتاب کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جہاں انھوں نے چند خاندانوں کے حالات کچھ اپنی اور کچھ دوسروں کی زبانی سنائے ہیں، ان خاندانوں کی معاشرت کا بیان لطف سے خالی نہیں، باقی صفحات میں ہند یورپی شعراء کے اشعار ہیں، جن کی ترتیب تاریخی اعتبار سے کی گئی ہے،

میر سے لے کر ناسخ تک اور ناسخ سے لے کر داغ و امیر تک اکثر اردو شعراء کی آوازیں ان ہند یورپی شعراء کے کلام میں سنائی دیتی ہیں، بہتر کہنے والے اکثر ہند برطانوی شعراء ہیں، اکثر شعراء کا کلام لکھنوی شعراء کی آواز بازگشت معلوم ہوتا ہے، زبان و بیان کے اعتبار سے ان میں فرق کرنا مشکل ہے، وہی رعایات و مناسبات، وہی لب و لہجہ، وہی بناوٹ اور لگاوٹ جو لکھنو کا امتیاز سمجھا جاتا ہے، اصناف و موضوعات سخن کے اعتبار سے بھی ان شعراء نے اپنے ہندوستانی پیرووں کی پوری تقلید کی ہے، حمد و نعت، تصیدہ، مدحیہ تصیدہ تہنیت ولادت، رسید کلاہ زریں، رسید انبہ ہاے عمدہ ذائقہ، تاریخ وفات، خمسہ بر غزل غالب و دیگر اساتذہ، بیان کربلا، مناجات، سلام، پہیلیاں، قطعہ مبارکباد، روزدیوالی، بیسنو نامہ، ہولی، دادرا، بھجن، بارہ ماسہ سب میں خوب خوب طبع آزمائی کی ہے،

کلام کا ایک رنگ یہ ہے:-

خون نہ کیوں روئے ہماری چشم تر — زخم کو خواہش ہوئی ناسور کی

یہ حالت ہی تصور میں ترے دست حنائی کے — لعاب تھوکتا ہوں، ہوگیا مجھ کو مرض سل کا

جب سے اے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے — ہاتھ بھر کا ہے کلیجہ مرے ارمانوں کا

دل کو چھیدا سینہ چیرا کاٹ کر باندھے ہیں ہاتھ — تیر نے خنجر نے تیغ و طرۂ طرار نے

تل بھر سفید صفحہ نہیں وصف خال سے — کیوں کر کہیں نہ شعر میرا نکتہ وان پسند

بے بر گئی جو زرف کا خیال اس کو جو آیا — بیڑا بھی میرے ہاتھوں سے کھایا نہیں ہرگز

جب آیا منہ کو کلیجہ جلا بھنا میرا — زبان نے چکھ کے کہا واہ کیا کباب آیا

بن کے وہ نیلم پری اک دن چڑھی تھی بام پر — جب سے رنگت آسمان کی آسمانی ہو گئی

وہ زرد پوش تیرے نہ آئیگا دام میں — ناحق نہ تو ہتھیلی پہ سرسوں جما بسنت

سبزہ رنگوں کے ظلم مت پوچھو میری چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

دل سا رفیق توڑ لیا ایک بات میں قربان میں تو ہوتا ہوں حضرت کے جوڑ پہ

چھاتی ہے کس کی جو تری محرم سوا کوئی پہنچائے ہاتھ دھگدھگی اور عطردان تلک

عشوہ نگہ ادا و ناز اور ہے غمزہ ہمرکاب ساتھ ہیں تیرے شہ سوار ایک و تین چار پانچ

ہیکل سے کیا فقط مرے جی کو نہیں ہے کل جاتا ہوں دل کو دیکھ ترا ہار ہار ہار

جب تلک ہے دم میں دم دم کا ترے ہمدم ہوں میں غیر کی خاطر نہ دے مجھ کو صنم اندام دم

اشک سے دریا بہے یہ یاد زلف یار میں ہے گماں اب موسے سر پہ دام ماہی گیر کا

دیکھ تو چشم عنایت سے کبھی اے صاد چشم عشق میں میم دہن کے تری میں نون ہو گیا

پیش جاتی نہیں اُن آنکھوں کے آگے شوخی یہ وہ آہو ہیں کہ دنیا کو چرے بیٹھے ہیں

پانی پانی ہوا جاتا ہے اس فکر میں دل اپنے اعمال کی اک دن جو سزا پانی ہے

رُخ پہ نقاب ان کے پڑا بے سبب نہیں دیتے ہیں اس میں شربت دیدار چھان کر

تمیز نہیں تیغ میں اور چوب میں ان کو سمجھے ہیں جلاپے کو جو جلاب کی لکڑی

گونگے ہو جائیں نکل آئے گلے میں گلٹی جھوٹ سچ بول کو جس نے یہ تری کان بھرے ہیں

دوسرا رنگ ملاحظہ ہو،

"تاریخ گھوڑا پہ راجہ دل سکھ رائے پٹواری یعنی مادہ ان کے کی

آکے دجال نے اک روز یہ لالہ سے کہا کیوں جی خچر کو مرے گھاس کیوں دی تم نے

پہ لوٹنے کو ہے خچر مرا مجھ کو دے دو اپنی گھوڑی پہ وہ منگا لو اجی بڑھیا جو بھی

آنہ ماؤں گا میں ایمان ہر اک کا جا کر تیرہ ہوئیں ختم ہوئی چودہ ہوئیں صدی یہ بھی

سُن کے تقریر یہ لالہ نے کہا مالک سے آج دجال سے اور مجھ سے بڑی بحث بھی

کہا مالک نے کہ سچ ہے نہ بُرا مانو تم کوئی ٹٹو ٹانی خرید و اجی خچر نہ سہی

کہا جب تک کہ سواری مرے گھر سے آوے تم سواری مجھے لے دو کوئی سستی سی نئی

میری تحصیل سے اعراف کی طلبی آئی لاؤ کر کس پہ میں لے جاؤں یہ خسرہ وہی

میں سواری تو منگا لوں پہ تردد یہ ہے کھیت بتلا دو کوئی جس میں ہوا ڈالوں جئی

وان یہ تقریر تھی یاں گر گری گھوڑی کو چوٹ — دبلی تھی پتلی تھی اس صدمہ سے وہ اینٹھ گئی

روح جب نکلی تو ہاتف نے کہی یہ تاریخ

یارو پٹواری کی گھوڑیا بھی وہ دوزخ میں گئی (۱۲۸۷ ف)

تاریخ راجہ دل سکھ رائے بہادر پٹواری

راجہ دل سکھ رائے کے مرنے کے بعد — ہر زبان پر لفظ یہ جاری ہوئے

تھے بڑے منحوس جانے کیا ہوئے — حاکم اعراف یا ناری ہوئے

ان کے مرنے کی لکھیں تاریخ کیا — اس تردد میں بہت عاری ہوئے

ملہم غیبی نے شب کو ناگہان

دی صدا دوزخ کے پٹواری ہوئے (۱۲۸۷ ف)

لیکن اس رنگ کو کیا کہئے گا ؟

یہ کیا چپکے چپکے تو کہتا ہے اے دل — یہ در پردہ کس کا گلہ ہو رہا ہے

لگی چوٹ ایرن کے دل پر یہ کیسی — کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے

وہ گرم رو راہ معاصی ہوں جہان میں — گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا

وہ نہ آوے تو موت آجاوے — ہم کو دونوں کا انتظار ہے آج

کل کی باتیں بھی یاد ہیں کہ نہیں — ہم سے صاحب کو ننگ و عار ہے آج

نام لیتا ہوں ترا کب میں کسی کے آگے — منہ سے بے ساختہ باتوں میں نکل جاتا ہے

چرخ سے طاقت آزمائی کی — کی تو طالع نے یہ رسائی کی

شورش ہنگامۂ ذوق تپیدن دیکھئے — زلزلہ کونین میں اپنے دل بسمل سے ہے

(آم کی تعریف) پوست میرے خیال سے نازک — مغز میرے سخن سے شیرین تر

دل میں پنہاں رکھا بتوں کا عشق — ہم نے اللہ کا بھی ڈر نہ کیا

بیعت کر کے پیر مغان سے وہ مدتوں اک عمر ہوئی — بادہ کشی کا مجھ پر واعظ آج نیا الزام نہیں

جینا شب الم میں ز بس ناگوار ہے — اے موت آ کہیں کہ ترا انتظار ہے

کافی ہے اپنی عمر دو روزہ کے واسطے — کچھ آج کل جو شغل غم روزگار ہے

حسرتیں کیسی کیسی ہیں اے دل حیف بندہ ہوا خدا نہ ہوا

خاموش رہو لوگ کرتا اور نہ بہکیں دیکھو مرا جو چاہیں اچھا نہیں اچھا

ناصح میں کیا کروں مرا کیا اختیار ہے کچھ آپ ہی آپ اُس پہ مزاجی تنا رہے

جی میں آتا ہے کہ اتنا تو کہوں اگلی باتیں کچھ بھی تم کو یاد ہیں

شراب ناب میں دھو کر کہا رندوں نے واعظ سے بڑی مدت میں آیا میکدہ میں پاؤں حضرت کا

واعظ کا ایک جام میں ساقی یہ حال ہے بیٹھا ہے بن کے دیکھنا یاروں کا یار آج

ان شعرا اور اشعار کا لحاظ رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں ہماری معاشرت، ہماری روایات اور ہماری شاعری کی خوبو کس درجہ رس بس گئی تھی، خیریت ہوئی کہ ان حرکتوں سے جلد ہی باز آ گئے، ورنہ ہمارے انجام سے بھی کچھ دور نہ تھے، شعرا کے حالات اور ان کی شاعری پر انگریزی میں تبصرہ ۱۳۰ صفحات پر اور چار سو سے اوپر صفحات ان کے فارسی و اردو کلام پر مشتمل ہیں، یہ کتاب اردو ادبیات کی تاریخ میں ایک گرانقدر اضافہ ہے اور اس لائق ہے، کہ مصنف کی پہلی کتاب کی طرح اس کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جائے، کہ اردو دان طبقہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے،

شعر الہند حصہ اول

جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، قیمت: ؎ہ

شعر الہند حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل قصیدہ مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت ؎ہ، مکمل سٹ: ؎

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت: ؎ ضخامت ۵۴۶ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

سیر افغانستان از جناب مولانا سید سلیمان ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت تقریباً ۲۰۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن،

۱۹۳۳ء میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، سر اقبال اور سر راس مسعود مرحوم نے حکومت افغانستان کی دعوت پر وہاں کے نظام تعلیم کی ترتیب کے لئے کابل کا سفر کیا تھا، واپسی میں حضرۃ الاستاذ نے معارف کے کئی نمبروں میں اس سفر کی روداد لکھی تھی، جس کو نفیس اکیڈمی حیدر آباد نے سیر افغانستان کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے، یہ سفرنامہ سیر وسیاحت کی محض تفریحی سرگذشت نہیں ہے، بلکہ اس میں افغانستان کے اہم تاریخی واقعات، آثار قدیمہ، موجودہ افغانستان کے تعلیمی وصنعتی مدارس، علمی اداروں، کتب خانوں، مطابع، اخبارات ورسائل، عمارتوں، علما ومشائخ ارکان سلطنت، غزنین وقندھار کے آثار قدیمہ، ان کی موجودہ حالت، شہر ودیہات کی زندگی، قدیم وجدید تمدن کے مظاہر وغیرہ افغانستان کے جملہ تاریخی، تمدنی، علمی ومعاشرتی حالات آگئے ہیں، ان کے پڑھنے سے افغانستان کی قدیم تاریخ پر ایک سرسری نظر پڑجاتی ہے، اور موجودہ افغانستان کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے جابجا افغانستان کے سیاسی وتعلیمی امور کے متعلق مصنف کے بیش قیمت افکار وخیالات بھی معرض تحریر میں آگئے ہیں،

اسلامی نظام: مولفہ جناب مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی استاذ ندوۃ العلما، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عمر پتہ: دار الاشاعۃ نشاۃ ثانیہ حیدر آباد دکن،

آج دنیا میں جتنے نظام حکومت رائج ہیں، وہ سب انسانی فلاح وبہبود اور دنیا میں قیام امن سے قاصر ہیں، اور بڑے بڑے مفکرین اور اصحاب سیاست ایسے صالح نظام کی تلاش میں ہیں جو انسانوں کو دنیا وی امن وسکون کی زندگی کا موقع دے سکے، مصنف نے جن کی نظر مذہب اسلام کے ساتھ موجودہ

زمانہ کے سیاسی و معاشی مسائل پر بھی ہے، اس کتاب مین اس مطلوب نظام کو پیش کیا ہے، اس کتاب کا بنیادی نقطۂ بحث یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی دو قسمین یا اس کے دو پہلو ہین، ایک طبعی دوسرا عقلی طبعی زندگی مین انسان و حیوان قریب قریب برابر بلکہ حیوان زیادہ زیرک ہے، انسان کا امتیاز عقلی زندگی ہے، طبعی زندگی نام ہے بغیر فکر و تدبر اور قید و بند کے نفس کے تقاضون کی تسکین و تعمیل کا خواہ وہ کتنے ہی مضر کیون نہ ہون، حیات طبعی کے سامنے کوئی بلند نصب العین اور اس کا کوئی مرکز افکار نہین ہوتا، جو اس کے تصورات و اعمال و افعال کو صحیح راستہ پر لگا سکے، اور ان مین ضبط و نظام قائم کر سکے، اس لئے طبعی زندگی کے سارے افکار و اعمال ہوائے نفس کے تابع ہوتے ہین، اس کے مقابلہ مین عقلی زندگی کے سامنے ایک خاص نصب العین اور اس کا ایک مرکز افکار ہوتا ہے، اور اس کے سارے افعال و اعمال اسی کے تابع ہوتے ہین، اور ان مین بے قید آزادی اور بدنظمی نہین ہونے پاتی، پھر ان دونون زندگیون کے نتائج اور شخصی، اجتماعی اور تمدنی نقصانات و فوائد بیان کرکے دکھایا ہے، کہ عقلی زندگی صرف توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدہ سے حاصل ہوتی ہے، جس کا سب سے جامع اور مکمل دین اسلام ہے، آخر مین اختصار کے ساتھ اسلامی نظام حیات اور حکومت الٰہیہ کا خاکہ پیش کرکے اسکی اخلاقی، اجتماعی، تمدنی اور معاشی برکتین دکھائی ہین،

ابو جعفر منصور: از جناب مولوی ابو القاسم صاحب رفیق دلاوری، تقطیع چھوٹی،
ضخامت: ۱۵۱ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت: عہ محصول ڈاک:- ۳ر
پتہ:- اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ، لاہور،

عباسی خلفاء مین ابو جعفر منصور کی وہی حیثیت ہے جو اموی خلفاء مین عبد الملک بن مروان کی ہے، گو عباسی حکومت کا بانی اور پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح ہے لیکن اس کا زمانہ بہت مختصر تھا، جس نے عباسی حکومت کی جڑین مضبوط کین، اور اس کو مختلف حیثیتون سے ترقی دی، وہ ابو جعفر منصور ہے، وہ بڑا مدبر، عالی دماغ، علم دوست، اور بڑے سطوت و جبروت کا فرمانروا تھا، سیاسی کارنامون کے علاوہ اس کے بہت سے علمی و تمدنی کارنامے بھی ہیں، اسی نے عروس البلاد بغداد کو آباد کرایا، اور اسی کی علمی سرپرستی سے اسلام کی علمی تاریخ کا آغاز ہوا، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس جلیل القدر فرمانروا کے سوانح اور اس کے علمی و سیاسی و تمدنی کارنامون کو پیش کیا ہے، اس کی زندگی کا کوئی اہم اور ضروری پہلو چھوٹنے نہین پایا ہے، ماخذ مستند واقعات اور منصور کی سیاست کے بارہ مین مصنف کی رائین عموماً صحیح ہین،

چاند بی بی سلطانہ: از جناب وزیر حسن صاحب دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۴ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت قسم اول: للعہ، قسم دوم: ۱۲/ ، پتہ: دکن اردو اکیڈمی ادارۂ شرقیہ حیدر آباد،

علی عادل شاہ فرمانروائے بیجاپور کی ملکہ چاند بی بی یا چاند سلطانہ کا نام ہندوستان کی خواتین کی تاریخ مین ہمیشہ زندہ رہے گا، وہ اپنے زمانہ کی بڑی مدبر، اور بہادر عورت تھی، اس نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے ابراہیم عادل شاہ کی نابالغی کے زمانہ مین جس قابلیت سے حکومت کا نظام سنبھالا اور ایک عرصہ تک جس بہادری کے ساتھ اس کو دشمنون کے پنجہ سے بچاتی رہی، اور بالآخر اسی سلسلہ میں اسکی جان گئی وہ اب تک تاریخ مین محفوظ ہے، علی عادل شاہ کے ساتھ اس کی شادی بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہے، دکن کے مسلمان سلاطین مین ہمیشہ باہم جنگ و پیکار برپا رہتا تھا، چاند سلطانہ کے والد حسین نظام شاہ والی احمد نگر اور علی عادل شاہ مین مستقل مخاصمت قائم تھی، مسلمان حکمرانون کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر رام راج والی بیجانگر ان کا ملک دباتا چلا جاتا تھا، آخر مین ان سلاطین نے اس اختلاف کے نقصان کو محسوس کرکے آپس مین اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، اسی سلسلہ مین حسین نظام شاہ نے اپنی لڑکی چاند سلطانہ علی عادل شاہ کو بیاہ دی، اور اس کی بہن کو اپنی بہو بنایا، اس رشتہ سے دونون مین یگانگت و یکجہتی پیدا ہوگئی، اس تاریخی واقعہ کو مصنف نے افسانہ کے پیرایہ مین لکھا ہے، اور اپنی خوش ذوقی سے اس مین وہ تمام خصوصیات پیدا کردی ہین، جو افسانہ کی دلآویزی کے لئے ضروری ہین، فارسی شاعری مین "بتان ترک" کے لفظ سے ان کے بانکپن اور رعنائی کی جو تصویر ذہن مین آتی تھی، مصنف کے نازک قلم نے چاند بی بی کے پیکر میں اس کا مرقع دکھا دیا ہے، اور اس کی سیرت کے ان پہلوؤں کو بھی نمایان کیا ہے، جس سے بہو بیٹیون کو سبق حاصل ہو سکے زبان نہایت شستہ، پاکیزہ، شیرین، اور رسیلی انداز بیان نازک اور لطیف ہے، زبان کے ایسے پاکیزہ نمونے اب کم نظر آتے ہین، اس کتاب کے کئی حصے ہون گے، اس حصہ مین چاند بی بی کی دوشیزگی اور شادی کے واقعات ہین، دوسرے حصون مین باقی زندگی کے حالات ہونگے،

قرآن مجید کی دوسری کتاب مؤلفہ جناب مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد: ۸/ پتہ:- ادارہ تعلیمات اسلامی نمبر ۳، امین آباد پارک لکھنؤ،

یہ کتاب ادارۂ تعلیمات اسلامیہ کے سلسلۂ تعلیم قرآن کی دوسری کتاب ہے، اس کے پہلے حصہ پر معارف میں ریویو ہو چکا ہے، اس کا مقصد کم سے کم وقت میں عربی زبان سے بقدر ضرورت واقفیت کے ساتھ ساتھ کلام پاک کے ترجمہ کی استعداد پیدا کرنا ہے، چنانچہ کلام مجید ہی کی آیات و سورتوں سے اس کا نصاب مرتب کیا گیا ہے، ہر سبق میں کلام مجید کی چند آیات، اس کے لغات کے معنی اور آیات کے اہم پہلوؤں کی تشریح اور املاء وانشاء اور ترجمہ کی مشقیں ہیں، جا بجا صرف و نحو کے ضروری قواعد بھی مختصراً دیدیئے گئے ہیں، اور طلبہ کو اس کی پیچیدگیوں سے بچانے کے لئے عربی املاء اور عربی کی غیر معرب عبارتوں پر اعراب لگانے کی مشق کے ذریعہ اس کے عملی استعمال کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے، ترجمہ اور املاء کی مشقیں احادیث نبوی اور تاریخ اسلام اور اکابر اسلام کے سبق آموز واقعات سے دیگئی ہیں، اس طریقۂ تعلیم سے عربی سے واقفیت اور ترجمۂ قرآن کی استعداد دونوں ساتھ ساتھ پیدا ہوجاتی ہیں، امید ہے کہ ترجمۂ کلام مجید کے شائقین اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

جام عرفان از جناب منظور الحق صاحب کلیم قادری چشتی تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۱۹ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت :- عہ سلطان پریس، پرتابگڈھ،

مصنف ایک صوفی مشرب بزرگ ہیں، جام عرفان ان کی عارفانہ رباعیوں کا مجموعہ ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مغز سخن کے مقابلہ میں ظواہر کا زیادہ اہتمام نہیں کیا ہے، اس لئے جا بجا معنی کے جسم پر الفاظ کا جامہ تنگ ہو گیا ہے لیکن اس سے ان رباعیوں کی معنوی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا اس جام میں بادۂ عرفان کے لذت شناسوں کے ذوق کا کافی سامان ہے،

زارینہ مترجمہ جناب محمد رحیم صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی،

اس کتاب میں روس کے آخری زار نکولس اور اس کی ملکہ الکس زارینہ اور انقلاب روس کے حالات کو افسانے کے پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ روس کی جرمن نژاد زارینہ نے قیصر جرمنی، اور مشہور جرمن جاسوس راسپوٹین کے اشاروں پر چل کر جو مقدس پادری کے بھیس میں زار اور زارینہ دونوں پر حاوی ہو گیا تھا، زار روس کے ذریعہ کس کس طرح روسی قوم کو مٹانے اور برباد کرنے کی کوشش کی، اور اس کے لئے اس نے کیسی کیسی سازشیں کیں، اور آخر میں خود اس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، یہ کتاب غالباً کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے لیکن مترجم نے اس کی تصریح نہیں کی ہے، ترجمہ صاف اور شستہ ہے، (م)

جلد ۵۶ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۵ء عدد ۵

مضامین

شذرات

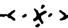
الحمد للہ کہ اپنی گذشتہ علالت کے شدید حملہ سے مین جانبر تو ہو گیا، اور اب جسمانی ضعف بھی باقی نہین، مگر دل و دماغ ابھی تک کام کے لائق نہین، اطبار کا مشورہ ہے کہ اب دماغی کام کو ہمیشہ کے لئے الوداع کیدیا جائے، گو عمر بھر کی لگی ہوئی عادت کا یک قلم چھوٹ جانا مشکل ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ اب کم سے کام کی زحمت اٹھائی جائے اور جب تک یہ صورت حال باقی ہے دماغی مشاغل سے پرہیز کیا جائے، اس سلسلہ مین احباب سے درخواست ہو کہ معارف اور علمی استفسارات اور فتاوی سے متعلق میرے نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے نام سے اور فرمایشون اور شکایتون کے متعلق مہتمم صاحب دار المصنفین سے، اور دار العلوم ندوہ سے متعلق امور کی نسبت مہتمم صاحب دار العلوم ندوہ لکھنو سے خط و کتابت کرین، فتاوی کا اہتمام ہمارے یہان نہین ہے، ان کے لئے دیوبند، سہارنپور، اور ندوہ لکھنو مین خاص انتظامات ہین، ان کی طرف توجہ فرمائین،

آج کل مسلمانون مین الیکشن کا بحران ہے، اس بحران مین جس طرح نامعقول طریقون سے لوگ اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہین وہ حد درجہ نامناسب ہو، انتہا یہ ہے کہ اس سلسلہ مین سب و شتم، لعن و طعن اور زد و کوب سے بھی پرہیز نہین کیا جا رہا ہے، یہ طریق عمل استدلال کی قوت ظاہر کرنے کے بجائے اس کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہو، مذہب اور دین کی حمایت کا نام لے کر عوام کو جوش دلانا، اور اُن سے اپنا کام نکالنا غلط رہنمائی ہے، جس سے مسلمانون کو سخت نقصان پہنچے گا، ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانون کو ضبط، صبر، ڈسپلن، تنظیم، استقامت، تحمل، برداشت، ایثار، باہمی ہمدردی، عملی وحدت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جائے جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہین، صرف زبانی جوش و خروش، گرما گرم محفلی اور اخباری بحث اور برسر راہ دست و گریبان ہونا، قوم کی طاقت نہین، ہماری بحثون کا موضوع مسائل کا صواب و خطا ہونا چاہئے نہ کہ اشخاص کے محاسن و معائب کا اظہار،

اس جنگ مین یورپ کی اتحادی شہنشاہانہ طاقتون نے دنیا کو ضعیف و کمزور قومون کی حفاظت و حمایت کا جو خواب دکھایا تھا، اس کی تعبیر ظاہر ہونی شروع ہوگئی ہے یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دوسرون کے بجائے ہماری ہی محکوم و غلام رہین، فرانس، الجزائر و تونس، شام لبنان اور ہند چینی کو پھر سے بزور اپنا غلام بنانے مین مصروف ہے، ڈچ، جاوا وغیرہ جزائر میں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے لئے وہان کے باشندون سے برسر پیکار ہین، روس ایران سے آذر بائیجان اور ترکی سے قارص اور ارد ہان اور دردانیال کا خواہان ہے، انگریز ہندستان مین اب بھی اصلاحات کا اپنا وہی پرانا کھیل کھیل رہے ہین اور مزدور حکومت وہی کر رہی ہے جو لبرل اور کنسرٹیو ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور جس کیلئے لیبر پارٹی ان کو مورد الزام ٹھہرایا کرتی تھی، لیکن ان محکوم قومون کے سینون مین آزادی کی جو آگ بھڑک اٹھی ہے، وہ خون کے چھینٹون کے بغیر اب بجھ نہین سکتی، اب یورپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے، کہ ان کی جابرانہ شہنشاہی کا عہد ختم ہو چکا اب محکوم قومین اپنی مرضی کے مطابق جینے کا حق حاصل کرکے رہین گی،



یہود اس دنیا مین سب سے بڑی مالی طاقت کے مالک ہین، امریکہ کے سونے مین ان کے خزانون کا بڑا حصہ ہے، برطانیہ کو اس جنگ کے اندر اور اب بھی اپنی حالت کی درستی کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے، اور یہ صرف امریکہ کے یہودی سرمایہ دارون سے حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے بالفور کے اعلان سے لیکر ٹرومین کے خط تک جو کچھ فلسطین مین ہو رہا ہے یا ہوگا، وہ یہودیون کی سامری طاقت کا کرشمہ ہے، انھون نے مصر سے نکل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مین جس سونے کے بچھڑے کی پوجا کی تھی، وہ آج تک اسی کی پوجا مین مصروف ہین، ان کے متعلق قرآن پاک کا بیان وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ (اس سونے کے بچھڑے کی محبت اُن کے دلون مین پلا دی گئی) آج بھی حرف بحرف صادق ہے، اب یہ دیکھنا ہے، کہ امریکہ کی اس سامری طاقت کے آگے برطانوی سیاست کا دیوا اپنی طاقت کا اظہار کیونکر کرتا ہے،



کہتے ہین کہ دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے، ہزارون نئی نئی ایجادین ہوئین اور ہو رہی ہین، ہزارون میل کی آوازین سُنی جا رہی ہین، ہزارون میل دور کی صورتین چلتی پھرتی دکھائی دے رہی ہین، سمندر کی تہ مین غوطہ خور کشتیان دوڑ رہی ہین، آسمان کی فضا مین ہوائی جہازون کے قلعے اُڑ رہے ہین، ایٹم بم ایک دم کے دم مین میلون کی آبادی کو خاک سیاہ بنا دے سکتا ہے، یہ سب کچھ ہوا لیکن یہ سب تو شیطنت کی ترقی ہوئی، انسانیت کی ترقی کا اس مین کیا حصہ ہے کیا بڑی قومون مین انصاف زیادہ آ گیا، کیا ظلم و ستم کی حکمرانی اُٹھ گئی، کیا کالے گورے کا فرق مٹ گیا، کیا

ایشیا اور یورپ کا تفرقہ ختم ہو گیا، کیا مادی طاقت حق کی قوت کے سامنے سرنگون ہو گئی، کیا شاہنشاہانہ حرص وہوس کا عہد چلا گیا، یہ کچھ بھی نہ ہوا، اس نظر سے اب بھی دنیا وہین ہے جہان پہلے تھی، اب بھی ستر لاکھ ڈچ سات کروڑ جاویون پر اور چند کروڑ انگریز چالیس کروڑ ہندوستانیون پر اسی طرح حکومت کرنے کو تلے ہوے ہین، انسانون کے اخلاقی مناسب بھی وہی ہین اور طبائع کے رذائل بھی وہی ہین،

یہ صاف نظر آتا ہے کہ جن صوبون مین اردو زبان عام زبان نہین وہان اردو زبان مین اسلام اور مسلمانون کی جو تحریکین اور تحریرین چل اور نکل رہی ہین ان کا کوئی اثر نہین، جیسے مہاراشٹر، گجرات، بنگال اور مدراس وغیرہ، ضرورت ہے کہ وہان کی مقامی بولیون مین بھی اسلام اور مسلمانون کے متعلق جو نئی نئی کتابین اردو مین نکل رہی ہین، ان کو ان زبانون مین ترجمہ کرکے پھیلایا جائے، مجھے جہان تک علم ہے ان مقامی بولیون مین سے اس لحاظ سے گجراتی کا پایہ بہت اونچا ہے، گجراتی مسلمانون نے اس کا اہتمام کر رکھا ہے، کہ اردو کی مفید کتابون، رسالون اور مقالون کے ترجمے وہ شائع کرتے رہین، شاید یہی سبب ہو کہ مقامی بولیون والے صوبون سے ان مین دینداری کا خیال زیادہ ہے،

اس لحاظ سے سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت بنگال کے مسلمانون کی ہے، کہ نہ وہان کے دیہاتیون مین اردو کے بڑھانے اور پڑھانے کی تدبیر کی جاتی ہے، اور نہ اردو کی اچھی اچھی کتابون اور رسالون اور مضمونون کے ترجمہ کا خیال ہے، اس لئے بنگال کے مسلمانون مین سب سے زیادہ اندھیرا ہے، لیکن ابھی حال مین کلکتہ مین ایک انجمن دار الفلاح بنی ہے، جس کے ناظم اپنے خط مین لکھتے ہین،

> "عرض نگار ہون کہ انجمن ہذا نے بنگال کے کرورون مسلمانون کی غیر اسلامی ذہنیت اور ان کے دینی لٹریچر کی بے مایگی کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا ہے، کہ اردو کے مستند مذہبی تصانیف و تالیفات کا بنگلہ مین ترجمہ بہان کے عوام اور ذی علم طبقہ کے سامنے کرے، چنانچہ فضل الٰہی سے یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے"،

اس خط کو پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی، کہ بنگال کے مسلمانون نے کروٹ لی ہے، اس سلسلہ مین رحمتِ عالم کے بنگلہ ترجمہ کی اجازت مانگی گئی تھی، جو دی گئی، اور ان سے ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا گیا،

مقالات

مسئلۂ سود مسلم و حربی مین

از

ازجناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

معارف ماہ مئی ۱۹۴۵ء مین مخدوم و محترم و الامرتبت حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا جو مقالہ مندرجۂ عنوان مسئلہ کے متعلق خاکسار کے بعض خیالات اور دعاوی کی تنقید و تردید مین شائع ہوا ہے اسی کے متعلق حسب ذیل سطرون مین بادب مولنا کی خدمت مین خصوصًا اور ناظرین معارف کی خدمت مین جن حضرات کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہے، عمومًا اپنے ناچیز معلومات کے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہون، بلکہ سچ پوچھئے، تو مولانا سے زیادہ میرا روے سخن عام ناظرین ہی کی طرف ہے، کیونکہ مولانا ے موصوف کے لئے تو شاید چند اشارون کی طرف توجہ دلانا ہی غالبًا کافی ہوتا، مین مولانا سے معافی چاہتا ہون کہ بعض غیر ضروری تمہیدی امور کا محض ان حضرات کے خاطر سے اندراج ضروری خیال کر رہا ہون، جو "فقہ اسلامی" مین" عالمانہ بصیرت نہین رکھتے، مولانا کی تحریر سے اس کا اندیشہ ہے کہ مسلمانون کے سب سے بڑے امام اور مجتہد کے متعلق بعض غلط فہمیان نہ پیدا ہو جائین، اور ایک غرض اس مضمون کی اشاعت سے یہ بھی ہے، اگرچہ مولانا کے مضمون کے اس پہلو سے مجھے مسرت بھی ہوئی، کہ ہم ارباب تقلید پر اپنے اپنے ائمۂ اجتہاد کے متعلق بے جا طرف داری کا جو الزام لگایا جاتا ہے، اس کی تردید کے لئے منجملہ دوسری شہادتون کے ایک تر و تازہ شہادت مولانا کا یہ مضمون بھی ہے، یعنی باوجود حنفی اور غالی حنفی ہونے کے مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے امام کی یہی نہین کہ خود بے جا طرفداری نہین فرمائی، بلکہ دوسرے کو (یعنی فقیر کو) بھی اس سے روکا ہے، اور آپ کے نزدیک انصاف کی جو بات تھی، اس کو پیش نظر رکھ کر اپنے ایک نیازمند کو ٹوکا ہے، فجزاہ اللہ عنا

وَعَن الاحناف خیرالجزاء،

اب اس مضمون کے متعلق چند تمہیدی مقدمات کو پہلے پیش کرتا ہون، اس کے بعد جو کچھ عرض کرنا ہے عرض کرون گا،

(۱)

عام مذاہب وادیان مین جیسے انسانی جان ومال کے احترام پر زور دیا گیا ہے، اسلام نے بھی اس باب مین اگرچہ اپنا کافی حصہ ادا کیا ہے، لیکن علاوہ ایک مذہبی دعوت ہونے کے اسلام چونکہ ایک مستقل آئین اور باضابطہ دستور بھی ہے، اسی حیثیت سے زمین کے بہت بڑے حصہ پر صدیون بلکہ کہہ سکتے ہین کہ ہزار سال اور ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک اسلامی حکومتون نے اس کو استعمال بھی کیا ہے، اس لئے احترام نفوس واموال کے باب مین بھی اس کو قانونی اور آئینی نقطۂ نظر کو اپنے سامنے رکھنا پڑا ہے،

(۲)

فقہائے اسلام نے اس قسم کی قرآنی آیتین مثلاً

اِنَّ اللّٰہ بریٌ مِنَ المشرکین و	قطعاً اللہ بری ہے مشرکون سے، اور
رسُولہ، (سورۃ براءت)	رسول بھی (ان مشرکون سے بری ہین)

یا اس قسم کی مشہور ومعروف حدیثین جیسے صحاح ستہ کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اُمرت ان اقاتل الناس حتی	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگون سے مین اُس
یقولوا لا الٰہ الا اللّٰہ فمن قال	وقت تک جنگ کئے چلا جاؤن یہانتک
ذٰلک عصم منی مالہ ونفسہ	کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرین، پس
	جس نے اس (کلمہ) کا اقرار کر لیا، محفوظ
(صحاح ستہ)	اور معصوم ہو گیا، اس کا مال اور اس کی

الغرض یہ اور اسی قسم کے نصوص و آثار کو سامنے رکھ کر نفوس واموال کو اسلامی قانون کے رو سے دو قسمون مین تقسیم کر دیا گیا ہے یعنی نفوس واموال کی ایک قسم تو وہ ہے جس کی حفاظت واحترام کی ذمہ داری اسلام مین لی گئی ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کے متعلق اس قسم کی ذمہ داری اسلام نے نہین لی ہے، پہلی قسم

کی اصطلاحًا معصومہ نفوس واموال سے اور دوسری کی غیر معصومہ اموال ونفوس سے تعبیر کی جاتی ہے،

اب ظاہر ہے کہ جن لوگون کے متعلق خدا اور خدا کے رسول کی طرف سے قرآن مین برأت کا اعلان کیا گیا ہو، تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی جان و مال کا ذمہ دار اللہ اور اس کا رسول نہین ہے یعنی ان کے اموال ونفوس مین تصرف کرنے والون سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، اور یہی معنی غیر معصوم ہونے کے ہین، ان مواقع پر فقہاء "مباح" کا لفظ جو بولتے اور لکھتے ہین، اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے، گویا قرآن وحدیث سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے، اس کی تعبیر اس لفظ سے کرتے ہین،

(۳)

لیکن اسی کے ساتھ اسلام ہی کا ایک اور عام قانون ہے جس کا نام قانون معاہدہ ہے، یعنی عہد کرنے کے بعد جن باتون کا عہد کیا جاتا ہے، ان کی تکمیل اور ان کا ایفا، بھی مسلمانون کے اہم دینی فرائض مین شامل ہو جاتا ہے، خواہ یہ وعدہ مسلمانون سے کیا گیا ہو یا غیر مسلمانون سے، قرآنی آیات،

اوفوا بالعقود (المائدۃ) معاہدہ کو پورا کرو،

یا ان العهد كان مسئولا (بنی اسرائیل) قطعًا عہد و پیمان سے سوال کیا جائیگا،

یا اتموا اليهم عهدهم (البراۃ) پورا کرو ان کے ساتھ عہد کرو،

وغیرہ مین بکثرت مسلمانون کو اس فرض کی تعمیل پر سختی سے متوجہ کیا گیا ہے، اور حدیثون مین تو ایفاء عہد کے متعلق جو ذخیرہ پایا جاتا ہے، اور جن جن شکلون مین اس کی اہمیت جتلائی گئی ہے، اگر سب کو یہان درج کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی، خلاصہ یہ ہے کہ ان ہی قرآنی نصوص اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون سے آپ کے طرز عمل سے یہ قانون پیدا کیا گیا ہے، کہ مسلمانون کی حکومت سے یہ وعدہ لے کر کہ ان کی جان و مال وعزت کی حفاظت کی ذمہ داری لی جائے گی، جو غیر مسلم قومین ان کے علاقہ مین بود و باش اور دوامی سکونت اختیار کرین، یا وقتی طور پر کچھ دن کے لئے ان کے قلمرو مین اس معاہدہ کے ساتھ داخل ہون کہ نہ تو وہ امن وامان کے قانون کی خلاف ورزی کرین گے، اور نہ مسلمان ان کی جان و مال وعزت کے ساتھ کوئی غیر قانونی برتاؤ کرین گے، معاہدے کی پہلی شکل کا نام "عہد ذمہ" اور دوسری شکل کا نام "عہد استیمان" ہے، بہرحال یہ ہو یا وہ ہو، ہر حال مین اس معاہدہ کے بعد اس کا ایفا مسلمانون کا ایک اہم ترین دینی فرض اور مذہبی ذمہ داری ہے" اس معاہدہ کی خلاف ورزی کا اصطلاحی نام غدر اور عہد شکنی ہے، جس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ نفوس

و اموال کے معصوم و محفوظ ہونے کی جیسے ایک قانونی شکل وہ تھی جس کا پہلے حصہ مین ذکر کیا گیا، اسی طرح ایفاے عہد کا یہ فرض اور غدر و قانون شکنی کی حرمت و ممانعت دوسری شکل ہے، جو مذکورۂ بالا معاہد کرنے والون کی جان و مال کو معصوم و محفوظ اسلامی آئین و دستور کے روسے کر دیتا ہے،

(۴)

اسی لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ احترام نفوس کے متعلق اس قسم کی قرآنی آیتین مثلاً

لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (النساء) نہ قتل کرو باہم اپنے آپ کو،

یا اموال کے احترام کے متعلقہ نصوص مثلاً

لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ، (النساء) اور باطل (یعنی غیر آئینی طور پر) باہم ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کیجیو، الا یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت (کا طریقہ لین دین مین اختیار کیا جائے)

وغیرہا مین جن جانون اور جن اموال کے احترام کا مطالبہ کیا گیا ہے، ان سے مراد وہی نفوس اور اموال ہین جو اسلامی آئین کے روسے عصمت و حفاظت کے دائرے مین داخل ہو چکے ہین یعنی نفوس معصومہ اور اموال معصومہ ہی سے ان کا تعلق ہے، اور وہی ان احکام کے مورد خاص ہین،

اسی لئے اس قسم کا استدلال کہ جہاد مین مسلمان کو چونکہ قتل نفس کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور قتل نفس نص قطعی کے روسے حرام ہے، اس لئے جہاد بھی حرام ہے، ایک مضحکہ خیز استدلال ہے، زیادہ وقعت نہین رکھتا، کیونکہ جہاد مین جن نفوس کے قتل کا ارتکاب ناگزیر ہے، وہ ان آیتون کے دائرۂ خطاب مین داخل ہی نہین ہین جن کا احترام اور جن کی حفاظت مسلمانون کا مذہبی فرض ہے،

اور جو حال نفوس کا ہے، وہی حال اموال کا ہے، یعنی یہ قرار دیتے ہوئے کہ اموال کے لین دین مین قرآن نے چونکہ باہمی رضامندی کو مشروط کر دیا ہے، اس لئے غنیمت اور فیٔ کے نام سے دوسرون کا مال لینا ناجائز ہے، اگر کوئی اس قسم کی بات کرے، تو اس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ اموال کے احترام کا جن نصوص مین مطالبہ کیا گیا ہے، آپ نے سمجھا ہی نہین کہ ان کا تعلق معصومہ اموال سے ہے، ورنہ غیر معصومہ اموال کے متعلق تو قرآن ہی مین،

فَكُلُوا حَلَالاً طَيِّبًا. (انفال) — پس کھاؤ اس مال کو جو بہ غنیمت حاصل ہوا ہے) حلال اور پاک وطیب (سمجھ کر)

کا فتویٰ موجود ہے، یہ فتویٰ ان ہی اموال کے متعلق دیا گیا ہے جنھین مسلمان نہ خرید و فروخت کی راہ سے حاصل کرتے ہین، اور نہ ہبہ و وراثت صدقہ وخیرات کی راہ سے، یعنی مال والون کی رضامندی کے بغیر بزور قوت جو مال چھین لیا جاتا ہے، اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ کھاؤ اس کو حلال اور صاف ستھرا، طیب و پاک سمجھ کر، اس سے معلوم ہوا کہ باہمی رضامندی کی شرط جن اموال مین لگائی جاتی ہے، ان کے دائرے ہی سے اموال کی یہ دوسری قسم خارج ہے، جن کے متعلق مال والون کی رضامندی کے حاصل کرنے کی قطعی ضرورت نہین،

(۵)

اب یہان فقہائے اسلام کی اس اصطلاح کو بھی سمجھ لینا چاہئے، کہ جن کے نفوس و اموال مسلمان ہونے کی وجہ سے یا مسلمانون کی حکومت سے عہد ذمہ یا عہد امان کی تعمیل کرنے کی وجہ سے معصوم ومحفوظ ہوجاتے ہین، یہ مالی داد وستد لین دین کے تعلقات کے لحاظ سے ان کا تو ایک طبقہ ہوا جس کا یہی مطلب ہے کہ باہم خود مسلمانون کے ساتھ مسلمانون کو لین دین کے جن قوانین کا پابند بنایا گیا ہے، بجنسہٖ مسلمانون کو وہی پابندیان ذمیون اور ان لوگون کے ساتھ اختیار کرنی پڑین گی، جو امن کا معاہدہ کرکے مسلمانون کی حکومت مین داخل ہوتے ہون، شرح سیر کبیر مین ہے،

وَالمستامنون واهل الذمة في ذلك سواءٌ (جلد ۳ ص ۲۲۶) — امن کا معاہدہ حاصل کرکے مسلمانون کی حکومت کے حدود مین داخل ہونے والے غیر مسلم اور ذمی لوگ (یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) دونون اس معاملہ مین[1] برابر ہین

ذالک کا اشارہ لین دین کے معاملات کی طرف ہے، جس کا ذکر اس سے پہلے آیا ہے،

بہرحال ایک طبقہ تو ان لوگون کا ہوا جن کے نفوس و اموال کی عصمت وحفاظت کی ذمہ داری اسلامی دستور مین لی گئی ہے، اور اسی کے مقابلہ مین دوسرا طبقہ وہ ہے جس نے عصمت وحفاظت کے ان اسلامی ذرائع کو اختیار کرکے اپنے نفوس و اموال کے محفوظ و معصوم کر لینے کا سامان نہ کیا، اصطلاحاً اسی طبقہ کی قانونی تعبیر حربی کے لفظ سے فقہاء کرتے ہین، یعنی نہ مسلمانون کے ساتھ جنگ اور لڑائی کرنے سے روکنے والی کوئی چیز ان کے

پاس موجود ہے، اور نہ مسلمانون کو ان پر حملہ کرنے اور ان سے جنگ کرنے مین کوئی چیز مانع ہے، چون کہ عصمت وحفاظت کے ان آئینی ذرائع سے یہ طبقہ محروم ہے، جو اسلام نے مقرر کئے ہین، اسی لئے قبضہ کرنے کے بعد مسلمان ان کے اموال کے مالک ہو جاتے ہین، خواہ یہ قبضہ ان کی رضامندی سے کیا گیا ہو، یا بغیر رضامندی کے، اس پر تو سارے ائمۂ اسلام کا اتفاق ہے، البتہ اس کی برعکس صورت یعنی مسلمانون کے اموال پر اگر اس حربی طبقہ کو قبضہ حاصل ہو جائے، تو کیا وہ بھی اسلامی قانون کے رو سے مسلمانون کے اموال کے جائز مالک اسی طرح ہو جاتے ہین جیسے مسلمانون کو قبضہ کے بعد ان کے اموال کا جائز مالک قرار دیا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب بھی اثبات مین دیا گیا ہے یعنی وہ بھی مسلمانون کے مال پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد مالک ہو جاتے ہین' حنفی فقہ کے متون کا مسئلہ ہے، ہدایہ میں ہے :-

ولو غلبوا علی اموالنا والعیاذ باللہ ملکوھا،	اگر حربیون کا گروہ ہمارے اموال پر (خدانخواستہ) قبضہ حاصل کرلے، تو وہ بھی ان کا مالک ہو جاتا ہے،

مالک قرار دینے کی یہان بھی وہی وجہ قرار دی گئی ہے کہ

لان الاستیلاء ورد علی مال مباح فلینعقد سببا للملک کاستیلائنا علی اموالھم ۰	اس لئے کہ حربیون کا تسلط اور قبضہ ایسے مال پر ہوا ہے، (جو ان کے لئے) مباح ہے پس ملک کا سبب ان کا یہی قبضہ بن جائے گا، جیسے ہمارا قبضہ ان کے اموال پر ہماری ملک کا سبب بن جاتا ہے؛

جس کا مطلب وہی ہوا، کہ عصمت و حفاظت کے ذرائع سے محروم ہونے کی وجہ سے جیسے ان کا مال مسلمانون کے حق مین غیر معصوم اور مباح ہے، اسی طرح مسلمانون کے اموال بھی ان کے لئے مباح ہین، مین اپنی اصطلاح مین فقہ کے اس قانون کو بین الاقوامی اباحت کے قانون کے الفاظ سے موسوم کرتا ہون،

(۶)

غیر معصوم مباح اموال کے متعلق یہ جو کہا گیا، کہ قبضہ کرنے کے بعد قبضہ کرنے والے ان کے مالک ہو جاتے ہین، یہ ذرا مبہم سا جملہ ہے، مطلب یہ ہے، کہ قبضہ کو دیکھا جائے گا، اگر حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے

زور سے یہ قبضہ حاصل ہوا ہے، تو ظاہر ہے کہ تقسیم سے پہلے حکومت اور اس کی ساری فوج جس کی امداد اور قوت سے یہ قبضہ حاصل ہوا ہے، سب کا یہ مقبوضہ مال ایک مشترکہ سرمایہ ہے اس لئے جائز نہ ہوگا کہ قبل از تقسیم کوئی خاص آدمی خواہ اسی فوج کا سپاہی ہی کیون نہ ہو، اس مال مین کسی قسم کا تصرف کرے، ہان تقسیم کے بعد جس سپاہی کے قبضہ مین اس مال کا جتنا حصہ آئے گا، وہ اپنے اس خاص حصہ پر چونکہ قابض ہوگا، اس لئے اب اس کا وہ بلا شرکت غیرے جائز شخصی مالک ہے، اور اب جائز ہے کہ جس قسم کا تصرف اس مال مین وہ چاہے کرے،

غیر معصومہ اموال کی اسی قسم کا یعنی حکومت اور فوجی قوت کے زیر اثر جس پر بزور قبضہ کیا جائے اسی کا اصطلاحی نام "غنیمت" ہے، لیکن یہی غیر معصوم مال حکومت اور حکومت کی فوجی قوت کی پشت پناہی کے بغیر کسی مسلمان کے ہاتھ اگر لگ جائے تو ظاہر ہے، کہ اس وقت حکومت اور فوج کو اس مال سے کیا تعلق اسی لئے حکم اس کا یہ ہے جیسا کہ امام محمد نے سیر کبیر مین نقل کیا ہے یعنی

ھذا لیس بغنیمة بل ھو احراز المباح،	یہ غنیمت نہین ہے، بلکہ ایک مباح مال کا سمیٹنا (اور اس پر قبضہ کرنا ہے)

اسی لئے اس مال کا قبضہ کرنے والا ہی مالک ہو جاتا ہے، امام محمد ہی نے اسی کے بعد لکھا ہے،

فیکون بمنزلة الاصطیاد و الاحتشاش، (جلد ۳ صفحہ ۱۶)	اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے شکار کرنیوالا شکار کا مالک قبضہ کرنے کے بعد ہو جاتا ہے یا گھاس کا مالک گھاس گڑھنے والا

ابن ہمام نے بھی "الغنیمة" کی یہ تعریف کرتے ہوئے یعنی

الغنیمة ما اخذ قھراً و غلبة،	غنیمت اس مال کا نام ہے، جسے بزور و غلبہ حاصل کیا گیا ہو،

ان غیر معصومہ مال کے متعلق جن پر قہراً و غلبةً قبضہ نہ کیا گیا ہو لکھا ہے کہ

انما یاخذ بحیلة فکان ھذا اکتسابا مباحا من المباحات کالاحتطاب و الاصطیاد،	ان کو تو لینے والا اپنی خاص تدبیر سے حاصل کرتا ہے، تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ مباح اور جائز اموال مین سے کسی مباح مال کا یہ کمالینا ہے جیسے جنگل کی

(فتح القدیر جلد ۳ ص ۳۴۳) لکڑی کو لکڑہارے حاصل کرتے ہین، یا شکاری شکار پر قبضہ کرتے ہین،

اور چونکہ یہ قبضہ شخصی جد وجہد کا نتیجہ ہوتا ہے، اسی لئے سیر کبیر مین یہ کلیہ درج کرکے

فی کل موضع یکون للمصاب حکم الغنیمۃ فالآخذ وغیرہ فیہ سواء وفی کل موضع لایکون للمصاب حکم الغنیمۃ،

ایسا مال جو مسلمانون کو غنیمت کی مد مین ہاتھ لگے، تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ مال کا حاصل کرنے والا، اور اس کے سوا دوسرے لوگ (یعنی فوج کے دوسرے افراد) اس مال مین مساوی حق رکھتے ہین لیکن (اسی قسم کے مباح اموال) جو غنیمت کی نوعیت نہین رکھتے،

توپھر اس کا وہی حکم ہے کہ

فان الآخذ یختص بہ (سیر کبیر جلد ۳ ص)

تو (ان کا کلی قاعدہ یہ ہے) کہ قبضہ کرنے والے کی وہ مخصوص ملکیت ہوگی،

اور اسی قسم کے مملوکات شخصیہ کے متعلق امام محمد کی اُسی کتاب مین دوسری جگہ ہے،

فالماخوذ لمن اخذہ ولا خمس فیہ،

پس جو مال اس راہ سے حاصل کیا جائے گا وہ اُسی کا ہوگا جس نے اُسے حاصل کیا ہو اور اس مال مین (خمس) یعنی پانچوان حصہ (حکومت) کا نہ ہوگا،

(جلد ۳ ص)

کھلی ہوئی بات ہے کہ خمس تو حکومت کا حصہ ہوتا ہے جب حکومت کی امداد ہی اس قبضہ مین شریک نہین ہو تو اس کا حصہ اس مین کیون ہونے لگا،

بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ اموالِ غیر معصومہ کے مالک ہونے کی یہ دونون صورتین درحقیقت مبنی تو اسی پر ہین، کہ یہ مباح اموال ہین، اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ان کی طرف سے اٹھالی گئی ہے، البتہ قبضہ جس مین اجتماعی قوت سے حاصل ہوتا ہے، اس کے احکام بھی اجتماعی ہین، اور جس قبضہ مین اجتماعی قوت کو

دخل نہین ہے، اس کا اثر بھی اجتماعی نہین ہے،

یہ خیال کہ غنیمت کا مال چونکہ لڑائی بھڑائی اور جنگ و جدال مین حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس کو حلال کیا گیا ہے، اگرچہ ایک عامیانہ خیال ہے، لیکن عوام ہی کے لئے مین کہتا ہون کہ جنگ کو اگر اموالِ غنیمت کے حلال ہونے مین دخل ہوتا یعنی غیر معصوم ہونے کی جو وجہ ہمارے فقہا نے قرار دی ہے، اگر ان اموال کی حلت کی وجہ یہ نہ ہوتی، بلکہ لڑائی اور جنگ مین حاصل ہونا یہی بات ان کے حلال ہونے کی وجہ ہوتی، تو چاہئے تھا، کہ حکومت سے باغی مسلمانون کا جو مال جنگ مین ہاتھ آتا ہے، وہ بھی مالِ غنیمت بن کر قبضہ کرنے والون پر حلال ہو جاتا لیکن فقہ کا یہ عام مسئلہ ہے، سیر کبیر مین بیسیون جگہ یہ مسئلہ مذکور ہے،

مال المسلم لا یکون غنیمۃ للمسلمین بحال کاموال اھل البغی،

(سیر کبیر جلد ۲ ص۳۰)

مسلمانون کا مال مسلمانون کے لئے کسی حال مین غنیمت نہین بن سکتا، مثلاً حکومت کے باغیون سے (لڑائی) مین جو مال حاصل ہو، وہ غنیمت نہین بن سکتا،

ابن ہمام نے فتح القدیر مین لکھا ہے :-

لا یقسمھا حتی یتوبوا فیردھا علیھم او علی ورثتھم،

چاہئے کہ باغیون کے اس مال کو مسلمان آپس مین غنیمت بنا کر آپس مین تقسیم نہ کرین بلکہ انتظار کیا جائے کہ (باغی افراد) توبہ کرین (توبہ کرلینے کے بعد) ان کا مال ان ہی کو واپس کر دیا جائے گا، (اور اگر وہ خود موجود نہ ہون) تو ان کے وارثون کو یہ مال واپس

اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانون کا مال بہرحال معصوم ہے، اور معصوم مال کے مالک ہونے کی صورت وہی ہے جسے اسلام نے لین دین کے جائز قانونی ذرائع قرار دیئے ہین، پس معلوم ہوا، کہ حرب یا لڑائی کو غنیمت کے اموال کی حلت مین دخل نہین ہے بلکہ ان کا غیر معصوم ہونا یہی اصلی وجہ ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، قبضہ چونکہ اموالِ غنیمت پر اجتماعی قوت سے حاصل کیا جاتا ہے، اس لئے شخصی تصرف کی اجازت قبضہ کرنے والون کو تقسیم سے پہلے نہیں دی گئی ہے، اگرچہ بعض چیزون کو فقہا نے مستثنیٰ بھی کیا ہے، اور سچ پوچھئے تو مستثنیٰ ہونے والی چیزون

کی فہرست بھی مختصر نہین ہے، فتح القدیر مین ہے،

کاللحم المطبوخ والخبز والزبیب	پکا ہوا گوشت، روٹی، کشمش، شہد،
والعسل والسکر والفاکھۃ الیابسۃ	شکر، پھل خواہ خشک ہون یا تر، پیاز، جو،
والرطبۃ والبصل والشعیر والتین	انجیر اور تیل جو کھانے مین مستعمل ہون، اور
والادھان الماکولۃ کالزیت	گھی تو ان چیزون کو (تقسیم سے پہلے بھی)
والسمن فلھم الاکل والادھان	فوج کے سپاہی (انفرادی طور پر)
بتلک الادھان،	کھا سکتے ہین، اور تیل کی مالش بھی
(ص ۳۱۵)	کر سکتے ہین،

ان چیزون مین شخصی تصرفات کی اجازت نہ صرف تقسیم سے پہلے دی گئی ہے، بلکہ استعمال کے لئے اسلامی حکومت کے حدود مین بھی ان کو لانے کی ضرورت نہین، بخلاف غنیمت کے دیگر اموال کے کہ عسکری قوت سے چونکہ یہ چھینے جاتے ہین، اور جس سے فوج چھینتی ہے، وہ بھی فوج ہی ہوتی ہے، اس لئے سمجھا یہ جاتا ہی کہ اسلامی حدود مین داخل ہونے سے پہلے مسلمانون کا قبضہ ان پر مستحکم نہین ہوا ہے، اور نہ واقع مین ہوتا ہے، بلکہ زوال کے شدید خطرے مین اس وقت تک رہتا ہے، جب تک دشمن ہی کے ملک مین مال ہے، اور جب قبضہ ہی مکمل نہین ہوا، تو ملکیت کی تکمیل بھی سمجھی جائے گی، کہ جیسی چاہئے نہین ہوئی، لیکن فوری ضرورت کی چیزین مثلاً غذا ایندھن وغیرہ کے متعلق اجازت دیدی گئی ہے، وجہ وہی ہے کہ حلال ہونے کی اصلی وجہ تو بہر حال اس مین پائی ہی جا رہی ہے، یعنی ان اموال کا غیر معصوم اور مباح ہونا،

(۷)

ایک مختصر سی بات پہلے ہی سے طے کر لینے کی یہ بھی ہے کہ اگرچہ بدیہی اور واضح امر ہے لیکن سمجھ لینا اس کو چاہئے پہلے ہی، اور وہ یہ ہے کہ شراب بیچنے والے کسی مسلمان پر اگر اسلامی حکومت یہ الزام قائم کرے کہ اس معاملہ کے کرنے پر تم نے رضامندی کیون ظاہر کی، تو اس کا یہ جواب کیا صحیح ہوگا، کہ بوجہ مسلمان ہونے کے میرا کیا ہوا، یہ معاملہ صحیح کب ہوا، اور چونکہ معاملہ صحیح نہین ہوا، اس لئے میری رضامندی بھی اس معاملہ کے کرنے پر ثابت نہین ہوئی، ظاہر ہے کہ اس کی یہ بات کتنی لغو اور غلط ہوگی، معاملہ کا صحیح ہونا نہ ہونا یہ ادیبانہ بات ہے اور اس معاملہ کے کرنے پر یعنی شراب کے بیچنے پر راضی ہو جانا، یہ دوسری بات ہے، یہ تو ایک واقعہ ہے کہ

شراب کے بیچنے پر وہ راضی ہوا تھا، اب مسلمان کے لئے اس قسم کے محرمات کی تجارت چونکہ ناجائز و حرام ہے اس لئے شرعًا اس کا یہ کیا ہوا معاملہ صحیح نہ ہوا، بہرحال کسی معاملہ کا صحیح ہونا نہ ہونا یہ الگ چیز ہے، اور اس معاملہ کے کرنے پر راضی ہو جانا دوسرا مسئلہ ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا بات بالکل معمولی ہے، لیکن ہم آیندہ جو کچھ کہنے والے ہیں، اس کے لئے اس نکتہ کا ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے، خیر یہ سب تو تمہیدی مقدمات تھے، اصل مسئلہ آپ کے سامنے اب آتا ہے،

مطلب یہ ہے کہ اسی "بین الاقوامی اباحت" کے کلی ضابطہ کی ظاہر ہے کہ سینکڑوں جزئیاتی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، فقہاء اسلام جیسا کہ ان کا دستور ہے ممکنہ حد تک ان جزئیات کو پیدا کرکے ان کے خاص حالات کے لحاظ سے جو حکم ان کا ہو سکتا تھا، اُسے بیان کرتے چلے گئے ہیں، مثلاً ابھی آپ نے دیکھا کہ حکومت اور فوج کی قوت سے جب قبضہ حاصل ہو تو اس کا حکم اور ہے، اور یہی قبضہ بغیر حکومت و فوج کے جب میسر آئے تو اس کا حکم دوسرا ہے، پھر فوجی مقبوضات کی بعض چیزیں مستثنیٰ بھی کی گئی ہیں، الغرض جیسے حالات ہوئے ہیں ان ہی کو پیش نظر رکھ کر جو حکم ان کا کتاب و سنت کی روشنی میں نظر آیا ہے، لوگوں نے اس کو بیان کیا ہے،

ان ہی جزئیات میں سے ایک خاص صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسی غیر اسلامی قلمرو میں ایک مسلمان امن و امان کا معاہدہ کرکے مقیم ہے، جس کا ظاہر مطلب یہی ہے، کہ امن و امان کو قائم کرنے کے لئے جو قوانین اس غیر اسلامی حکومت نے نافذ کئے ہیں، ان کی پابندی کرکے وہ عہد کرتا ہے کہ اس ملک میں زندگی گزارے گا، مثلاً چوری، ڈاکہ، فریب، دھوکہ وغیرہ جیسے امور اس حکومت کے آئین میں، اگر ناجائز ٹھہرائے گئے ہیں، تو یقینًا اس مسلمان پر واجب ہوگا، اور اپنے اس معاہدہ کے رو سے وہ پابند ہے کہ اس حکومت کے باشندوں کی کسی چیز کو ان غیر قانونی ذرائع سے لینے کی نہ کوشش کرے گا، اور نہ لے گا، اس کی خلاف ورزی غدر کے جرم کا مجرم خود اسلامی قانون اس کو قرار دے گا، یہی ہمارے فقہاء کا مذہب بھی ہے، بلکہ انھوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ لین دین کا کوئی ذریعہ اسلامی شریعت میں اگر جائز بھی ہو لیکن اس غیر اسلامی حکومت کے آئین میں مثلاً ناجائز ہو تو اس وقت اپنے معاہدہ کے رو سے اس فعل سے بھی اس کو باز رہنا پڑے گا، خلاف ورزی کرے گا تو عہد شکنی کے جرم کا مجرم ہوگا، امام محمد نے مثالًا لکھا ہے کہ اسلامی قانون کے رو سے فرض کرو کہ کوئی بات کسی سودے میں عیب نہ ہو، لیکن اس غیر اسلامی حکومت کے قانون میں اگر وہ عیب ہے تو اس عیب پر مطلع کئے بغیر کسی خریدار کو اس سودے کا دینا، یہ بھی فریب، خیانت اور

غدر سمجھا جائے گا، ان کے اپنے الفاظ یہ ہین :

لیس لہ ان یدلس بصر العیب فیما یبیعہ منھم مما یجوز مثلہ فی دار الاسلام او لا یجوز۔ (سیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۳)

(امن لے کر کسی اسلامی علاقہ مین داخل ہونے والے مسلمان) کے لئے جائز نہ ہوگا کہ خرید و فروخت کی چیزون مین وہ تدلیس سے کام لے، (یعنی عیب پوشی کرکے مال بیچے) خواہ اس عیب کے ساتھ اسلامی قانون کے رو سے اس مال کا بیچنا جائز ہو یا ناجائز ہو،

جس کا حاصل یہی ہوا کہ امان کے اس معاہدے کے پابند ہو جانے کے بعد جب تک اس غیر اسلامی قلمرو مین اس مسلمان کا قیام رہے گا، اس کو لین دین کے سارے معاملات مین اسی غیر اسلامی حکومت کے قوانین کی پابندی خود اسلام کے رو سے ضروری ہوگی، اس پر لازم ہوگا، کہ عہد شکنی اور غدر کی تمام صورتون سے احتراز کرے، ایک مشہور حدیث جس مین ان ہی مواقع پر عہد شکنی اور غدر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشدت ممانعت فرمائی ہے، سیر کبیر سے نقل کرنے کے بعد علامہ شمس الائمہ سرخسی نے بطور فتویٰ کے یہ نتیجہ نقل کیا ہے، کہ

وفی ھذا دلیل علیٰ وجوب التحرز عما یشبہ الغدر صورۃً ومعنیً، (صفحہ ۱)

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ غدر سے متشابہ جو باتین بھی ہون گی، ان سے پرہیز (اس متامن) مسلمان کے لئے ضروری ہے خواہ واقع مین وہ غدر اور عہد شکنی ہو، یا اس کی صورت غدر و عہد شکنی کے مشابہ ہو،

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "بین الاقوامی اباحت" کے قانون کو بنیاد بنا کر جو یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ مسلمانون کو اسلام نے ہر حال مین اس بات کی اجازت دے رکھی ہے، کہ جس طرح چاہین اور جب چاہین، جہان چاہین، غیر مسلم اقوام کا مال لوٹ لین چھین لین، چوری کرلین، یہ کتنا بڑا اسلام اور مسلمانون پر بہتان ہے،

کسی غیر اسلامی حکومت اور اس کے باشندون کے ساتھ امن و امان کی صحیح قانونی اور آئینی زندگی بسر کرنے کی شکل اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے، کہ مسلمانون کو لین دین کے ان معاملات مین اسی غیر اسلامی حکومت کے قوانین کی پابندی پر مذہبًا مجبور کیا جا رہا ہے، اور ان قوانین کی خلاف ورزی دینی حیثیت سے ان کے لئے اس حد تک ناجائز قرار دی گئی ہے، کہ صورۃً ہی نہین بلکہ معنًا خلاف ورزی بھی ان کے لئے ممنوع ہے، جس کا مطلب یہی ہوا کہ صورۃً اگر جواز کی شکل پیدا بھی ہو رہی ہو، جب بھی قانون کی اس ظاہری شکل سے ناجائز نفع نہ اٹھانے تک کا موقع اسلام نے مسلمانون کے لئے باقی نہین رکھا ہے، چہ جائیکہ ان حالات مین غیر اقوام کے اموال کو چوری یا سینہ زوری سے لینا العیاذ باللہ جائز ہو،

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معاہدہ قولاً کیا جائے یا حالاً ہر حال مین وہ معاہدہ ہی سمجھا جائیگا، مسلمانون کے ملک مین غیر اقوام کے لوگ اگر داخل ہون، اور تحریرًا اور تقریرًا معاہدہ نہ بھی کرین لیکن جس حال کے ساتھ ان کا داخلہ ملک مین ہو، وہ دلالت کر رہا ہو، کہ وہ امن و امان کے ساتھ رہنے اور کاروبار کرنے کے لئے آئے ہیں تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا، جو تحریری یا تقریری معاہدہ کرنے والون کے ساتھ کرنا چاہئے، امام محمد نے اسی مسئلہ کو جہان بیان کیا ہے، اس کی شرح کرتے ہوئے شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہین،

ان تجارهم هكذا يكون الحال	غیر اقوام کے تاجر وغیرہ کا بھی یہی حال مسلمانون
بينهم وبين المسلمين يدخلون	کے ساتھ ہے، یعنی وہ اسلامی علاقون مین
دار الاسلام من غير ان ينادوا	داخل ہوتے ہین، اور اس طور پر داخل
لطلب الامان	ہوتے ہین، کہ امان کا مطالبہ علانیہ زبان
(شرح سیر کبیر صفحہ ۹۵ جلد ۱)	سے نہیں کرتے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ امان کے اس معاہدہ کے لئے زبان سے کہنے یا قلم سے لکھنے کی ضرورت نہین، حال بھی اس کے لئے کافی ہے، یعنی ایسا حال جو دلالت کرتا ہو کہ اس غیر اسلامی حکومت مین یہ مسلمان آئینی زندگی بسر کرنے کے ارادے سے داخل ہوا ہے، بس یہی چیز اس کو لین دین کے ان سارے قوانین کا مذہبًا پابند بنا دے گی، جو اس ملک مین اس کی حکومت کی جانب سے نافذ ہون، خواہ خود اپنے مذہب کے رو سے ان قوانین کی پابندی اس مسلمان کے لئے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو،!

اور اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مذہب کی صحیح پابندی، اور سچی اسلامی زندگی مسلمانون کو غیر اقوام

کے مقابلہ مین کس درجہ امن پسند اور شریف ترین شہری بنا دینے مین ممد و معاون ہو سکتی ہے لیکن افسوس کہ مسلمانون کے صحیح مذہب سے ناواقف لوگون نے مسلمانون پر قابو پانے کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی حوصلہ شکنی کی، وہ ان کی مذہبی زندگی ہی کی کی، ان کے مذہب کا مہیب فرضی تصور قائم کیا گیا، اور پابند مذہب مسلمانون کو ایک خوفناک ڈراونا آدمی مان کر جس طرح بھی ممکن ہوا، ان کی مذہبی تعلیم اور مذہبی زندگی کے پیدا کرنے کے طریقون کو برباد کرنے کی کوشش کی گئی،

مین کہتا ہون کہ آج بھی پاکیزہ ترین امن پسند شہریون کے پیدا کرنے کا ارادہ اگر حکومت کرنا چاہتی ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے، کہ مسلمانون کے مذہبی علوم مذہبی تعلیم اور مذہبی زندگی کو پختہ کرنے کے جن ذرائع کو اس نے برباد کیا ہے، قصداً و عمداً برباد کیا ہے، ان کو پھر زندہ کرے، اور تجربہ کرے کہ مسلمانون کا مذہب ان کو فسادی، شورش پسند فتنہ انگیز قوم بناتا ہے، یا ان کے شہرون اور دیہاتون کو بہترین امن پسند شہریون اور آبادکارون سے بھر دیتا ہے، یہی چند مسئلے جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، دنیا کا کوئی مذہب ہے؟ جو اپنے ماننے والون کو غیر اقوام کے ساتھ اتنے خنجے تلے، صحیح تعلقات کے قائم کرنے کی تلقین کرتا ہو،

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، مسلمانون پر مسلمانون کے دین پر، ان کی دینی تعلیم پر ظلم کیا گیا ہے، اور صرف غلط اوہام خود آفریدہ مفروضات کے زیر اثر ظلم کیا گیا ہے، ان کی مذہبی زندگی کے نظام کو تہس نہس کرکے رکھ دیا گیا ہے، ان حالات کو دل دیکھتا ہے، اور بے قابو ہو جاتا ہے، کاش! ہوتا کوئی جو مظلومون کی آواز ظالمون تک پہونچاتا، اور دنیا کی ایک بہترین امت صالحہ کی بربادی کا جو تہیہ کیا گیا ہے، ظلم کرنیوالون کو ان کے اس ظالمانہ ارادہ سے باز رکھتا، ع لکن لیس فی اللہ ارد یاد؛ وحسبی اللہ نعم الوکیل،

ہان! تو گفتگو اس مین ہو رہی تھی، کہ غیر اسلامی قلمرو مین امن کے معاہدے کے ساتھ داخل ہونے والے اس مسلمان پر اسلام ہی کے قانون ایفاے عہد کی وجہ سے یہ پابندی عائد ہو جاتی ہے، کہ جس چیز کا اس نے عہد کیا ہے، اسے وہ پورا کرے، یعنی ملک کے قوانین نافذہ کی پابندی اس وقت تک کرتا رہے، اور اس پابندی کو اپنا مذہبی اور دینی فرض سمجھے جب تک اس غیر اسلامی ملک میں اس کا قیام ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس معاہدے کی وجہ سے کیا وہ اس کا بھی پابند ہو جاتا ہے، کہ جن اموال کو اسلام نے غیر معصوم قرار دیا ہے، ان کو بجاے غیر معصوم ہونے کے معصوم یقین کرے، شمس الائمہ سرخسی شرح سیر کبیر مین لکھتے ہین :-

انَّ اَمْوَالَهُمْ لا تصیر معصومۃ   امن کا معاہدہ کرکے غیر اسلامی قلمرو مین

بدل خوله ایهما بامان،
(جلد ۳ صفحہ ۱۷۰)

جو مسلمان داخل ہوتا ہے، تو امن کے اس معاہدے کی وجہ سے (غیر مسلم اقوام کے اموال کے غیر معصوم ہونے کا جو قانون ہے وہ بدل نہین جاتا) یعنی معصوم نہین بن جاتا ہے،

اور یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ پابندی تو اس پر لازم ہو گی ان ہی باتون کی جن کا اس نے معاہدہ کیا ہے یعنی وہی بات کہ لین دین مین اس ملک کے نافذہ قوانین و آئین کی پابندی کرنے کا، جو طریقہ اس ملک کے دستور مین غیر آئینی قرار دیا گیا ہو، اس سے احتراز اپنے اس معاہدہ کی بنیاد پر اس پر مذہبًا واجب ہے لیکن یہ بات کہ جن اموال کو خدا نے غیر معصوم قرار دیا ہے، قرآن مین جن کی ذمہ داریون سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے، ان ہی کے متعلق خواہ مخواہ آخر وہ یہ کیون باور کرے کہ وہ معصوم ہو گئے، اس بات کا جب اس نے معاہدہ ہی نہین کیا ہے، تو اس کی پابندی بھی اس پر کیون لازم ہو گی،

بہر حال کچھ بھی ہو آپ دیکھ رہے ہین کہ فقہائے اسلام کے نزدیک امن کا یہ معاہدہ اس مسلمان کے لئے یہ ضروری نہین ٹھہراتا کہ غیر معصوم اموال کو وہ بلا وجہ معصوم یقین کرنے لگے،

اب ان امور کے طے ہونے کے بعد یہ سوال ہوتا ہے، کہ اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین نافذہ کی پابندی جیسے اس پر لازم ہے، خواہ اسلام ان قوانین کا اسے پابند بناتا ہو یا نہ بناتا ہو، اسی طرح اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے، جو اس کے برعکس ہو یعنی لین دین کا مثلًا ایک طریقہ اسلام مین ناجائز ہے، مگر اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین کی رو سے لین دین کا وہی طریقہ جائز قرار دیا گیا ہو، اس ملک کے باشندے باہمی رضامندی کے ساتھ اموال کا تبادلہ اس ذریعہ سے کرتے ہون، اور حکومت بھی ان ذرائع سے اپنے ملک کے آبادکارون کو دیتی دلاتی ہو،

اب لین دین کے انہی طریقون سے جو اس ملک کے قانون کے رو سے تو جائز طریقے ہین لیکن اسلامی آئین کے رو سے ناجائز ہین ان ہی مین سے کسی ایک طریقہ سے غیر معصوم مال اسی مسلمان کے ہاتھ لگتا ہے مثلًا شراب کے معاوضہ مین اسی ملک کے کسی غیر مسلم باشندے کے دس روپے اس مسلمان کے قبضہ مین آجاتے ہین، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی آئین کے رو سے اس روپیے کے متعلق کیا فتوی دیا جائے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ معاملہ شراب فروشی کا جو اس مسلمان نے کیا چونکہ اسلامی قانون کے رو سے ایک ناجائز معاملہ ہے، یعنی کسی

مسلمان کے لئے اس معاملہ کا کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی کرے گا تو معاملہ فاسد اور غلط قرار دیا جائے گا، اس لئے بذات خود تو یہ معاملہ یقیناً فاسد اور غلط ہو گیا، کیونکہ اس کا کرنے والا مسلمان ہے، اور مسلمان خواہ کہین ہو کسی ملک مین ہو اپنے مذہب کے احکام کی پابندی ہر حال مین اس کے لئے ضروری ہے سیر کبیر میں امام محمد اپنے اور اپنے استاد امام ابو حنیفہ کا مذہب ہر جگہ یہی نقل کرتے چلے گئے ہین کہ

المعاملۃ فی دار الحرب ودار	مسلمانوں کے لئے معاملہ کی نوعیت دار الاسلام
الاسلام سواء فی حق المسلم	اور دار الحرب (یعنی اسلامی وغیر اسلامی قلمرو
(جلد ۴ صفحہ ۱۳)	دونون مین) برابر ہے،

اور شمس الائمہ سرخسی اسی کے بعد بطور تشریح کے لکھتے ہین، کہ

لانہ مُستلزم حکم الاسلام	کیونکہ اسلامی احکام و قوانین کی پابندی
حیث ما یکون،	کا ذمہ وار مسلمان ہر جگہ ہے جہان کہین
(جلد ۴ - ص ۱۳)	بھی وہ ہو،

پس کوئی شبہہ نہیں کہ مسلمانون کا کیا ہوا، یہ معاملہ بذاتِ خود تو ختم ہو گیا لیکن سوال اس روپئے کے متعلق ہے جو اس مسلمان کے ہاتھ مین پہونچ گیا ہے، ظاہر ہے کہ معاملہ اگرچہ بذاتِ خود ختم ہو گیا، لیکن یہ بات کہ شراب لے کر دینے والے نے اس کو جو روپیہ دیا ہے، وہ اپنی رضامندی سے دیا ہے، کیا یہ بھی ایک واقعہ نہیں ہے؟ یقیناً اس کی مثال وہی ہے جس کا ذکر تمہیدی مقدمات مین مین نے کیا تھا، کہ شراب بیچنے والے مسلمان کے معاملہ کو حکومت باطل بھی قرار دے لیکن اسی مسلمان پر یہ الزام اگر قائم کیا جائے، کہ شراب بیچنے پر وہ راضی ہو گیا تھا، تو اس واقعہ کا انکار اس وجہ سے وہ قطعاً نہیں کر سکتا، کہ اس کے معاملہ کو تو حکومت نے فسخ کرا دیا، کیونکہ معاملہ لاکھ فسخ ہوا ہو، مگر معاملہ تو اس نے اپنی رضامندی سے کیا تھا، اسی طرح جب غیر اسلامی ملک مین شراب لے کر روپیہ کا لین دین ایک عام قانونی فعل تھا، تو دینے والے نے اس مسلمان کو یہ روپیہ یقیناً اپنی رضامندی سے دیا ہے، اپنی حکومت کی رضامندی سے دیا ہے، اور اس مسلمان نے روپیہ لینے کی حد تک قطعاً نہ اس غیر مسلم کو دھوکہ دیا ہے، نہ اس نے فریب کیا ہے، اور نہ اس غیر اسلامی حکومت کے کسی قانون کو توڑ کر عہد شکنی اور غدر کا مجرم ہوا ہے، ایک بات تو یہ ہوئی، اور دوسری طرف وہ روپیہ ایک غیر معصوم مال ہے تو واقعہ کی صورت اب یہ ہوئی، کہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کئے بغیر دینے والے کی رضامندی سے ایک غیر معصوم مال

اس مسلمان کے قبضہ مین آیا ہے، اور اب یہی سوال کی حقیقی صورت ہے بتایا جائے کہ اس مال کے مالک ہونے اور اس مین تصرف کرنے سے اب اس مسلمان کو کونسی چیز روک سکتی ہے، دو ہی چیزین روکنے والی ہوسکتی ہین، مال کا معصوم ہونا، سو وہ بھی نہین ہے، معاہدہ کی خلاف ورزی یعنی غدر کے جرم کا ارتکاب، آپ دیکھ رہے ہین کہ یہان اس کا بھی کوئی شائبہ نہین ہے پس یہی امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے، کہ ایسی صورت مین اس مسلمان کو اس مال کے نہ مالک قرار دینے کی کوئی وجہ نہین ہوسکتی ہے، بلکہ ایک مباح مال پر بغیر کسی فریب اور غدر کے چونکہ اس کا قبضہ ہوگیا ہے، اور اس قسم کا قبضہ مسلمان کو مال مباح کا چونکہ مالک بنا دیتا ہے، اس لئے وہ اس کا مالک ہوگیا اور جیسا کہ ابن ہمام نے لکھا تھا،

فکان هذا اکتسابًا مباحًا من المباحات کالاحتطاب و الاصطیاد،	پس مباح اور جائز اموال مین سے ایک مباح اور جائز مال کا یہ کمانا اور حاصل کرنا ہوگا، تو اس کی مثال ایسی ہوگی کہ لکڑہارے نے (جنگل) کی لکڑی کاٹی (اور اس کا مالک ہوگیا) یا شکار کا مالک شکاری شکار کرنے کی وجہ سے ہوجاتا ہے،

اس لئے وہی بات صادق آئی، جو اموالِ غیر معصومہ کے قبضہ کے متعلق امام محمد کے حوالہ سے گذر چکی ہے کہ

فالماخوذ لمن اخذہ ولا خمس فیه، (جلد ۳ صفحہ)	پس جو مال اس راہ سے حاصل کیا گیا، وہ اسی کا ہوگا، جس نے اُسے حاصل کیا، اور اس مین (حکومت کا خمس (یا پانچوان حصہ) نہ ہوگا،

اور جس طرح شراب کے اس قصہ کا یہ حال ہے، یہی کیفیت لین دین کے ان تمام طریقون کی ہوگی، جو اسلامی قانون کے رو سے تو نا جائز ہین، لیکن جس حکومت سے ان کا معاہدہ کرکے وہ مسلمان اس کے قلمرو مین مقیم ہو اس کے آئین مین ان معاملات کو لین دین کا جائز ذریعہ قرار دیا گیا ہے، شمس الائمہ سرخسی شرح سیر کبیر مین یہ ارقام فرمانے کے بعد

باعهم میتة او اخذ مالهم	ان غیر مسلم لوگون کے ہاتھ (اسی غیر اسلامی

بطریق القمار فذلک کلہ طیبٌ لہٗ،

علاقہ مین اگر وہ مستامن مسلمان) مردار کو فروخت کرے، یا جوے کے ذریعہ سے ان کا مال لے، تو یہ سب اس کے لئے طیب ہے،

لکھتے ہین کہ

ھٰذا کلّہ قول ابی حنیفۃ و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جلد ۳ ص)

یہ سارے فتوے امام ابوحنیفہ، اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہین،

اور یہ تو خیر پھر بھی جزئیات ہین، کلیہ اصلی یہ ہے کہ

اذا دخل المسلم دار الحرب بامانٍ فلا باس بان یاخذ منھم اموالھم بطیب نفسھم بای وجہ کان،

امن کا معاہدہ کرکے، غیر اسلامی قلمرو مین مسلمان جب داخل ہوا تو اس مین کچھ ہرج نہین، ہو کہ (اس غیر اسلامی علاقے کے غیر مسلم باشندون) کے اموال کو ان کی رضا مندی سے لے، خواہ یہ لینا کسی طرح ہو،

اور اسی بات کو جسے مین تفصیل سے بیان کرتا ہوں وہ ان الفاظ مین ادا کرتے ہین، کہ

لان اموالھم لا تصیر معصومۃ بدخولہ الیھم بامان ولکنّہ ضمن بعقد الامان ان لایخونھم فعلیہ التحرز من الخیانۃ،

(جلد ۳ صفحہ)

کیونکہ اس غیر اسلامی علاقے مین امن کا معاہدہ کرکے مسلمان کا ہونا اس کی وجہ سے (ان غیر مسلم اقوام) کا مال معصوم نہین ہو جاتا، البتہ امن کے معاہدہ نے اس مسلمان کو اس بات کا پابند بنا دیا ہے، ان لوگون کے ساتھ خیانت اور بددیانتی نہ کرے، اس لئے ضرور ہے کہ وہ خیانت اور بددیانتی سے پرہیز کرے،

بہر حال یہان سمجھ لینے کی کل اتنی سی بات ہے، کہ اس مسلمان کو مالک جو اس غیر معصوم مال کا قبضہ کے بعد قرار دیا جاتا ہے، تو اس کی وجہ یہ نہین ہے کہ اس معاہد کو العیاذ باللہ اس کے مالک ہونے پر کسی

حیثیت سے بھی کچھ بھی دخل ہے، گذرچکا کہ اس راہ سے تو ایک پیسہ بھی لینا مسلمان کے لئے حرام ہے، خواہ وہ کسی علاقہ مین ہو، اسلامی مین ہو یا غیر اسلامی مین، بلکہ اسی لئے کہ اس معاملہ کے کرنے مین چونکہ مسلمان بھی شریک ہے، اسی وقت وہ معاملہ فاسد اور غلط ہو کر رہ جائے گا، لیکن باوجود غلط اور فاسد ہو جانے کے اس واقعہ کی دلیل ہونے سے اس معاملہ کے متعلق کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، کہ دینے والے نے مسلمان کو اپنا مال بغیر فریب اور دھوکہ کے قطعاً اپنی رضامندی سے دیا ہے، ایسے ذریعہ سے دیا ہے کہ بجائے مسلمان کے کوئی غیر مسلم اگر ہوتا، تو یقیناً اوس سے اس مال کو واپس لینے کا کوئی حق اس کو اس لئے نہین ہو سکتا تھا کہ اپنی رضامندی سے اس نے دیا ہے، اور واپس لینا بھی چاہے تو حکومت بزور اس واپسی سے اس کو روکے گی، پس رضامندی کے واقعہ کے ثبوت کے سوا بذاتِ خود یہ معاملہ کالعدم ہو جاتا ہے، اور مسلمان اس مال کا مالک اس معاملہ کی وجہ سے نہین بلکہ اس بنیاد پر اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ غیر معصوم مال کے قبضہ نے اس مال کا مسلمان کو مالک بنا دیا ہے، امام محمد فرماتے ہین،

حین اخذ المال فانما اخذ	مسلمان نے اس مال کو جس وقت لیا
المباح علی وجہ منعہ من	تو اس طور پر لیا کہ ایک مباح اور جائز مال
الغدر فیکون ذلک طیبًا	کو وہ اس طرح لے رہا ہے کہ عہد شکنی کے
لہٗ	وہ منافی نہین ہے، پس ایسا مال اس
(ج ۳ صفحہ ۱۷۹)	مسلمان کے لئے طیب اور پاک ہو گیا،

اسی مفہوم کو مبسوط میں شمس الائمہ نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

یتملک المال بالاخذ لا بھذہ	مال کا مالک قبضہ کی وجہ سے ہوا نہ کہ ان
الاسباب،	معاملات کی وجہ سے،

علامہ کاشانی نے اور مختصر فقرہ اسی کی تعبیر مین یہ لکھا ہے، کہ

یثبت الملک بالاخذ لا	ملک قبضہ کی وجہ سے ثابت ہوئی، نہ
بالعقد،	کہ معاملہ کی وجہ سے،

اب فرض کیجئے کہ کوئی غیر اسلامی حکومت ایسی ہے جس کے قانون مین بذریعہ ربوا یعنی سود دعایا کا مالی لین دین ناجائز ہے، اور اسی ملک مین امن کا معاہدہ کرکے مسلمان داخل ہوا تو ظاہر ہے کہ ربوا کے ذریعہ

سے کسی غیر معصوم مال پر قبضہ کرنے کا موقعہ اس کو اگر مل جائے، تو اس کا وہ قطعاً مالک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، جو اس غیر اسلامی حکومت ہی اس نے کیا ہو لیکن یہ صورت اگر نہ ہو بلکہ جیسے شراب فروشی وغیرہ کے معاملات اس غیر اسلامی حکومت میں لین دین کے جائز ذرائع تھے، اسی طرح سود (ربوا) بھی اس ملک کے قانون میں اگر لین دین کا جائز ذریعہ ہو اس ذریعہ سے جو روپیہ لوگون کے ذمہ واجب ہوتا ہو دعوی کرنے پر حکومت اس کے دلانے کی ذمہ دار ہو، تو سوال ہے، کہ کسی غیر معصوم مال پر اس مسلمان کا قبضہ شراب والی نہین، اسی ربوا والی صورت کے ساتھ ہو جائے، تو ظاہر ہے جو جواب معاملات کی ان صورتون مین دیا گیا تھا، جن مین معاملہ بجائے خود غلط اور فاسد ہو کر ختم ہو جاتا تھا، لیکن دینے والے کی رضامندی کی دلیل بن کر ختم ہوتا تھا، کیا ربوا مین بھی بجنسہ یہی ساری باتین نہین پائی جاتی ہین، چونکہ ربوا کے اس معاملہ کا کرنے والا ایک طرف مسلمان ہے، اور مسلمان جہان کہین بھی ہون، اس فعل کے کرنے کے مذہبًا مجاز نہین ہین، اس لئے اسلامی آئین کے رو سے یہ معاملہ یقینًا کالعدم ہو کر ختم ہو گیا لیکن اس کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ دینے والے نے بجائے دس کے مثلًا اس مسلمان کو چوبیس روپے جو دیئے ہین، یقینًا اپنی رضامندی، اپنی حکومت کی رضامندی سے دیئے ہین، پھر جن بنیادون پر مذکورۂ بالا صورتون مین کوئی چارہ اس کے سوا اسلامی اصول و قواعد کی بنا پر نہ تھا کہ ان غیر معصومہ اموال کا اس مسلمان کو مالک قبضہ کر لینے کے وجہ سے قرار دیا جائے تو بتایا جائے کہ ربوا والی اس شکل مین آپ مال کے ایک جائز آئینی مالک کے مالک ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہین، کس بنیاد پر کر سکتے ہین،

بلاشبہہ اسلام مین سود حرام ہے، لیکن سود کی تعریف جیسا کہ ملک العلماء کاشانی نے لکھا ہے

الرّبا اسم لفضل یستفاد بالعقد،	ربوا (سود) اس زیادتی کا نام ہے جسے عقد اور معاملہ کے ذریعہ سے حاصل کیا جائے،

اور یہان معاملہ جب سرے سے باطل ہو کر ختم ہی ہو گیا تو کسی مال کے مالک بنانے کا ذریعہ بھلا وہ کیا ہو سکتا ہے، البتہ یہ باطل ہونے والا معاملہ اس واقعہ کی قطعی دلیل ہے، کہ دس کے معاوضہ مین بیس روپیہ دینے والے نے اس مسلمان کو جو دیئے ہین، وہ اپنی اور اپنی حکومت کے قانون کی رضامندی سے دیئے ہین، پھر کیا کسی واقعہ کو واقعہ ہی یقین کرنا یا جو چیز اس واقعہ پر دلالت کر رہی ہو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس

واقعہ پر وہ دلالت کر رہی ہے، یہ کوئی ناجائز بات ہے، خلاصہ یہ کہ اس مقبوضہ کا مالک اس مسلمان کو نہ قرار دیا جائے، اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، اور جو چیز ایک مسلمان کی ملک ہو چکی ہے، بتایا جائے کہ آخر کس دلیل سے اس بیچارے مسلمان کو اپنی جائز مملوکہ شئے کی ملک سے محروم کیا جائے، جو لوگ محروم کرنا چاہتے ہیں، ان کو چاہئے کہ اس کو محروم قرار دینے پر دلیل پیش کریں، اور یہی تفصیل ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی کی جو سیر کبیر اور اس کی شرح میں بایں الفاظ یا اسی کے قریب قریب دوسرے الفاظ میں پایا جاتا ہے، مثلاً کبھی کہا جاتا ہے کہ

انّ الربا لا یجری بین المسلم و الحربی فی دار الحرب، (شرح سیر کبیر جلد ۳ صفہ ۲۱۲)	قطعاً ربوا (سود) مسلمان اور حربی کے درمیان جاری نہیں ہوتا، غیر اسلامی حکومت کے قلمرو میں (یعنی دار الحرب میں)

یا اسی کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یوں کی گئی ہے، اسی سیر کبیر کی شرح میں ہے،

لو باعھم درھما بدرھمین او باعھم میتۃ بدراھم او اخذ مالاً منھم بطریق القمار فذلک کلہ طیب لہ، (صفہ ۱۷۹)	اگر وہی مستامن مسلمان ان لوگوں کے ساتھ (یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ) یہ معاملہ کرے کہ ایک درہم کو دو درہم کے بدلے بیچے (یعنی سود لے) یا مردار فروخت کرکے دراہم لے، یا اُن سے مال جوے کی راہ سے لے، تو یہ سارے اموال اس کے لئے طیب ہیں

تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ جس مال کا مالک ان صورتوں میں اس مسلمان کو قرار دیا جا رہا ہے، اور اس مملوکہ مال کے استعمال کو اس کے لئے طیب و پاک ٹھہرایا جا رہا ہے، کہ مثلاً وہ سودا اور سود کی آمدنی تھی، اور باوجود سودا اور سود کی آمدنی ہونے کے پھر بھی اس کو اس مسلمان کے لئے حلال ہونے کا فتوی العیاذ باللہ دیا جا رہا ہے، بلکہ بات وہی ہے کہ مسلم و حربی کے درمیان ایسی صورت میں معاملہ ہوا ہی نہیں، اور جس مال کا قبضہ کرنے کے بعد وہ مالک ہوا ہے، سرے سے سود ہی نہیں ہے، عام فقہاء کے الفاظ

لا ربوا بین المسلم و الحربی فی	مسلم اور حربی کے درمیان ربوا نہیں

دارالحرب، ہوتا دارالحرب مین،

جس کے متعلق یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ مکحول کی حدیث کے یہ الفاظ ہین، وہ حدیث ہے یا نہین اس کی بحث تو آگے آئے گی، سر دست مجھے یہ کہنا ہے کہ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ سرے سے وہ ربوا ہی نہین ہے، جیسے اسی سے پہلے متون مین یہ الفاظ پائے جاتے ہین،

لا ربوا بین العبد والمولی، نہین ربوا ہے آقا اور غلام کے درمیان'

یعنی عبد و غلام کا مال چونکہ غلام کا نہین، بلکہ مولی (آقا) ہی کا مال ہوتا ہے، تو ظاہر ہے کہ خود اپنا مال مالک کے لئے سود کیسے ہوسکتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے، کہ چند مدون مین تقسیم کرکے جو اپنی آمدنی جمع کرتا ہو، اور ضرورت کے وقت ایک مد سے دس روپیے کر خرچ کرے، اور دوسری مد سے بجائے دس کے اس مین میں روپیہ جمع کر دے، تو کیا یہ سود ہوگا؟

بہرحال یہ ہے اس مسئلہ کی تفصیل جسے لوگون نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بایں الفاظ منسوب کر دیا ہے، کہ وہ دارالحرب مین حربی سے سود لینے کو جائز سمجھتے ہین، پھر اصل حقیقت سے جو ناواقف ہین، وہ اپنے قلوب مین امام صاحب کی طرف سے طرح طرح کی بدگمانیان پیدا کرتے ہین، ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے، کہ باوجود ربوا ماننے کے امام ابو حنیفہ ربوا کی اس خاص صورت کو حرمت کے حکم سے مستثنیٰ کرتے ہین، لیکن آپ دیکھ رہے ہین، کہ امام پر یہ کتنا بڑا بہتان ہے، واقعہ کی جو صورت خود حنفی مذہب کی مستند کتابون کے حوالہ سے آپ کی خدمت مین پیش کی گئی، کیا اس کے پڑھ لینے کے بعد جو خاکسار نے دعوی کیا تھا، کہ امام صاحب جس چیز کے حلال وطیب ہونے کا فتوی دے رہے ہین' اس کے حلال وطیب ہونے کے دلائل کے پیش کرنے سے پہلے میرا تو ان ہی لوگون سے سوال ہے کہ اس کی حرمت اور عدم جواز کی اگر کوئی دلیل رکھتے ہین، تو اسے سامنے لائین، کیا بیجا دعوی تھا؟ اور اب بھی مین اپنے اس دعوی پر قائم ہون، کہ امام جس چیز کو حلال قرار دے رہے ہین، اس کے حرام تو حرام، مکروہ، بلکہ خلاف اولی یا مقتضاے احتیاط کے خلاف ہونے کی بھی کوئی دلیل کسی حیثیت سے بھی پیش نہین کرسکتا،

اسی لئے آپ دیکھ رہے ہین کہ حلال ہی نہین، امام رحمۃ اللہ علیہ اس کو طیب کہنے سے بھی نہین جھجک رہے ہین، اور جھجکنے کی کوئی وجہ بھی تو نہین ہے، جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے، اگر اسی پر قناعت کرلی جائے اور مزید تائید مین کوئی دوسری چیز نہ پیش کی جائے، جیسا کہ ابن ہمام نے مکحول والی روایت پر

بحث کرتے ہوئے لکھا ہے،

وفی التحقیق انه لو لم یرد خبر مکحول اجازۃ النظر المذکور اعنی کونه مالا مباحا الا لعارض لزوم الغدر

تحقیقی بات یہ ہو کہ اگر سرے سے مکحول والی روایت نہ بھی نقل ہوتی، جب بھی مذکورۂ بالا بحث کا اقتضا بھی یہی ہے، (یعنی اس قسم کا مال سود نہیں ہے، مذکورۂ بالا بحث سے میری مراد وہی ہے (یعنی اس مال کا مال مباح ہونا جو کسی عارضی وجہ سے یعنی عہد شکنی و غدر کی وجہ سے مباح باقی نہیں رہتا،

جس کا مطلب وہی ہے کہ غیر معصوم اور مباح ہونے کی وجہ سے اس قسم کا مال مسلمانوں کے لئے بجائے خود حلال ہے، ہاں معاہدے کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، لیکن جہاں معاہدے کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آرہی ہو، تو اب اس کے نہ حلال ہونے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے، بلکہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں اگر ادب مانع نہ آتا، تو کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرنے والوں کے پاس شاید اختلاف کے سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ان کے اختلافی خیال کی تائید ہو سکتی ہے، میں قطعاً یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جس مال کا مالک اس مسلمان کو حضرت ابو حنیفہ قرار دے رہے ہیں، اسی مال کے ناجائز یا اس مسلمان پر اس کے حرام ہونے کی دلیل آخر اختلاف کرنے والے حضرات کیا پیش کر سکتے ہیں، میرے نزدیک تو ان کی تائید نہ کسی قرآنی آیت سے ہوتی ہے، نہ کسی حدیث سے نہ کسی صحابی کے اثر سے حتی کہ کوئی قیاسی بات بھی تو ایسی نظر نہیں آتی، جس کی بنیاد پر اس مسلمان کو اپنی ایک مملوکہ چیز سے محروم کرنے کا فتوی دیا جا سکتا ہو، (باقی)

اشتراکیت اور اسلام

ازمولوی مسعود عالم ندوی

جس میں اسلام اور اشتراکیت کے تعلیمات کا تقابلی مطالعہ اور اشتراکیت کے خلاف فطرت معاشی اصولوں کی علمی وفنی تنقید کی گئی ہے نیز اس کے مابعد الطبعی نظریوں پر ایک ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے ضخامت ۱۰۶ صفحے قیمت ۱۲ر "منیجر"

عزیز لکھنوی کے قصائد

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی علیگ لکچرار ایڈورڈ کالج امراوتی برار

مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ عزیز لکھنوی کی شاعری پر لکھنے سے پہلے ان کی زندگی کے کچھ حالات بھی بیان کردیئے جائیں، ان کا نام محمد ہادی، اور تخلص عزیز، آبا و اجداد کا مسکن کشمیر تھا، لیکن اب کئی پشتوں سے لکھنؤ مین متوطن تھے، ۱۲۹۸ھ؁ مین عزیز پیدا ہوئے، اور بچپن ہی سے عربی و فارسی علوم رسمیہ کا اکتساب کرنے لگے، اور خصوصاً مولوی شیخ فدا حسین اور آغا حاذق سے زیادہ استفادہ کیا، شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو مختلف باکمال اساتذۂ لکھنؤ سے مستفیض ہوئے، یہان تک کہ ۱۹، ۲۰ برس کی عمر سے اپنی فکر صائب، ذوق سلیم، جدت طرازی اور ذہانت کی وجہ سے بڑے خوش گو شاعر سمجھے جانے لگے، مولانا ابو الکلام آزاد، شررؔ، اور مولانا عبد الماجد دریابادی وغیرہ ان کی داخلی شاعری کے مداح ہین اور اکبر الٰہ آبادی نے کہا ہے:۔

سخن مین اور تو اہل تمیز ہی ہین فقط
شہید جلوۂ معنی عزیز ہی ہین فقط

ان کی غزلین جو دہلوی رنگ اور لکھنوی زبان مین ہین، ایک زمانہ ہوا، گلکدہ کے نام سے شائع ہو چکی ہین، اور ان کی مدحیات یعنی صحیفۂ ولا کی اشاعت غالباً ۱۹۳۱ء؁ مین ہوئی، اس کے چار سال بعد یعنی ۱۹۳۵ء؁ مین دنیا سے رخصت ہوگئے، ہم کو یہان محض ان کی مدحیات پر کچھ کہنا ہے:۔

اس مین کوئی شک نہین کہ ہمارے یہان اب قصیدہ گوئی کا رواج بہت کم ہوگیا ہے. کچھ تو اس وجہ سے کہ اب وہ دربار یا ویسے لوگ نہین رہے جہان اس کی قدر کی جاتی، اور کچھ اس بنا پر کہ قصیدون کی طوالت، اظہار قابلیت، تصنع اور تکلف کا زمانہ بھی نہین رہا، خود شعراء ہی اب

---

[۱] منتخب کلام برائے جماعت بی اے، (علی گڈھ) کے ص ۵۳ - ۵۵ سے یہان تک اخذ کیا گیا،

بہت کم ایسے ملیں گے جو اعلیٰ قابلیت سے بہرہ ور ہوں آج مغربی روئی بنا پر ہماری ہر چیز کو مغربی کسوٹی پر پرکھا جارہا ہے لیکن خود مغربی استادوں میں ایک بھی ایسا نہ ملے گا جو اس قسم کی شاعری کو سمجھ سکے، وہ قصیدہ کو خوشامد اور دروغ سمجھتے ہیں وہ کیا جانیں کہ کس ماحول کی وجہ سے یہ باتیں اس صنف میں داخل ہوئیں اسی لئے براؤن جیسے فاضل نے جو مولانا شبلی کے صحیح ادبی ذوق کے اعتراف کے ساتھ اپنے ذوق کی کمی کا ہمیشہ معترف رہا، نظامی اور جامی کا موازنہ خود نہیں لکھا بلکہ ایک ایرانی ادیب ذبیح اللہ بہروز سے لکھوایا، بات دراصل یہ ہے کہ ہماری فارسی یا اردو شاعری کا مطالعہ بغیر تاریخی اور سیاسی حالات کے معلوم ہوئے مشکل ہے، علامہ شبلی نے اپنی اعلیٰ تاریخ دانی کی وجہ سے شعر العجم میں بڑی پتے کی باتیں کہی ہیں، جو قصیدہ گوئی کے لئے خصوصاً بہت صحیح ہیں، اُن کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلاطین کی ناہموار طرز حکومت کی وجہ سے شعرا مجبور تھے کہ بادشاہ اگر دن کو رات کہے، تو تم کہو کہ واقعی تارے نظر آرہے ہیں، مثلاً بنو امیہ کی ظالمانہ حکومت نے آزادی و حریت کے جذبہ کو بالکل پامال کر دیا تھا، اور مذہبی لوگوں کو رشوتیں ملیں، تو انھوں نے قضا و قدر کا مسئلہ پھیلایا گو کہ معتزلہ نے اس کی مخالفت کی، لیکن بعد میں شاعری کی وجہ سے بادشاہ کی عزت، خدا کی عزت سمجھی گئی، اور اُس کی توہین کو خدا کی توہین، کہا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اخلاقی شاعری تک میں احسان، تواضع حلم، عفو، سخاوت، توبہ وغیرہ کے متعلق سیکڑوں اشعار نظر آنے لگے، لیکن دلیری اور آزادی کے مضامین خال خال رہے، بلکہ ناپید ہی ہو گئے، سلاطین کی اس ناہموار حکومت کے بعد پھر خود اُن کی ناپائداری کا دور آیا، آج ایک بادشاہ تخت پر ہے اور کل تختہ پر نظر آ رہا ہے ایک شخص سر پر لکڑی کا بوجھ لئے پھرتا ہے، اور کل مالک تخت و تاج ہو جاتا ہے، چنانچہ دنیا کی اسی بے وفائی اور بے ثباتی نے متصوفین کی جماعت کو بڑھایا، اور قناعت اور توکل کے مضامین کو مدارج ارتقا تک پہنچایا،

غرض کہ ایسے تاریخی ماحول پر نظر رکھتے ہوئے، ہمارے شعرا، کا کلام دیکھا جائے گا، تو قصیدہ نگاروں کی دروغگوئی خوشامد اور تذلیل نفس کی باتیں بڑی حد تک حق بجانب سمجھی جائیں گی، خود اس زمانہ کے حالات پر نظر غائر ڈالئے کہ ہمارے یہاں کا بڑے سے بڑا شاعر آج کل ناچ گانے اور سینما کو (اپنے ذوق کے پست ہو جانے کے اندیشہ کے باوجود) ہم خرما و ہم ثواب سمجھے ہوئے ہے،

اس طویل مقدمہ کی ضرورت اس لئے ہوئی، کہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ قصیدے میں بے جا طوالت، تکلف اور تصنع کا ادخال کیونکر ہوا، اور یہ اجزائے ترکیبی کس طرح اس کے لئے ضروری سمجھے جانے لگے، اور جب اس صنفِ شاعری نے ایک مستقل صورت اپنے لئے پیدا کر لی، تو بعد کے

شعرانے اگرچہ دنیوی ممدوحون کو چھوڑکر نعت اور منقبت بھی لکھی، تو اُسی طریقہ پر لکھی، چنانچہ آپ سودا، لطف، شہیدی محسن، غالب وغیرہ کے یہان جو قصائد دینی ممدوحون کے متعلق پائین گے۔ ان مین کوئی تلوار گھوڑے ہاتھی اور باز وغیرہ کی تعریف لکھ رہا ہے، کوئی بہار، شباب، شراب کے علاوہ علمی مصطلحات و تصنعات، اور متھرا، بندرابن، سری کرشن اور گوپیون وغیرہ کا بھی ذکر کررہا ہے، جو بظاہر عجیب وغریب ہے، لیکن قصیدہ کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

بہرحال ایسی قصیدہ نگاری کے لئے شاعر کو کسی دنیوی صلے کی توکیا، کسی واہ واکی پروا بھی نہین ہوتی، وہ رسماً بھی لکھتا ہے تو عقیدت کا اظہار ہی اس کی داد کے لئے کافی ہے، چنانچہ عزیز کے قصائد سامعین و قارئین کی داد کے لئے نہین، بلکہ لکھنؤ کے کوئی مجتہد ناصر حسین صاحب کی ہمت افزائی پر لکھے گئے ہون گے، وہ اس کے متعلق اشارہ بھی کرتے ہین، جگہ جگہ اُن کے لئے دعائین بھی کرتے ہین، مثلاً :-

دکھادون اب تمھین وہ قطرۂ دریا نما شیعو — یہ ہین ناصر حسین آئینہ دار علم ربّانی
بسعی ناخن تحقیق کھولے جس نے سب عقدے — امور شرع مین مشکل کشائی کی بآسانی
مدد اُس کی نہ کیونکر ہو کشش خون شہیدان ہو — نظر آتے ہین جس مین جلوۂ اسرار ربّانی
دل کعبہ ہوا جس طرح وجہ اللہ سے روشن — کیا ہے قلب ایمان آپ نے اس طرح نورانی
مجھے جرأت ملی ہو آپ ہی کی داد سے ورنہ — کہان اک چاکر قنبر کہان شہ کی ثنا خوانی

اور آخر مین اس طرح دعا دی ہے،

صلے مین اس قصیدہ کے بجز اس کے نہین خواہش — ہمارے حجۃ الاسلام کی ہو عمر طولانی

اسی طرح صحیفۂ ولا کے صفحات ۲۰، ۱۰۸، ۱۴۶، ۱۹۰ پر بھی اُن کی مدح ہے، یا اُن کے لئے دعا ہے۔ اور یہ قصیدے انھون نے جیسا کہ صفحات ۲۳۱-۲۸۳ سے معلوم ہوتا ہے، قریب ۱۳۱۵ھ کے پہلے ہی شروع کردئیے ہون گے، اور کم از کم ۱۳۴۵ھ تک ضرور کہے ہون گے، اس کی مدت انھون نے مقدمہ مین بتائی بھی ہے، کہ

ازل سے ہے مجھے شوقِ غلامی — مری گردن مین ہے طوق غلامی
تعلق میرا اصحابِ کِسا سے — تمسک دامنِ آلِ عبا سے
دلِ افسردہ گو بیت الحزن ہو — رگون مین دور صہبائے سخن ہو

ٹپک ہے کب سے دل کے آبلے ہیں | کٹے پینتیس سال اس مشغلے ہیں

اب ہم ان کی قصیدہ گوئی کی طرف آتے ہیں، اور پہلے اُن کی خارجی خصوصیات کو لیتے ہیں،

(۱) ان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے قصائد کے لئے مختلف شعراء کی زمینیں اختیار کرتے ہیں، اور اس خصوصیت کے وہ شروع ہی سے پابند نظر آتے ہیں، اُن کا گلکدہ اٹھا کر دیکھئے، اکثر مقامات پر میر[۱] سے زیادہ غالب کی زمینیں نظر آئیں گی، مثلاً غالب کہتے ہیں :-

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا | کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

عزیز اپنی غزل اس طرح شروع کرتے ہیں،

سچ کہو دل پر اثر کیا ہو گا ایسے تیر کا | توڑ دیتی ہے نگہ جب آئینہ تصویر کا

غالب نے کہا تھا :-

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا | اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یہ زمین داغ اور امیر وغیرہ نے بھی اختیار کی تھی، اور عزیز لکھتے ہیں،

غم عشق اگر ملا تھا، تو کبھی قرار ہوتا | کوئی زور دل پہ ہوتا کوئی اختیار ہوتا

غالب کی غزل تھی،

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا | جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

عزیز نے کہا ہے :-

---

[۱] میر کی غزل شروع ہوتی ہے :-

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا | اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

عزیز اس طرح شروع کرتے ہیں :-

دل میں جو ہیں سکون ہوا جسم سرد تھا | وہ مدت حیات تھی جب تک کہ درد تھا

آتش کہتے ہیں :-

وحشت آگین ہے فسانہ میری رسوائی کا | عاشق زار ہوں اک آہوئے صحرائی کا

عزیز کی غزل ہے :-

رنگ ہر پھول میں ہے حسن خود آرائی کا | چمن دہر ہے محضر تری یکتائی کا

وہ شوقِ قتل و ولولۂ دل نہیں رہا　　اب ان کے امتحان کے قابل نہیں رہا

غالب کی ایک غزل تھی :-

درد منتِ کشِ دوا نہ ہوا　　میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

عزیز کی غزل ہے :-

عہد میں تیرے ظلم کیا نہ ہوا　　خیر گذری کہ تو خدا نہ ہوا

غالب کا مطلع تھا :-

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

عزیز کا مطلع ہے :-

اب نہ میری دوا کرے کوئی　　ہو سکے تو دعا کرے کوئی

اسی طرح متعدد غزلیں غالب کی تقلید میں نظر آئیں گی، یہاں تک کہ غالب کی غزلوں کی زمینیں عزیز نے اپنے قصائد کے لیے بھی اختیار کی ہیں، مثلاً غالب کی مشہور غزل ہے :-

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں　　خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

عزیز کی غزل بھی ہے :-

وہ نگاہیں کیا کہوں کیونکر رگِ جاں ہوگئیں　　دل میں نشتر بن کے ڈوبیں اور پنہاں ہوگئیں

ان کا قصیدہ بھی اس طرح شروع ہوتا ہے،

جب ہوائیں نشہ افزائے گلستاں ہوگئیں　　چشم خواب آلودہ سب نرگس کی کلیاں ہوگئیں

غالب کی ایک غزل ہے :-

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے　　جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

عزیز کا یہ قصیدہ اسی زمین میں ہے :-

جاتا ہوں عزم کوچۂ جاناں کئے ہوئے　　دل میں ہزار طرح کے ساماں کئے ہوئے

غالب کی ایک اور مشہور غزل ہے :-

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں　　روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

عزیز کا ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے :-

جلوہ حسن خود نما چھپ کے کوئی دکھائے کیوں چھپ نہ سکے تو پھر کوئی پردے میں منہ چھپائے کیوں

عزیز نے غالب کے علاوہ فارسی شعراء کی زمینیں بھی اختیار کی ہیں، مثلاً انوری نے کہا تھا :-

اے چو عقلِ اول از آلایش نقصان بری چون سپہرت بر جہان از بد و فطرت برتری

یا :- اے مسلمانان فغان از دورِ چرخِ چنبری وز نفاقِ تیر و قصدِ ماہ و کید مشتری

عزیز کا قصیدہ ہے :-

منتظر کب تک رہیں گے شاکی بد اختری اے حجاب آرا کہاں تک یہ حجابِ لبری

عرفی کا ایک قصیدہ ہے :-

مرحبا اے شاہدِ ایام را عہدِ شباب دہ بہین نوبادۂ باغ دعائے مستجاب

عزیز نے لکھا ہے :-

ہوشیار و باخبر اے سرخوشِ عہدِ شباب تاکجا نظارۂ نیرنگیِ دارِ خراب

عرفی کا ایک اور قصیدہ ہے :-

جہان بگشتم و درد ابہیچ شہر و دیار نہ یافتم کہ فروشند بخت در بازار

عزیز کا قصیدہ ہے :-

ہے تا بعرش گلستان کا گوشۂ دستار کہ سرزمینِ عراقِ عرب سے آئی بہار

قاآنی کا ایک قصیدہ شروع ہوتا ہے :-

بود این نکتہ در حکمت سرا زغیب برہانی کہ درجانان رسی آنگہ کہ جان از عیب ہانی

اور عزیز نے اس طرح شروع کیا ہے،

نصابِ مکتبِ پیرِ مغان ہو درسِ عرفانی رہے گا تا بہ کے سرمستِ حکمتہائے یونانی

یا ایک قصیدہ اس طرح ہے :-

وہ دل مشہور تھا اک وقت میں جو عرشِ رحمانی بتانِ ہیکل الروم اب وہاں کرتے ہیں سلطانی

اس کے علاوہ کہیں عربی شاعر فرزدق کی تقلید ہے کہیں دوسرے فارسی شعراء مثلاً نظیری و حافظ کا بھی اتباع کیا ہے، اور کہیں اردو کے شعراء میں میر اور حالی وغیرہ کو بھی اپنا رہنما بنا لیا ہے، ایک جگہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کے سلسلے میں ان شعراء کو اس طرح یاد کیا ہے :-

فرزدق، حیری، حسان و اعشی و عبل و سحبان ہر اک سوصف بصف بیٹھے ہوئے تلمیذ رحمانی

کہین دورِ مئے شیراز سے بیٹھے ہوئے سرخوش جمال الدین عرفی اور حبیب اللہ قاآنی

نمک پروردگان ذوق معنی کا کہین جلسہ کہین پر میر و غالب مست آہنگ ثناخوانی

غرض کہ انھون نے اپنے قصائد کے لئے ایسے بڑے بڑے شعرار کو رہبر بنایا تھا،

(۲) دوسری خارجی خصوصیت ان کے یہان یہ ہے کہ انھون نے اپنے لئے نئے نئے موضوعات تلاش کئے ہین، گو یہ بات کہین مرثیون مین بھی موجود تھی لیکن میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے خصوصیت کے ساتھ قصیدے مین عزیز ہی نے یہ نئے نئے موضوعات فراہم کئے، مثلاً حالاتِ بعثت، عروسیِ حضرت فاطمہؓ، ولادتِ حضرت علیؓ، تہنیتِ ولادتِ امام ثانی، طمانیتِ مظلوم کربلا، عقدِ امام حسن عسکری، فلسفیِ امی،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انھون نے محسن کاکوروی کی طرح اپنے قصیدون کے نئے نئے نام رکھے ہین، ایک تو چراغِ کعبہ ہی ہے، دراصل نئے نئے دلکش نام رکھنے مین عزیز کے ہم عصر علامہ اقبال سب پر فوقیت رکھتے ہین لیکن عزیز نے بھی بہت اچھے نام رکھے ہین، مثلاً: عطرِ عروس، شمعِ حرم، الماس ریزہ، سلکِ گہر، گلِ ترجس، نہالِ طوبیٰ، نرگسِ شہلا، رحیقِ ریحانی، سبحۂ مرجان، بادۂ گلرنگ، عقیقِ مذاب، عقدِ پروین، یاقوتِ احمر، لعلِ بدخشان، درثمین، موجۂ کوثری، موجۂ تسنیم، آتش پارہ، لالہ زار وغیرہ، اوران استعارات سے بڑے لطیف مطالب نکلتے ہین، جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہین،

یہ خصوصیات تو اُن کے قصائد مین خارجی تھین، اب داخلی خصوصیات دیکھئے، کیونکہ انہی پر ان کی اصل قصیدہ گوئی کا دار و مدار ہے،

(۱) اس لحاظ سے ان کی پہلی خصوصیت (قصائد مین) تغزل ہے، چونکہ غالب کے خیالات، انداز بیان و زبان اور بحور کی تقلید انھون نے غزل مین کی ہے، اور قصائد مین بھی ان کی زمینین اختیار کی ہین، اس لئے ان کا تغزل بھی اُن کے یہان اکثر مقامات پر نمایان ہے، دیکھئے ایک قصیدہ کے یہ اشعار کیونکر غزل سے الگ سمجھے جا سکینگے،

شوخیان ایک ہین ناز اس کے کرشمے اس کے ہیں جس ستمگر کی ادائین دشمن جان ہوگئین

بڑھکے دل کی حسرتین سب باعثِ وحشت ہوئین بستیان آباد ہو ہو کے بیابان ہوگئین

اس کی شامِ غم پہ صدقے ہو مری صبحِ حیات جس کے ماتم مین تری زلفین پریشان ہوگئین

اف جوانی مین کسی بدمست کی انگڑائیان باعثِ خمیازۂ چاکِ گریبان ہوگئین

انتظارِ شوق میں ہوں میں سراپا آرزو — جتنی بوندیں تھیں لہو کی سب وہ ارمان ہو گئیں

جو اشارے دلربا تھے اجان مذہب ہو گئے — جو ادائیں جان ستاں تھیں جزو ایمان ہو گئیں

دیکھئے، کتنا دلکش تغزل ہے، کہیں قصیدہ کا شبہہ بھی نہیں ہوتا، ایک جگہ اور دیکھئے :-

اے نشترِ نگاہ مبارک ہو چھیڑ چھاڑ — لیکن ذرا خیالِ رگِ جان کئے ہوے

خود ڈر گئے ہیں خواب میں زلفوں سے آج وہ — اٹھے ہیں اپنی نیند پریشان کئے ہوے

ایک جگہ اور اسی تغزل کی مثال دیکھئے،

بگڑنے پر یہ عالم ہے کہ لاکھوں جان دیتے ہیں — خدا جانے ستم ڈھاؤگے کیا تم مہرباں ہو کر

خبر لو اضطرابِ دل کی گر عادت بگاڑی ہے — نہ کھاتا تھا تو کیوں سینہ پہ آخر مہرباں ہو کر

نہ چھیڑا ہو نکہتِ زلفِ معنبر شامِ ہجراں ہے — بلائیں آ رہی ہیں کارواں در کارواں ہو کر

اور یہی تغزل جب مترنم بحر میں ہوتا ہے، تو عجیب لطف پیدا کر دیتا ہے، مثلاً

خونِ شہیداں ہوا خاک سے پھر جوش زن — لالہ نورستہ ہے رشکِ عقیقِ یمن

صحنِ گلستاں تمام لعلِ بدخشاں بنا — چاکِ گریباں ہوا لالۂ خونیں کفن

(۲) دوسری خصوصیت ان کی تشبیب ہے، جس میں اکثر بڑی لطافت اور کبھی ندرت اور کبھی تنوع بھی ہے، جو ان کی اعلیٰ قابلیت اور ذہانت کا ثبوت ہے، لیکن گریز زیادہ اچھا نہیں ہے، ہم اختصار کیساتھ چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

لڑا اے ذرہ ذرہ کیوں نہ آنکھ آہوے صحرا سے — کہ ابلی پڑتی ہے شوخی کسی نقشِ کفِ پا سے

خیالِ جنبشِ مژگانِ لیلیٰ ہے جو صحرا میں — چلا جاتا نہیں کانٹوں پہ قیسِ برہنہ پا سے

بہار آنے پہ جب کوئی کلی کھلتی ہے لالے کی — شکستِ قلبِ مجنوں کی صدا آتی ہے صحرا سے

جمالِ شاہدِ وحدت نے باندھی ہے کمر ایسی — اڑا جاتا ہے دل بن بن کے ہر اک ذرہ صحرا سے

قیامت کی کشش رہتی ہے حسن و عشق میں باہم — اک آفت کا تعلق عشق کو ہے حسنِ زیبا سے

شبِ معراج کس خلوت میں محبوبِ خدا پہنچے — یہ جذبِ عشق تھا جس نے ملایا حسنِ یکتا سے

درۃ البیضا نام کا ایک قصیدہ اپنی بہاریہ تمہید کے لحاظ سے عزیز کے بہترین قصیدوں میں شمار ہونے کے لائق ہے، گو کہ اس کا مضمون فرسودہ ہے کہ بہار آئی ہوئی ہے، میکشوں نے لبِ جو اپنے ڈیرے ڈالے ہیں، وغیرہ وغیرہ لیکن آگے چل بڑی لطیف تشبیہات و استعارات کا نگار خانہ سجاتے ہوے کہتے ہیں کہ

لئے اک ساتگیں اور اک صراحی ہاتھ میں اپنے ہم ایسے لاابالی رند بھی بیٹھے ہوئے اک سو

کہ لائے چند شاعر اک نگارِ ایشیائی کو کہ جس کی چشم وحشت خیز سے رم خوردہ ہو آہو

مگر ہنستے ہوئے کچھ مغربی شاعر بھی آئے ہیں کہ دیکھیں حسن سے ہوتا ہے دل کس طرح بے قابو

یکایک اُس ستم پیشہ نے چہرہ سے نقاب اُلٹی ہوئی وہ بزم عشرت رشکِ بزم گلشن مینو

نگاہیں ہیں کہ اک پیمانۂ زہر ہلاہل ہیں ہیں افعی کاکلیں اور عقرب جرارہ ہیں ابرو

یہ سلسلہ چلا جاتا ہے، "ستم پیشہ" کے خارجی اوصاف بڑی خوبی سے بتائے جاتے ہیں لیکن پھر کہتے ہیں کہ

ارے بدمست باز آ ایسے تخیلاتِ فاسد سے نہ پھر دیوانہ وار اس وادیٔ الفت میں ہر سو

ارے مجنون یہ دریا ہے نہ ہے یاں گوہر مقصد چمک کر تجھ کو دھوکا دے رہی ہے نجد کی بالو

پریشان دل کے ذرے کر شبِ گیسوے دلبر میں نظر آئیں گے تجھ کو پھر چمکتے ہر طرف جگنو

مٹا دے جھائیاں شیشے کی انفاسِ حقیقت سے اسی کو دل میں دیکھے گا کہ جس کو ڈھونڈھتا ہے تو

ذرا شمع ولایت لے کے گھوم اس کعبۂ دل میں تو پھر اے بے خبر معلوم ہو گی وسعتِ مشکو

اگر قوسِ ہلالِ عیدِ عرفاں دیکھنا چاہے تو دل پر نقش کرلے اس عفیفہ کا خطِ ابرو

تشبیب بڑی اچھی ہے اور ع

یکایک اُس ستم پیشہ نے چہرہ سے نقاب الٹی

بالکل یکایک ذکر آگیا ہے جو بظاہر بے تکی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ یکایک ہی میں اس کا لطف پوشیدہ ہے، ایسے باکمال شاعر کم ہوتے ہیں، اور ایسی ندرت کم پیدا کرتے ہیں، ایسے شاندار قصیدے میں گریز پھر بھی اتنا اچھا نہیں ہے، جیسا کہ چاہئے اس کے متعلق یہاں بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر آپ چاہیں تو شمس الدین محمد بن قیس الرازی کی المعجم فی معائیر اشعار العجم میں اس کی بحث ملاحظہ فرمائیں،

عزیز کی تشبیب اکثر جگہ بڑی پُر لطف ہے، بہار، شباب، ساقی، شراب کا ذکر اکثر جگہ ہے لیکن چونکہ یہ چیزیں محض رسماً کہی گئی ہیں، اس لئے ان میں اتنی لطافت پیدا نہیں ہو سکی، جو کہ عرفی یا قاآنی جیسے بہار آفریں شاعر پیدا کر سکتے تھے، تاہم اس میں شک نہیں کہ ایرانی بہار کا ذکر جس حسن و خوبی سے عزیز نے کیا ہے اردو میں بمشکل کسی اور شاعر کے یہاں نظر آئے گا، کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ بلا کے ذہین تھے، اور کچھ

اس بنا پر کہ انھون نے متعدد اکابر شعرائے فارسی کے قصائد کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا، اس پر مزید یہ کہ انھون نے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تخمیناً پینتیس سال قصیدہ نگاری کی تھی، ایسے کہنہ مشق اور ذہین شاعر سے ایسی ہی تمہیدون اور تشبیہون کی توقع کی جا سکتی تھی، جو ان قصائد سے متعلق ہین :-

بہار آتے ہی ان کو ہو گیا ناز خود آرائی
لہو کچھ بڑھ گیا جب فصد دیوانون نے کھلوائی

کہان تک کی ہے اس طولِ شبِ فرقت نے غمخواری
جوابِ کاکلِ شبگون بنی ہے رات اندھیاری

بہارِ برشگال آئی کدھر ہے ساقیِ مہرو
جگا دے آج کی شب تو ذرا چلتا ہوا جادو

عروسِ شب نے جلوے مین بہ اندازِ حیا پرور
نکالی معجر گلدوز بہرِ زینتِ پیکر

کسی قصیدے کی تمہید مین آثارِ قیامت (صفہ ۹۳) بیان کئے گئے ہین کہین "بے ثباتی دنیا" ہے، اور کسی جگہ موسم گرما کی تمازت (ص ۱۶۰) بیان کرتے ہوئے گریز پہ آئے ہین، ایسے مضامین کے ساتھ گریز آسان کام نہین ہے، اور ہمین یہ کہنے مین تامل نہین ہے کہ انھون نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، گریز کی لطافت کا رواج اس ملک مین بہت کم تو کیا اب ہے بھی نہین، جب کہ قصیدے ہی نہین رہے، تو اس کے لوازمات کیونکر رہین گے ؟ تاہم عزیز نے تقلیدی اور رسمی قصیدہ گوئی مین بے شک کامیابی حاصل کی ہے لیکن اگر وہ محسن کاکوروی کو پیشِ نظر رکھتے، تو شاید زیادہ کامیاب ہوتے، کیونکہ محسن کی کامیابی کچھ اس وجہ سے نہین ہے، کہ انھون نے فارسی شعراء کی تقلید کی، بلکہ زیادہ تر ہندوستان کے مناظر قدرت کو تشبیب میں استعمال کیا تھا، جس کی تشبیب و گریز ہمیشہ ایک جدت لئے ہوئے تھا، اور پھر مناسب الفاظ کی رعایت، معنی آفرینی اور واقعات کی صداقت نے اُن کے کلام کو چار چاند لگا دئیے تھے،

(۳) تیسری خصوصیت اُن کا حسن تخیل ہے جس کی تشبیہات و استعارات کی ندرت کسی حالت مین بھی نظر انداز نہین کیجا سکتی، ان کا ایک شعر جو اخبار مدینہ کے سرورق پر ہوتا ہے، ضرور قابلِ ذکر ہے یعنی

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیان
مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش مین

دیکھئے تخیل مین کتنی زبردست لطافت ہے ؟

قمر کے شق ہونے کو دوسری جگہ کہتے ہین :-

قمر جو شق ہوا تھا جنبشِ انگشتِ حضرت سے
اُسی کے ڈر سے ہو کا ہید گی کی اس کو بیماری

اب فوارے کے ابلنے کو دیکھئے :-

ہوئی باطل دے وہمن کی وہ تقویم پارینہ　　خزان کے نام سے آتی ہی فوارے کو ابکائی

سبزہ کے اُگنے، بیلوں کے پھیلنے اور پھولوں کے کھلنے کو کہتے ہیں،

نگارِ سبزہ نے مد زمین پر کروٹین بدلین　　ادھر آغوش مین گلشن کے لی بیلوں نے انگڑائی

جماہی آئی پھولوں کو اُدھر ذکرِ صراحی سی　　اِدھر غنچوں نے شاخوں پر ہر اک پور اپنی چٹکائی

ایک جگہ غنچے کے چٹکنے کو کہتے ہیں :-

دلِ بلبل سے بھی آئی صدا الحمد للہ کی　　قریب آ بجا جس دم کسی غنچہ کو چھینک آئی

جگنو کے چمکنے کو کہتے ہیں :-

حسینوں کو دمِ گلگشت ہی یہ شغل دلچسپی　　قبائے سبز کے دامن مین باندھے جاتے ہین جگنو

ہلالِ عید کے نکلنے کو بیان کرتے ہین :-

کہان ہین جنبشِ ابروے ساقی کے تماشائی　　ہلالِ عید وہ لیتا ہوا نکلا ہے انگڑائی

اور کمان کی انگڑائی کو بھی دیکھئے :-

ہوئے ہین ڈر سے تیری تیغ کے سُست اسقدر خمیے　　کمانین آج تک لیتی ہین رُت جنگ انگڑائی

اسی حسن تخئیل سے اور بھی حُسن تعلیل دیکھئے،

جب اُن کے جسم کا سایہ امیر المومنین خود تھے　　زمین پر کس طرح پھر سایہ پڑتا جسم والا سے

ایک دوسری جگہ کہتے ہین :-

نہ ہوتا انفکاکِ سایہ گر جسم منور سے　　کہان یہ جا درِ مہتاب مین ہوتی ضیاباری

غرض کہ محسن کاکوروی کی طرح اُن کے حُسن تخئیل کی بھی بے شمار مثالین جگہ جگہ نظر آتی ہین، اور جس طرح انھون نے لفظ مدینہ سے معجزۂ شق القمر کا حُسنِ تعلیل پیدا کیا ہے، اُسی طرح مصطفےٰ اور مرتضےٰ کے بیّنات تک اُنہی کی نظر پہنچ سکتی تھی، کہتے ہین :-

اتحادِ باطنی کی ہے یہی بیّن دلیل　　متحد ہین مصطفےٰ و مرتضےٰ کے بیّنات

بیّنات اُس کو کہتے ہین کہ حرف کا جو تلفظ ہو اس مین پہلا حرف چھوڑ کر بقیہ حروف کے اعداد ابجد کے لحاظ سے نکالے جائین، چنانچہ الف جب ادا کرین گے، تو پہلا حرف نکال کر محض ل اور ف کے اعداد جوڑین گے، یعنی اس طرح الف کے ایک سو دس ہوئے، با، تا، ثا، را، زا، وغیرہ کے پہلے حرف کو نکال دینے سے ان حروف کا

عدد ایک ہی ہے، اور سین، شین، عین، غین، کے عدد ساٹھ ہوئے، اسی طرح لفظ مصطفیٰ یا مرتضیٰ کے حروف کے تلفظ مین سے اگر پہلا حرف نکال دیا جائے، تو جو حروف باقی بچین گے، ان کا مجموعہ ۵۰ ہی بچے گا یعنی دونون لفظون مین سے یہی اعداد باقی رہین گے،

(۴) اب ہم عزیز کی چوتھی خصوصیت یعنی تلمیحات و مصطلحات کا مختصر تذکرہ بھی کرین گے، کیونکہ انھون نے اپنے قصائد کو شاندار بنانے کے لئے ان چیزون سے بھی کافی کام لیا ہے، کہتے ہین،

فَاْتُوا بِسُوْرَةٍ کا جب اشتہار نکلا | عاجز ہوئے ادب کے دریا بہانے والے
آخر لبید نے بھی کی ترک بُت پرستی | حیران تھے شاعری کے جھنڈے اڑانے والے

پہلے شعر مین سورۃ البقرہ کی تیئسوین آیت کی طرف اشارہ ہے جس مین تمام دنیا کو ہمیشہ کیلئے خدا کی طرف سے چیلنج ہے، کہ اگر تم کو اُس (قرآن) پر شک ہے، جو ہم نے اپنے بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا، تو بنا لاؤ اس جیسی کوئی سورۃ، ...... الخ

دوسرے شعر مین عرب کے مشہور شاعر لبید کی طرف اشارہ ہے جو بعد مین مسلمان ہو گئے تھے، یہ وہی شاعر ہین جن کے اس مصرع کی تعریف جیسا کہ بخاری شریف مین ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی

اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَّا خَلَا اللّٰہ باطل

حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ کہ ہے باطل ہے

ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق مَازَاغَ البصرُ وَمَا طَغیٰ کا اشارہ کیا ہے

لگا کے کحل مازاغ البصر چشم بصیرت مین | اگر ہو دیکھنا خلوت سرای عشق کا نظر

اسی طرح ان اشعار مین بھی اس قسم کی تلمیحات ہین :-

عزیز ہاتھ اٹھا پیشِ خالقِ ذوالمن | چلی ہی آتی ہے پیہم صدائے اُدْعُوْنِی
گر یزید ستم آرا سے یہ کرتے بیعت | صبغۃ اللہ کی بنیاد نہ قائم رہتی
کون ازل سے تھا رجز خوان حرمتِ اجداد کا | مَنْ لَّہٗ جَدٌّ کَجَدِّی فی الوریٰ کس نے کہا

غرض کہ اس طرح کی تلمیحات بہت جگہ ہین، اور دیگر شاندار الفاظ و مصطلحات بھی صفحات ۷-۲۷-۵۵-۵۶-۶۰-۶۱،۶۲،۱۰۲-۱۶۱-۱۶۳-۱۹۹-۳۲۰- وغیرہ پر ملتے ہین، جن کو طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے،

(۵) پانچوین بات جو ان کے بیان ہے، وہ اُن کے عقائد کی تشریح ہے، ایک جگہ ذرا صاف کہہ گئے ہین،

کسی کو برتری نہین ہو شوہر بتولؓ سے | تفوق آپ دیتے ہین بھلا یکن اصول کر
علیؓ کا نسبتہً شرف صحابہ رسولؐ سے | جو اس کو مناسبت ہو جس طرح عقول کر

حواس بھی ہمیشہ جو معطل اپنے کار مین

ایک شاعر کو اس قسم کی چوٹ کرنے کی ضرورت نہین تھی، کیونکہ اُس کا کلام کسی ایک فرقے کے لئے نہین ہوتا، اور خصوصاً اس زمانے مین اس قسم کے طنز سے اور زیادہ احتراز کرنا چاہئے جب کہ غیر تو مین جن مین اتحاد کا سبق ہی مفقود تھا متحد ہو رہی ہین، اور پھر بھی ہم کو شرم نہین آتی، لیکن ایسے ایک دو موقعون (۸۸-۱۴۴) کے علاوہ جہان کہین بھی عزیز نے اپنے مخصوص عقائد کا اظہار کیا ہے، وہ شاعرانہ انداز کی وجہ سے ایسا چھپا ہوا ہے، کہ جن لوگون کو اُن کے عقائد سے تعلق نہین ہے، وہ بھی متاثر ہوتے ہین، مثلاً دیکھئے "خلق" کے پردہ مین کس خوبی سے کہا ہے :-

خلیق ایسے کہ سب اصحاب کو بھا سمجھتے تھے | ٹپکتی ہے محبت فقرۂ سلمان منّا سے

ایک جگہ "آفرینش" کی ازلی یا نسلی نسبت کے متعلق کہتے ہین، :-

حدیثِ آفرینش میری کچھ معلوم ہو تجھ کو | ہم اک نور سے پیدا ہوا مین اور مرا بھائی

ان کے مختلف عقائد کی طرف اشارہ صفحات ۱۵-۳۰-۸۸-۸۹-۹۵-۱۶۶- وغیرہ مین بھی ملتا ہے لیکن اکثر جگہ شاعرانہ لطافت کی وجہ سے بڑی خوبی سے کہہ کر گذر جاتے ہین، اور یہ اُن کی ذہانت کی دلیل ہے،

یہان تک ان کی خصوصیات شعری ختم ہوئین، اب ہم مختصر الفاظ مین تصویر کا دوسرا رُخ بھی دکھانا چاہتے ہین لیکن اس وجہ سے نہین کہ

ع ہنر اس دور مین ہے عیب بینی (مقدمہ)

بلکہ اس وجہ سے کہ

ع گردشین باقی نہ رکھین پھر زمانہ کے لئے

عزیز نے ایک جگہ کہا ہے :-

ع گروہ انبیاء ہو یا ملائکہ کا اژدہام

اس مین آخر لفظ زائے فارسی اور ہائے ہوز کے ساتھ ہے، لیکن یہ غلط ہے اصل لفظ عربی ہے اور ازدحام ہی صحیح ہے،

ہمارے یہان بعض الفاظ ایسے بھی ہین، جو اصل مین جمع ہین لیکن واحد ہی مستعمل ہین، مثلاً احوال جو فارسی مین تو خیر، اردو مین بھی وَلی کے زمانہ سے اب تک اکثر واحد ہی مستعمل ہے، اسی طرح اولاد بھی ہے یعنی واحد مونث، جیسا کہ عزیز نے اُسے اُردو جمع مین استعمال کیا ہے :-

ع عبا مین لے کے اپنی پاک اولادون کو یک دن

لیکن اعمال جو ہمیشہ جمع ہے، اس کی جمع الجمع اردو مین بنانے کی ضرورت نہین تھی، عزیز کہتے ہین :-

ع سیاہا اپنے اعمالون کا بھی تو نے کبھی دیکھا

ایک جگہ "تم" بھی ہے اور "فرمائیے" بھی ہے، یہ بات نسیم کے عہد تک ضرور تھی، لیکن اب لکھنو مین نہین ہے اور نہ ہونا چاہئے، عزیز کہتے ہین :-

مین نے کہا یہ وصل تو ثابت ہو مری جان
کیا بھول گئے تم شب معراج کے حالات

فرمایا کہ ابر و تھے وہان بھی تو کشیدہ
تھے دونون کمانون مین جدائی کے اشارات

مین نے کہا فرمائیے خلوت مین ہوا کیا
فرمایا یہ ہین راز نہ کر ایسے سوالات

اور اسی مین یہ بھی ہے کہ

ع یہ تو مجھے تبلایئے اے قبلۂ حاجات

عموماً بھائی کو قوتِ بازو کہا جاتا ہے، لیکن عزیز نے بیٹے کے لئے استعمال کیا ہے :-

ید اللہ سا ہے شوہر اور محمد سا پدر جس کا
ملے ہین شبر و شبیر سے دو قوتِ بازو

لیکن آگے چل کر صحیح فرمایا ہے کہ

ع یہی وہ صابرہ ہے جس کا زخمی کر دیا پہلو

اسی طرح ہندی لفظ سوارت جو بروزن فعلن ہے، عزیز نے فعولن کے وزن مین استعمال کیا ہے

ع بہت جلد اب سوارت میری محنت ہونے والی ہو

اور یہ اجتہاد واقعی ضروری ہے، اور اردو مین یونہی چاہئے، کیونکہ ہندی کا مرکب ہمارے یہان ابتدا مین نہین

آنا، ابنۃ "مِی" سے مل کر ضرور آتا ہے، جیسے "کیا" "دھیان" "جیونی" وغیرہ، اور فارسی کا کبھی آجاتا ہے، مثلاً خواہش "خواجہ" وغیرہ،

حضرت عزیز نے عام مروجہ استعمال کے خلاف ذرا سے ذری دو جگہ ص ۵۹، پر استعمال کیا ہے جو صحیح ضرور ہے لیکن اب اس کا متروک ہی ہونا بہتر ہے، اور کہین کہین انھون نے امیر مینائی کی طرح دہلوی زبان بھی استعمال کی ہے، مثلاً

دکھائی تھی مجھے قوت عزیز مدح گستر کی

اسی سلسلے مین ایک بات اور کہنا چاہتا ہون جو مجھے بھی کھٹکتی ہے، پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کہ عزیز نے نئے نئے موضوعات بھی تلاش کئے ہین، جن مین سے ایک "عروسی فاطمہ" بھی ہے، اس مین کچھ اشعار ایسے بھی ہین، :-

مرادِ معنوی نورٌ علیٰ نور آئی دنیا مین   کہ ہون گے آج کی شب نور کے دو چشمے ہم بستر

صدا آئی عزیز بادہ کش کیون اتنا حیران ہے   مری آغوش مین ہے تیرا ساقی دیکھ لے آکر

اس قسم کی شاعری کے لئے جامی (یوسف وزلیخا) وغیرہ سے جواز کا فتویٰ نکالنا کم از کم میری نظر مین بیجا ہے، اور جب عقیدہ ہمارا یہ ہو کہ ایسی پاک ہستیون پر ہماری مان بہنین بھی قربان ہون، تو اس وقت ایسے اشعار کا لکھنا تو بالکل نازیبا ہے، بہرحال عزیز کی اعلیٰ شعریت کے بیان کے ساتھ ان باتون کا تذکرہ تنقیص و تعریض کے لئے نہین ہے، بلکہ اس لئے کہ

ع نظمِ رنگینِ عزیز نکتہ پرور دیکھئے

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے،

قیمت :- عمر

مینیجر

ابو الوفاء البوزجانی الحاسب

چوتھی صدی کا ایک بہت بڑا ریاضی دان اور فلکی

از

جناب حافظ محمد شریف خان تھانوی

اس مین شک نہین کہ قدیم علمائے عرب یعنی ہمارے سلف صالحین کے مآثر کا پتہ لگانے اور ان کے علمی کارنامون پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ مین مغربی مصنفین نے مختلف شعبون مین جو تحقیقاتی کاوشین کی ہین، ان سے بہت سے جلیل القدر علمائے اسلام کے حالات اور ان کے یگانۂ روزگار کمالات علمی سے دنیا بڑی حد تک روشناس ہوئی، اور وہ مصنفین ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، جنھون نے وہ کام انجام دیا، جو ہر حیثیت سے ہمارے انجام دینے کا تھا، لیکن ابھی آسمان علم کے بہت سے درخشندہ ستارے جنھون نے اپنے زمانہ مین اپنی ضیا پاشیون سے دنیا کو منور کیا تھا، اور یونان وہندوستان کے مردہ علوم مین جان ڈالی تھی، ایسے باقی رہ گئے ہین جن کا شایان شان تذکرہ نہین کیا گیا، اور ان کے علمی کمالات و اختراعی خدمات کا بڑا حصہ پردۂ خفا مین ہے، اور دنیا کو ان کے متعلق بہت کم واقفیت ہے، ہمارے سامنے تاریخ ریاضیات کے جو ماخذ ہین، وہ اتنے مختصر ہین کہ کوئی تفصیلی خاکہ ہمارے سامنے پیش نہیں کر سکتے، اور ایک تشنۂ تحقیق کی پیاس پوری طرح نہین بجھا سکتے، ریاضیات مین مغربی علماء کی تحقیق کا قدم جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے اسی قدر ان کو قدیم مسلمان فضلاء کی فضیلت علمی اور ریاضی کے بہت سے نظریات مین ان کی فضیلت اور پیشروی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہوتا ہے، کہ آج ریاضی کے وہ بہت سے نظریے جن کی ایجاد مغربی علماء نے اپنی جانب منسوب کر لی ہے، دراصل انہی بزرگون کی دماغی کاوشون کے نتائج ہین، چنانچہ فرما (Fermat) کا وہ نظریہ جو اس نے اپنے نام سے موسوم کیا ہے،[1] ان سے بہت پہلے عربون

۱؎ مجلۃ الکلیۃ الامیرکیۃ مئی ۱۹۲۳ء ص ۲۶۹،

نے معلوم کر لیا تھا، جس طرح کہ بعض معادلات درجۂ ثالث کا حل (Descartes) اور (Thomas Baker) سے پہلے ان کو معلوم تھا[۱] لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بعض انگریز مولفین جنھون نے اپنی تصانیف کو یا عربی سے نقل کیا ہے، یا عربی ماخذون سے کتابین تصنیف کی ہین، وہ ان مصادر کا ذکر تک نہین کرتے اس طرح گویا دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہین، کہ یہ نظریے تمام تر ان کے ذاتی استنباطات ہین، چنانچہ فلیونارود (Leonardo of Pisa) نے جبر و ہندسہ مین جو کتابین تالیف کی ہین، جدید تحقیقات سے معلوم ہوا، کہ وہ زیادہ تر عربی تصانیف سے ماخوذ ہین، چنانچہ کارپنسکی (Karpinski) نے ثابت کیا ہے، کہ (Leonard) نے بہت کچھ ابو کامل کے کتاب جبر سے لیا ہے،[۲] اسی طرح اور بہت سے انگریز مصنفین کی تصانیف جنھون نے چودہوین صدی کے وسط مین کتابین لکھی ہین، اکثر عربی تالیفات سے ماخوذ ہین، جان ملر (John Muller) جو (Regiomantanus) کے نام سے مشہور ہے، اور پہلا شخص ہے جس نے پندرہوین صدی کے وسط مین علم المثلثات کو مرتب طریقہ سے یورپ مین پیش کیا، ریاضیات مین اس کی کئی کتابین ہین، ان سب سے اہم کتاب المثلثات (De Triangulis) ہے یہ کتاب پانچ بڑے ابواب پر منقسم ہے، ابتدائی چار ابواب مین مثلثات مستویہ سے بحث کی گئی ہے، اور پانچوین مین مثلثات کرویہ کا بیان ہے، اس آخری باب مین جان صاحب نے جن اصولون کا اتباع کیا ہے، وہ بعینہ وہی اصول ہین، جن کا اتباع کم وبیش پانچ صدی پیشتر یعنی چوتھی صدی ہجری مین عرب علما، اسی فن اور اسی موضوع مین کرتے تھے،[۳] اسی طرح علم المثلثات مین اور بہت سے ایسے امور ہین، جو غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہین، اور جن کے موجد درحقیقت عرب ہین،[۴] چوتھی صدی ہجری کے ریاضیاتی علوم کے شہرۂ آفاق علما مین سے ایک بزرگ محمد بن محمد بن یحییٰ بن اسماعیل بن العباس ابو الوفا البوزجانی الحاسب تھے، یہ بوزجان مین جو ہراۃ اور نیشاپور کے درمیان ایک چھوٹا قصبہ تھا،[۵] ۳۲۸ھ مطابق ۹۴۰ء مین پیدا ہوئے تھے، عددیات اور حسابیات کی تعلیم انھون نے اپنے چچا ابی عمرو المغازلی اور اپنے خالو ابو عبد اللہ محمد سے حاصل کی تھی، ابو عمرو نے علم ہندسہ ابو یحییٰ الماوردی اور ابی العلا ابن کرنیب سے حاصل کیا تھا،[۶] ابو الوفا بیس برس کی عمر مین بغداد گئے، جو اس زمانہ مین علم و فضل

---

[۱] کاجوری تاریخ ریاضیات ۱۹۲۴ء ص ۱۰۵، [۲] ایضاً ص ۱۲۱، [۳] ایضاً ص ۱۲۸، [۴] آثار باقیہ صالح زکی جلد اول ۱۹۱۳ء ص ۱۵۴، [۵] کاجوری ص ۱۰۶، [۶] معجم البلدان جلد ۲ ص ۳۰۲، [۵] فہرست ابن ندیم مطبوعہ ۱۳۴۸ھ صفحہ ۳۹۴،

کا سب سے بڑا مرکز تھا اس کی اکثر تالیفات یہیں لکھی گئیں، تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، قاموس الاعلام سے معلوم ہوتا ہے، کہ بوزجان میں ۳۷۶ھ میں وفات پائی، اور آثار باقیہ میں ہے کہ ان کا انتقال بغداد میں ۳۸۸ھ میں ہوا، ابن القفطی نے اخبار العلماء باخبار الحکماء میں دوسرے قول کو معتمد علیہ کہا ہے[1] اور دوسرے بیانات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن ابن خلکان نے پہلے قول کو صحیح کہا ہے[2] مگر مقام وفات کا ذکر نہیں کیا ہے، خیر الدین الزرکلی کی کتاب الاعلام میں بھی پہلی روایت مذکور ہے[3] امریکی مصنفین ۳۸۸ھ ہی کو ترجیح دیتے ہیں،

ابو الوفاء اپنے زمانہ کے مشہور ترین علماء فلکیات میں تھے، ان دونوں فنون میں ان کی بہت بلند پایہ اور نادر تصانیف ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کریں گے، اور جو زیادہ اہم ہیں، ان پر کسی قدر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے، اکثر مغربی علماء نے اعتراف کیا ہے، کہ ابو الوفاء ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے علم ہندسہ میں کمال حاصل کیا، اور اس میں بہت سے ایسے استخراجات کئے، جو بالکلیہ انہی کے ہیں، استخراج اوتار میں ان کی ایک نہایت نفیس اور نافع تصنیف ہے[4] ابو الوفاء کی زندگی کا اکثر حصہ بغداد میں جو اس زمانہ میں علماء و فضلاء کا مرکز اور حکمت و فلسفہ کا گہوارہ تھا تالیف و تصنیف، درس و تدریس اور فلکی و ریاضی تحقیقات میں گذرا، شرف الدولہ دیلمی نے اپنے محل میں ۳۷۷ھ میں جو رصدگاہ قائم کی تھی، اس کے ایک رکن ابو الوفاء بھی تھے،[5] ان کو مبادی علم المثلثات کا بہت شوق تھا، اس لئے اس کی طرف انھوں نے خاص توجہ کی، اور اس فن میں ان کے بہت سے اکتشافات اور دقیق مباحث ہیں جن کا اعتراف ان کے ہم عصروں کے علاوہ انگریز علماء نے بھی کیا ہے[6] ابو الوفاء ہی پہلا شخص ہے جس نے نسب مثلثی اعداد میں مماس (ٹینجنٹ Tangent) کو داخل کیا[7] مشہور مورخ و منجم ابو ریحان بیرونی لکھتا ہے کہ جو شکل ظلی یا مماس کہلاتی ہے، اس کی ایجاد کا سہرا بلا شرکت غیرے ابو الوفاء کے سر ہے[8]، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مثلثات (TRIANGLES) اور زاویا (ANGLES) کو ناپنے کے لئے مماسات اور قواطع وغیرہ کا استعمال کیا وہ ابو الوفاء ہی ہے، ایک انگریز عالم کا قول ہے کہ تمام نسب مثلثیہ اور مماس اور اس کی نظیر کے عمل جداول ریاضیہ میں ابو الوفاء نے داخل کئے،[9] اس نے جیب کے

---

[1] اخبار الحکماء مطبوعہ ۱۳۲۶ھ ص ۸۹ [2] ابن خلکان جلد ۲ ص ۷۱ [3] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۲ و کاجوری ص ۱۰۵
[4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مادہ مثلثات [5] آثار باقیہ جلد اول ص ۴۵ [6] بول مختصر تاریخ ریاضیات ص ۱۵۵،

جداول ریاضیہ کے عمل کا طریقہ اختراع کیا اور اس کے لئے ایک ایسی نفیس ایجاد کی تھی، جس سے زاویہ جیب نصف درجہ سے سات اعشاریہ تک کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا تھا[1]، اس نام (Geometrical Construction) کا اس کا ایک مقالہ بھی ہے[2] جس کا اصل عربی نام معلوم نہ ہو سکا، لیکن اس کے معنی ہین ترتیب یا بناے ہندسی اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ عرب پہلی وہ قوم ہے جس نے سطح کرہ پہ رسم (نقش یعنی عمل ریاضی) معلوم کیا تھا، انھون نے اس فن مین کمال حاصل کیا، اور اس کو بہت ترقی دی، اس بارے مین علماے مغرب کی رائین مختلف ہین، کہ چاند کی حرکت مین بعض انواع خلل کا اکتشاف تیخو براہی (Tycho Brahe) نے کیا یا ابوالوفا نے[3] لیکن جدید تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ یہ اکتشاف ابوالوفا ہی نے کیا تھا[4]، اسی طرح انھون نے معادلات درجہ چہارم کو بھی نہین چھوڑا، کیونکہ اس کا ہندسی حل یہ ہے، المعادلتین: $س^4 = ا^2$، $س^4 + ا^2 س = ب$ عنہ. دسوین صدی کے وسط مین ابوالوفا نے حساب مین ایک کتاب لکھی، جس مین انھون نے اعداد ہندسی کے بجاے ان کو حروف مین لکھا ہے[5]، یہ جدت اس زمانہ مین سواے کرخی کے اور کسی کے یہان نہین ملتی، کانتور (Cantor) نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس زمانہ مین دو مختلف اسکول تھے، ایک مین ہندی طریقہ کا اتباع کیا جاتا تھا، اور دوسرے مین یونانی کا یعنی اعداد لکھے جاتے تھے، ابوالوفا اور کرخی یونانی طریقہ کا اتباع کرتے تھے[6]،

ابوالوفا کی بعض کتابین

ابوالوفا نے فن حساب مین ایک ایسی کتاب بھی لکھی جس کی عمال اور کاتبون کو ضرورت ہوتی ہے، جو المنازل فی الحساب کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب سات منازل پر مشتمل تھی[7]، اور ہر منزل مین سات ابواب تھے، منزل اول نسبت مین تھی، منزل دوم ضرب و تقسیم مین، منزل سوم اعمال مساحات مین، منزل چہارم اعمال خراج مین منزل پنجم اعمال مقاسات مین منزل ششم حروف مین، اور منزل ہفتم معاملات تجارتین[8] اس کتاب کو مولف کے عہد مین اور ان کے بعد بھی عرصہ تک مالی امور مین اساسی حیثیت حاصل رہی، ایک کتاب الجبر مین دیوفنتس (Deophantus) کی کتاب کی تفسیر مین لکھی[9]، ایک اور تالیف تفسیر کتاب ابرخس نامی تھی،

صاحب آثار باقیہ اس تفسیر کے سلسلہ مین لکھتے ہین کہ اصلی کتاب کے مصنف کے نام کے بارہ مین اختلاف ہے

---

[1] کاجوری ص ۱۰۴ [2] ایضاً [3] فاندیک علم الہیئۃ ص ۱۳ [4] کاجوری ص ۱۰۵ [5] ایضاً قدیم اڈیشن ص ۱۰۷ [6] ایضاً [7] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۳ [8] فہرست ابن ندیم ص ۳۹۳ [9] کاجوری ص ۱۰۵،

فہرست العلوم کے بعض نسخون مین ابرخس بصورت ابوحسن لکھا ہوا ہے، تاریخ الحکما کے بعض نسخون مین ابویحییٰ یا ابن یحییٰ مرقوم ہے، فہرست العلوم مین اس کتاب کا ذکر اس مقام پر ہے جہان ابرخس سے بحث ہے، ان کی ایک اور قلمی یادگار کتاب التعریفات کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب ترجمہ ہے، ابوالوفا نے اس کی تصحیح اور بعض ہندسی براہین سے اس کی شرح کی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ کتاب ابرخس کی کتاب کی تفسیر ہو، تاریخ الحکما مین ابرخس کے بجائے ابویحییٰ کا جو نام مذکور ہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ ابویحییٰ الماوردی ہون گے، جو حساب اور ہندسہ مین ابوالوفا کے استاذ الاستاذ تھے تاہم اس کا قطعی فیصلہ مشکل ہے[1]، فہرست ابن ندیم مین اس کا بیان ابرخس کے نام کے تحت مین ہے، ایک کتاب صناعۃ الجبر تھی، جو حدود کے نام سے مشہور ہوئی، یہ کتاب بھی ابرخس کی ہے، ابوالوفا نے اس کی تصحیح اور ترجمہ کیا، اور ہندسی براہین سے اس کی شرح بھی کی تھی[2]، ایک کتاب اعمال ہندسہ مین تھی، جس کی صناعون کو عام طور پر ضرورت پیش آتی ہے، یہ کتاب انھون نے بہاء الدولہ کے حکم سے ۳۸۰ھ اور ۳۸۸ھ کے درمیان مین تصنیف کی تھی، اس مین براہین ریاضیہ نہین تھے، یہ اب تک استنبول مین جامع ابا صوفیہ کے کتب خانہ مین محفوظ ہے[3]، ابوالوفا کی اور بھی متعدد مؤلفات ہین، جن مین سے بعض کتابون کے نام فہرست ابن ندیم مین مذکور ہین، مثلاً خوارزمی کی کتاب کی تفسیر جبر و مقابلہ مین، کتاب الارتماطیقی کے سمجھنے کے لئے اس کے مبادیات پر ایک رسالہ کتاب المدخل الی الارتماطیقی لکھا، دیوفنطس جز (Deophantus) نے اپنی کتاب مین جو قضایا استعمال کئے ہین اس کی تشریح مین کتاب البراہین لکھی، کتاب معرفۃ الدائرۃ من الفلک، کتاب الکامل، یہ تین مقالات کا مجموعہ ہے، مقالہ اول مین ان امور سے بحث ہے جن کا جاننا حرکات کواکب سے پہلے ضروری ہے، مقالۂ دوم حرکات کواکب پر ہے، اور مقالہ سوم ان امور مین ہے جو حرکات کواکب کو عارض ہوتے ہین، ایک کتاب استخراج ضلع المکعب بمال مال ہے، اس کے علاوہ اور کتابین بھی ہین، جو اخبار الحکما، اور آثار باقیہ مین مذکور ہین، مثلاً کتاب العمل بالجدول الستینی، کتاب استخراج الاوتار، کتاب الزیج الشامل اور کتاب المجسطی، یہ آخری کتاب ان کی سب سے مشہور کتاب ہے، اور گمان غالب ہے کہ ۳۷۰ھ کے بعد لکھی گئی ہے[4]، "ماخوذ"

---

[1] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۳ [2] فہرست ابن ندیم ص ۲۷۶ [3] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۴، [4] آثار باقیہ ص ۱۶۵؛

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب علیگ رفیق دار المصنفین

(۵)

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، حسب ذیل ہیں :-

(۱) فوائد الفواد (۲) افضل الفوائد (۳) راحت المحبین،

اول الذکر کو خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا ہے، جو شیخ المشائخؒ کے محبوب خلفاء میں تھے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ حضرت شیخ بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگان دین کی فاتحہ خوانی کیلئے پہونچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سجزی اپنے دوستوں کے ساتھ رندی اور شراب نوشی میں مشغول ہیں، خواجہ حسن بچپن میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ بدایون میں رہ چکے تھے، بچپن کی صحبت یاد آگئی، چنانچہ محبوب الٰہیؒ کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے،

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم ... گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست

زہد تان این فسق ما را کم نکرد ... فسق ما محکم تر از زہد شماست

محبوب الٰہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت ان کا دل جاری ہوگیا، قدموں پر گر پڑے، اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہو کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہوگئے، اس وقت ان کی عمر تہتر سال

کی تھی[۵۱] مرشد کی صحبت مین برابر رہنے لگے، اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ مین جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہین ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے، کہ

"اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتین، اور ان کے بدلے مین کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا"[۵۲]

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے، کہ

"درین ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است"[۵۳]

عہدِ ہمایون کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے:

"کتاب فوائد الفواد مین خواجہ حسن نے ایسے اعلیٰ درجہ کے مضامین کی تصنیف کی جو کہ خضر راہ اہلِ سلوک اور مونس اہل اللہ تصور کی جاتی ہے"۔

فرشتہ رقم طراز ہے:۔

کتاب فوائد الفواد ..... بشرف قبول و تحسین سرفراز گشت[۵۴]"

مرأة الاسرار کے مولف مولانا عبد الرحمٰن چشتی لکھتے ہین:۔

"امروز آن فوائد الفواد مقبول اہلِ دلان عالم شدہ است و دستور عاشقان گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ"

بعد کے تذکرہ نگارون مین خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"کتاب فوائد الفواد از ملفوظات حضرت شیخ تالیف کردہ دی (خواجہ حسن) است و بغایت مقبول افتادہ"[۵۵]

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفوائد کے نام سے مرتب کئے ہین[۵۶]، مگر اس کو

---

[۵۱] سیر العارفین ص ۱۵۳ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ [۵۲] ایضاً فرشتہ کے الفاظ یہ ہین، امیر خسرو بران رشک بردہ گفت کاش تشریف قبول و تحسین آن نسخہ و تصنیف آن بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی [۵۳] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۶ [۵۴] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ [۵۵] خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۳۳۱ [۵۶] برٹش میوزیم کیٹیلاگ جلد سوم ص ۱۵۱۰

وہ مقبولیت حاصل نہین ہوئی، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات مین محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات مین ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے جس مین ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک کے ملفوظات درج کئے ہین[۵]، یہ دونون کتابین میری نظر سے نہین گذری ہین، انفضل الفوائد کے اقتباسات بعض تذکرون مین پائے جاتے ہین، چنانچہ ہم ان اقتباسات اور فوائد الفواد کو پیش نظر رکھ کر محبوب الٰہیؒ کی تعلیمات کو ہدیہ ناظرین کرتے ہین :-

ان ملفوظات مین ایک سالک کو توبہ، استقامتِ توبہ، ایمان، استغراق نماز، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولیٔ حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری، اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہین، جو چشتیہ سلسلہ کے پیشرو مشائخ نے دی تھی، جن کا ذکر گذشتہ مضامین مین آچکا ہے، کچھ مزید مثالین ملاحظہ ہون[۲] :-

محبوب الٰہیؒ نے راہ سلوک کے رہروون کی تین قسمین بتائی ہین (۱) سالک (۲) واقف (۳) راجع، اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہین، اور جن کو طاعت و عبادت مین وقفہ حاصل ہو، وہ واقف ہین، اور جو وقفہ مین پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کرین وہ راجع ہین، (صفحہ ۱۶)

اس راہ مین مندرجۂ ذیل لغزشین ہین (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید (۵) سلب قدیم (۶) تسلی (۷) عداوت،

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے جو معشوق کیلئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے اسکو اعراض کہتے ہین، عاشق کو چاہئے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے، اور جب اس کی معذرت قبول نہین ہوتی تو دونون کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے، اس حجاب کو دور کرنے کے لئے عاشق خضوع و خشوع کے ساتھ توبہ کرے، اور اگر توبہ قبول نہین ہوتی ہے، تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہین ہوتا، تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کر لیا جاتا ہے اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے، اور معشوق عاشق کے دل مین جدائی کی

---

۵ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم ص ۹۷۲ ۲ آیندہ سطور مین جہان توسین مین صفحات کے حوالے ہین، وہ فوائد الفواد کے صفحے ہین، اور جن سطور کے ساتھ صفحے کے حوالے نہین لکھے جا سکے ہین، وہ افضل الفوائد کے اقتباسات ہین جو اخبار الصالحین مرتبہ عالی جناب نواب معشوق یار جنگ بہادر کے ص ۴۰۸-۴۰۰ سے لئے گئے ہین،

تمام صورتین پیدا کر دیتا ہے، جس کو تسلی کہتے ہین، اس سے عاشق اعمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور اس کی محبت عبادت مین منتقل ہو جاتی ہے (ص۱۷)

سالک کو ہر خطرہ کے حال مین خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویان ہونا چاہئے، اس کا نام عزمیت ہے، پھر اس عزمیت کو عمل مین منتقل کر دینا چاہئے، (ص۱۸) جب سالک عبادت و ریاضت کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے، لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے، اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے (ص ۲۸-۲۷) اس کے بعد وہ مجاہدہ و ریاضت مین ذوق وشوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یادِ حق کے سوا ہر چیز اس راہ مین مانع ہو جاتی ہے (ص۱۹)

اس راہ مین عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت مین یکسان رہکر معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو، اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمین ہین، ایک محبتِ ذات، دوسری محبتِ صفات، اول الذکر موہبت الٰہی ہے، اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، موہبتِ الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہین، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے قلب کو فارغ کرکے اس کو ذکرِ دوام مین مصروف رکھنا چاہئے، فراغِ قلب کو روکنے والی چار چیزین ہین (۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس اور (۴) شیطان، مگر دفع خلق کے لئے عزلت، دفع دنیا کے لئے قناعت اور دفع نفس و شیطان کے لئے اللہ جل شانہٗ سے التجا، فریاد اور گریہ و زاری ہو تو فراغتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے،

درویش اہلِ عشق ہوتے ہین، اور علما اہلِ عقل، جب تک اللہ جل شانہٗ کی محبت قلب کے غلاف مین ہوتی ہے، گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح مین آجاتی ہے، تو پھر گناہ صادر نہین ہوتا، اہلِ محبت کے دل مین نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے، تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہین اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے، تو سجدۂ سہو بجا لاتے ہین،

اس راہ مین صبر، رضا اور توکل لازمی چیزین ہین، بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے، بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقۃً ایسا نہین، مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤن مین کانٹا چبھ جاتا ہے، تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ مین مشغول ہوتا ہے، تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہین

ہوتا، (ص ۵۳) توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے حال کا عالم و دانا سمجھ کر اس سے سوال کرے، دوسرا توکل بچوں کا ہے، کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے، لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے، تیسرا توکل مردوں کا ہے، کہ وہ اپنے غسال کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں، محبوب الٰہیؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے، (ص ۵۴) فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے، جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو، اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو (ص ۱۰۱) جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے تو وہ کاذب ہے، (ص ۵۰) عارف کے ستر مقام ہیں، ان میں سب سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے، اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے تو وہ بدترین آدمی ہے، (ص ۲۱۶)

ایک سالک کی یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے :-

(۱) وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو اگر اس کو نیند آجائے، تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرلے (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے (۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو،

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے (۱) دنیا خصوصاً صحبتِ اغنیا (۲) ماسوائے اللہ کا تذکرہ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (۴) دل کا میل، یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو، ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ

سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو (ص ۲۵) اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے (ص ۷، ۵، ۱۳۹، ۲۰۵) گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے، مگر طاعت سے ہزار مرتبہ یعنی جس طاعت میں ریا کا میل ہو، وہ گناہ سے بھی بدتر ہے،

محبوب الٰہیؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہیں، کہ مرد میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے (۱) کم کھانا (۲) کم بولنا (۳) کم سونا، اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا، مخالطتِ خلق سے پرہیز کی تاکید جابجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم دی فرمایا

کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک و تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق مین ہے اور مغرب مین ایک مومن کے پاؤن مین کانٹا چبھے، تو اس کو یہان درد محسوس ہو،

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہونچے، تو اس کے دل سے کسی حال مین بھی بد دعا نہ نکلے، درویش کو پردہ پوش ہونا چاہئے، پردہ پوشی تمام عبادتون مین افضل ہے،

ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ مین فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری مین اس کی عیادت کرو، مصیبت مین غمخواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے، تو اس کے میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو،

شریعت کی پابندی ہر حال مین ضروری بتائی ہے خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید کی ہے فرمایا کہ

"اگر دو کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت نباشد اما ثواب جماعت باشد، آن دو تن را باید کہ برابر ایستند" (ص ۱۰۶)

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کیلئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز مین شرکت نہیں کرتا، تو اس کے دل مین ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر دو جمعہ نانہ کرتا ہے، تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہین، اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے (ص ۲۳۱)

کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ

"کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے ردی راستی گدائے بیچارہ می باید بود"

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوائی دجلہ کے کنارے پہونچے، تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا مین جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابوالحسن نوائی نے ماہی گیر کو مخاطب کرکے فرمایا، کہ اگر مین صاحب ولایت و کرامت ہون گا، تو تمھارے جال مین میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی، اور یہ مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی، نہ کم ہوگی، نہ زیادہ، ان کے ارشاد کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہ کو ملی، تو انھون نے فرمایا کہ کاش اس جال مین ایک مار سیاہ پھنستا، اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا، کہ وہ ہلاک ہو جاتے، لوگون نے پوچھا کہ آپ ایسا کیون

فرماتے ہین ، جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا، تو وہ شہید ہو جاتے لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے، تو ان کو یہ دیکھنا پڑے گا، کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا، (ص ۱۷۳)

سلسلۂ چشتیہ مین سماع جائز ہے، فوائد الفواد مین کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ سماع ایک صوت موزون ہے، اس لئے حرام نہین، اس سے تحریک قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کے لئے ہے تو مستحب ہے لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے، (ص ۲۴۶)

سماع سے تین سعادتین حاصل ہوتی ہین :-

(۱) انوار،

(۲) احوال،

(۳) آثار،

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہین :-

(۱) ملک،

(۲) جبروت،

(۳) ملکوت،

اور تین چیزون پر نازل ہوتی ہین،

(۱) ارواح،

(۲) قلوب،

(۳) جوارح،

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہین، انوار، پھر احوال اور آخر مین آثار ظاہر ہوتے ہین، آثار کے نزول سے جسم مین حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے، (صفحہ ۳۶) ہو فقۃً جنبش اور ہیجان پیدا کرنے والی سماع کو ہاجم کہتے ہین، لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا کسی ایسی چیز کی طرف محمول کرے، جو اس کے دل مین پیدا ہو تو وہ غیر ہاجم ہے، (ص ۱۱۴)

سماع کے لئے حسبِ ذیل شرطین لازمی ہین :-

(۱) مسمع یعنی سُنانے والا، مرد ہو، لڑکا اور عورت نہ ہو،

(۲) مسموع یعنی جو چیز سُنی جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو،

(۳) مستمع یعنی جو سنے وہ صرف خدا کے لئے سنے،

(۴) آلاتِ سماع مثلاً چنگ، رباب، اور دوسرے مزامیر نہ ہون، (ص ۲۲۶) محفل سماع مین عورتین نہ ہون، (ص ۹۵)

ایک مجلس مین مریدون نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر وقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے، محبوب الٰہی نے فرمایا، کہ جو چیز حرام ہے، وہ کسی کے کہنے سے حلال نہین ہو سکتی، اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہین ہو سکتی، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہان سماع دف اور چغانہ ساتھ جائز ہے لیکن ہمارے علماء (احناف) اس کے خلاف ہین، لیکن اب اس اختلاف مین حاکم وقت کا جو حکم ہوگا، وہی صحیح ہوگا، مریدوں میں سے ایک نے گذارش کی، کہ آج کل بعض خانقاہون مین درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفلِ سماع مین رقص کرتے ہین، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، کہ وہ اچھا نہین کرتے، کیونکہ جو فعل نامشروع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے، ایک مرید نے عرض کی، کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہین اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل مین کیون شریک ہوئے، جہان مزامیر تھے، اور وہان کیون رقص کیا، تو جواب دیتے ہین کہ ہم سماع مین اس قدر مستغرق ہو جاتے ہین، کہ ہم کو خبر نہین ہوتی ہے، کہ اس جگہ مزامیر بھی ہین، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہین، اور یہ تمام باتین معصیت کی ہین، (ص ۲۲۰)

(باقی)

ہندوستان مین علوم حدیث کی تالیفات

از

جناب مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۲)

۱۷- سترھوین قسم سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ۱۲ کتابین

(۹۰) المنتخب المصطفیٰ فی مولد المصطفیٰ
(۹۱) اتحاف الحضرۃ العزیزہ بعیون السیرۃ الوجیزہ
(۹۲) الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی و اصحابہ العشرہ
(۹۳) المنهاج الی معرفۃ المعراج

للشیخ عبد القدیر العیدروسی احمد آبادی (م ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء) (ملاحظہ ہو عدد ۲۸)

(۹۴) روضۃ النبی (عربی) للشیخ شاہ حبیب اللہ القنوجی م ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء ..... کتابے ست دریک مجلد وسہ بعبارت عربی مشتمل بر احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مستمند از احادیث صحیح بخاری و جز آن" (اتحاف ۸۵)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کی ۳ کتابین،

(۹۵) جذب القلوب الی دیار المحبوب (مع ترجمہ فارسی) سنہ تسوید ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء اور سال تبییض ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء (جذب القلوب ص ۸) یہ کتاب اخبار الوفا باخبار المصطفیٰ مولفہ نور الدین بن سید الشریف عفیف الدین عبد اللہ بن احمد الحسینی السمہودی المدنی م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء کی تلخیص ہے جو شاہ صاحب نے سفر حج مین مرتب فرمایا و این از غنائم سفر حج این فقیر ست و الحمد للہ (جذب القلوب مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ص ۲۵۴)

(۹۶) حلیہ حلیہ سید المرسلین رسالہ فارسی است از شیخ عبد الحق محدث دہلوی در بیان حلیہ و شمائل نبویہ سترجمہ از احادیث وارد ہ این باب وآن را از کتاب خود مدارج النبوۃ جدا کردہ (اتحاف ۵)

(۹۷) منهاج النبوۃ (فارسی)

(۹۸) نظم الدرر و المرجان، للشیخ اللہ داد الدین البرکی جالندھری الہندی مجلد وسطا ..... ودر آخرش

گفت قد فرغت من تسوید ھذا الکتاب الجلیل القدر الذی ما صنف فی الاسلام مثلہ قط فی ما ظنی یوم الثلثاء ۲۲ ذالحجہ ۱۰۹۱ھ" (اتحاف ۲۷۱)

اور ابتداے کتاب مین مرقوم ہے کہ یہ شمائل پر لکھی گئی، سن تالیف کا اندازہ سال تبیض (۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء) سے کیا جا سکتا ہے،

سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) کی ۳ کتابین،

(۹۹) حدیقۃ الصفاء فی والدی المصطفےٰ
(۱۰۰) الانتصار لوالدی النبی المختار
(۱۰۱) اتحاف الصفا فی سلوۃ المصطفےٰ

بحوالہ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب (ص ۴۹)

اٹھارہوین قسم سیر و مناقب پر ۸ کتابین،

سید عبد القادر العیدروسی احمد آبادی (م ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء) کی ۲ کتابین،

(۱۰۲) عقد اللآل فی فضائل الآل، (بحوالہ التعلیقات السنیہ ۹۵)

(۱۰۳) الانموذج اللطیف فی اہل بدر الشریف

سید مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) کی ۴ کتابین،

(۱۰۴) الرحیق فی نسب حضرت الصدیق
(۱۰۵) شرح الصدر فی اسماء اہل البدر
(۱۰۶) اقرار العین من نسب الحسن والحسین
(۱۰۷) مناقب اہل الحدیث

بحوالہ قضاء الارب من ذکر علماے النحو والادب (ص ۴۹)

معلوم نہیں مناقب اہل حدیث کا مصداق ہندوستان کے اہل حدیث حضرات بھی ہو سکتے ہین یا کتاب کا یہ نام صرف مشغلہ تدریس و تحدیث رکھنے والے خوش نصیبون پر ہی دال ہے، کاش! اصل کتاب مل سکتی تو اصلی مفہوم متحقق ہو سکتا،

فصل گل مین پڑین تو خوب کھلین
خرقہ زہد پر شراب کے رنگ

(۱۰۸) لوامع الانوار فی مناقب السادات الاطہار مولانا عماد الدین معروف بہ

محمد عارف عبد النبی شکاری اکبرآبادی (عدد ۳)

(۱۰۹) حالات الحرمین ... مولانا رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء) بعدد ۲،

شیخ حسن صنوانی لاہور (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) کی ۳ تالیفات، انیسویں قسم مدونات (حدیث) ۱۲ کتابیں

(۱۱۰) مصابیح الدجی من صحاح الاحادیث المصطفیٰ ... (اتحاف ۵۲، ۱، التعلیقات السنیہ ۲۹)

(۱۱۱) الشمس المنیرہ فی الصحاح الماثورہ، محذوف الاسانید .... (اتحاف ۱۲۰، ۱۴۷، ۲۴۳)

(۱۱۲) کشف الحجاب عن احادیث الشہاب (اتحاف ۱۰۲) یہ کتاب شہاب الاخبار کی تہذیب و تبویب ہے جس کا پورا نام شہاب الاخبار فی الحکم والامثال والآداب ہے، مولفہ قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ ابن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی الشافعی م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء (اتحاف ۱۰۲)

ابن سلامہ نے شہاب میں احادیث کے ایک ہزار ایسے ٹکڑے جمع کئے ہیں، جن میں کا ہر ایک جملہ اپنے ماقبل جملے کا گویا دوسرا ٹکڑا تھا، اسی کتاب کا ملخص شیخ نجم الدین الغیطی محمد بن احمد الاسکندری (م ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء) نے کیا، "واصلاحش امام حسن بن محمد صغانی کردہ وکشف الحجاب عن احادیث الشہاب نام نہادہ وبرائے صحیح وضعیف علامتے مقرر کردہ، وبرابواب مرتب نمودہ مثل المشارق (اتحاف ۱۰۲) اور اسی کشف کا دوسرا نام تخریج الاحادیث من کتاب الشہاب للقضاعی ہے، (فہرس الکتب العربیہ فی الدار نخایت ۱۹۳۱ء ص ۹۲، رقم ۱۸۸۵)

(۱۱۳) قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین، منظومہ فارسی: از شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) علمائے ہند میں سب سے پہلے تارک تقلید شخصی (قولاً وفعلاً) شق اول پر آپ کا فارسی دیوان ناطق ہے جس کی تمام غزلیں تقلید کی مذمت اور اتباع (من غیر تقلید) پر دال ہیں، اور شق دوم پر آپ کا عمل یہ تھا، کہ جامع مسجد دہلی میں (بعہد شاہ ولی اللہ م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) آمین بالجہر کہی، اس میں پکڑے گئے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے حضور میں بحیثیت مجرم پیش ہوئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں جہر بھی ہے، اس پر حضرت زائر کو رہائی نصیب ہوئی، (مستفاد از تراجم علمائے حدیث ہند جلد ۱ ص ۳۴۹)

جناب زائر سلسلۂ شاہ محمد اجمل مرحوم (دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد) سے ہیں، اختلاف عقائد وعمل کے باوجود بقیۃ السلف اصحاب دائرہ آپ کی تعظیم فرماتے ہیں، دائرہ میں آپ کا لقب حاجی صاحب ہے، اور جب سے آپ نے دائرہ میں مزامیر بند کئے آج تک ان کا رواج نہ ہوسکا، کہ ع

ع نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) کی ۳ کتابیں،

(۱۱۴) اللآلی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ "وجملہ احادیث این کتاب ہفتاد و یک حدیث ہست، کہ اہل حدیث آن را متواتر گفتہ اند سال تالیفش ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء ست" (اتحاف ۱۲۰)

(۱۱۵) امالی الحنفیہ، مولف سے بنفسہٖ منقول ہے:-

"فہذہ احادیث وآثار واشعار املیتہا من حفظی ولفظی فی زاویۃ القطب شمس الدین ابی محمود الحنفی قدس سرہ عقیب دروس کتاب الشمائل للحافظ ابی عیسی الترمذی ممتہا فی ہذہ الاوراق قبل الاندثار" (اتحاف النبلاء ۲۴)

(۱۱۶) عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ امام ابی حنیفہ (علمائے ہند ۲۲۴ رسالہ معارف میں اس پر مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے،

(۱۱۷) نور العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی قلمی) مولانا شمس الحق ڈیانوی بہاری (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) صاحب عون المعبود کے کتب خانہ میں ہے،

از شاہ ابو اسحاق لہراوی اعظم گڈھی (م ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء) آپ شیخ محمد ناصح الٰہ آبادی اور شاہ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) کے شاگرد ہیں، (مستفاد از تراجم علماے حدیث ہند ج اص ۳۰۲)

(۱۱۸) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، از مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) مشہور و متداول ہے نواب صاحب فرماتے ہیں،

"دربیان حکم رفع مذکور و تامین بالجہر و قرأت فاتحہ خلف الامام و ضم یدین وجز آن بادلۂ حدیثیہ موافق اصول حنفیہ ....." (اتحاف ۴۴)

(۱۱۹) قویم فی احادیث النبی الکریم، از مولانا سخاوت علی جونپوری (م ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) عربی حامل المتن ترجمہ اردو صفحات ۵۲۲، مطبوعہ مطبع صدیقی بنارس (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) سال طبع شروع میں مولف فرماتے ہیں:-

"اقرؤا کتابی الذی جمعت فیہ الاحادیث والآثار الصحیحۃ فی السنن والاحکام بشق الانفس وانتسبت بائمۃ الفن واحتبستہ

فیہ من الملک الکونیہ،

صحیح بخاری کی طرح افتتاح حدیث انما الاعمال بالنیات سے ہے، اس کے بعد باب الطہارۃ اور آخر کتاب میں باب الفرائض ہے، اس کی آخری حدیث الحقوا الفرائض باھلھا ہے اور اسی پر کتاب ختم ہوگئی ہے، بہ ترتیب فقہی مولانا سخاوت علی کا ترجمہ بعنوان القول الجلی فی تذکرۃ مولانا المولوی سخاوت علی (اردو میں) بطور ضمیمہ آخر میں منضم ہے،

آپ کے اساتذہ میں مولانا اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) اور مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) ہیں[۱]، جونپور کا مشہور مدرسہ قرآنیہ (جامع مسجد) اور وہاں کا معروف خاندانِ علم وفضل آپ کے باقیاتِ صالحات سے ہیں،

انہی دونوں سے الٰہی رہی زندان آباد — غل ہو زنجیر کا نالہ ہو گرفتاروں کا

(۱۲۰) اثبات رفع الیدین فی المواضع الاربعۃ من العقود (فارسی) از سید حیدر علی رام پوری (م ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء) تراجم علمائے حدیث ہند ج ا ص ۴۹۰) آپ اور آپ کے بھائی سید محمد علی دونوں علم وعمل کی دوگونہ سعادت سے بہرہ اندوز تھے، علم کی داستان تو مدرسوں اور کتابوں کی زبان پر ہے، اور عمل کا فسانہ مشہد شہدائے ہند بالاکوٹ پر منقوش ہے، سعادت جہاد سے سرفراز ہوئے، اور وہاں سے امام نے یہی سبق دوسروں کو پڑھانے کے لئے مدراس بھیج دیا،

کچھ قمریوں کو یاد ہیں کچھ بلبلوں کو حفظ — عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

(۱۲۱) منتہی المقال فی شرح حدیث شد الرحال، از مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) (اتحاف ۱۹۱) امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء) کے ذکر خیر پر مشتمل ہے، گویا مفتی صاحب علامہ تقی الدین سبکی (م ۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء) کی زبان سے بول رہے ہیں، شفاء الاسقام (للسبکی ممدوح) کا اردو ترجمہ، عربی نہ جاننے والوں کے افادہ کی غرض سے امارتِ شرعیہ پھلواری شریف نے چھپوادیا ہے، یہ کتاب مسئلہ وجوب زیارۃ قبرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، جس (وجوب) کے انکار کی پاداش میں ابن تیمیہ محبوس ہوئے، اور محبس سے ملائکہ کے دوش پر نکلے، اس مسئلہ پر مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) اور مولوی بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۰ء) کے درمیان بھی بحثیں ہوئیں،

---

[۱] معارف:- یہ صحیح نہیں ہے،

بیسوین قسم موضوعات حدیث پر کتابین | (۱۲۲) رسالہ فی الموضوعات، از شیخ حسن صغانی لاہوری

(م ۶۵۰ھ/ ۱۲۵۲ء) میرے مقدم جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے (معارف دسمبر ۱۹۴۲ء) مین شیخ حسن ممدوح کے رسائل موضوعات حدیث مین صرف ایک رسالہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان مین ایک حسن صغانی مقدم الذکر کا رسالہ فی الموضوعات من الحدیث ہے،

مگر مولانا عبد الحی لکھنوی (م ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) الفوائد البہیہ مین امام حسن صغانی کی تالیفات کے ذیل مین آپ کے رسائل موضوعات مین ۲ رسالون کا ذکر فرماتے ہین، لیکن نام نہین لکھا ہے،

"قلت[1] ومن تصانیفہ رسالتان جمع فیھما الاحادیث الموضوعۃ وادرج فیھما کثیراً من الاحادیث الغیر الموضوعۃ فعدّ ذٰلک من المتشددین کابن الجوزی وصاحب سفر السعادۃ وغیرھما من المحدثین" (الفوائد البھیۃ صفہ[2])

فہرس دار الکتب العربیۃ الموجودۃ فی الدار لغایۃ ۱۹۲۱ء (ص ۱۱۵، رقم ۱۵۰۵) مین شیخ حسن صغانی (م ۶۵۰ھ/ ۱۲۵۲ء) کی ایک تالیف (حدیث) کا نام الدر الملتقط فی تبیین الغلط درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوعات حدیث پر ہے، مگر مرتب فہرس نے شیخ کے اس رسالہ کا ذکر عنوان موضوعات حدیث مین نہین کیا ہے، یون بھی اس فہرس مین کئی کتابون کا اندراج غیر محل مین ہے، اسی فہرس مین امام حسن لاہوری (ممدوح الصدر) کی موضوعات حدیث مین ۲ اور کتابون کا ذکر ہے،

ایک فی الاحادیث الموضوعۃ تالیف ابی الفضائل حسن بن محمد بن الحسن الصغانی مخطوطہ: ۲۰، مجامیع: ص ۱۱۸،

دوسری رسالۃ اخریٰ فی الاحادیث الموضوعۃ للمؤلف المذکور: مخطوطہ (ص[3])

---

[1] (۱) الفوائد البہیہ مین لفظ قلت سے مولانا عبد الحی کا قول مراد ہے جیسا کہ ص ۹ س ۸ مین خود تصریح فرمادی (۲) الفوائد البہیہ تلخیص ہے اعلام الاخیار محمود بن سلیمان لکھنوی کی،

[2] (۳) التعلیقات السنیہ جو الفوائد... کے حاشیہ پر ہے وہ البتہ مولانا کی تالیف ہے مگر تعجب ہے کہ اس مین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے صاحبزادون کا ذکر نہین

[3] حوالہ د: ب فہرس دار الکتب العربیۃ مذکورۃ الصدر)

(۱۲۳) الاحادیث الموضوعہ (قلمی) از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء)

(فہرست نوادر ندوۃ العلما لکھنؤ ص ۲۰۵ عدد مسلسل ۱۱۳۹)

اکیسویں قسم اربعینات اور ان کی شروح پر ۱۳ کتابیں | (۱۲۴) اربعین، ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر الفارسی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) (بحوالہ فہرس الکتب العربیۃ ... مخطوطہ نمبر ۱۲۹۵ صفحہ ۸۰) ترجمہ کے لئے عدد ۲۲۳ ملاحظہ ہو،

(۱۲۵) شرح اربعین، از مخدوم نوح ٹھٹھوی سندی (م ۹۴۹ھ / ۱۵۴۲ء) (علمائے ہند ۲۲۲) تاریخ معصومی میں ہے :-

"مخدوم رکن الدین المشہور بمخدوم متو (بالتاء) و فی البعض متھو کہ تلفظ سندی است (م ۹۴۹ھ / ۱۵۴۲ء) در بلدہ ٹھٹھ وفات یافت"

(تاریخ معصومی ص ۲۰۰ تالیف سید محمد معصوم بھکری المتوفی ۱۰۱۹ھ مطبوعہ قیمہ (بمبئی ۱۹۳۸ء)

(۱۲۶) شرح اربعین النوویہ
(۱۲۷) شرح اربعین ملا علی قاری
} از شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء)

(۱۲۸) شرح اربعین نودی: مولوی رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء) (اتحاف ۲۵۱)

(۱۲۹) حبل المتین شرح اربعین: از مولوی عبدالباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) (اتحاف ص ۱۰۱)

(۱۳۰) اربعین: از سید اولاد حسن قنوجی (م ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء) "منظوم بفارسی بطرز مثنوی مولوی روم در یک جلد موسوم بہ راہ نجات و غالب احادیث آں در رد شرک و بدع است (اتحاف ۹) ممدوح نواب صدیق حسن خاں کے والد بزرگوار ہیں،

(۱۳۱) باغ رحمت: (بزبان فارسی) مولانا سید محمد علی رامپوری (م ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) نواب محمد علی خان والیٔ ٹونک نے طبع کرائی تھی، چہل حدیث کا ترجمہ ہے، (تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۸۰۹)

(۱۳۲) اربعین فی فضل الحج والعمرۃ: از شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء) وتتمہ این اربعین مولوی عبدالقیوم است (اتحاف ۱۱) (سال وفات مولوی عبدالقیوم ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء)

(۱۳۳) الاحادیث المتبرکہ: چہل حدیث است با ترجمہ اردو و فوائد مفتی عنایت احمد (م ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء) - (اتحاف - ۵)

(۱۳۴) اربعین فی فضائل المہدیین
(۱۳۵) اربعین فی فضائل المجاہدین
(۱۳۶) اربعین فی ما یتعلق بالامیر والتابعین

"واین ہر سہ اربعین از علماے پورب است" (اتحاف - ۱۱)

راقم الحروف نے اس کا مطبوعہ نسخہ پڑھا ہے، اس کی بعض احادیث بھی نقل کرائی تھین، ایک کالم مین حدیث، دوسرے مین اردو ترجمہ، ان مین سے ایک مولانا ولایت علی صادقپوری (م ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء) اور باقی دو آپ کے خاندان یا اعوان و انصار کی تالیفات ہین، ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء سے قبل ہی ان حضرات کا انتقال ہوا، اصل کتاب فی الوقت دستیاب نہین ہو سکی، اس مجموعہ مین اور رسائل بھی ہین، جن کا نام تسعہ رسائل ہے،

باسیوین قسم اور آخری قسم اذکار ماثورہ پر ۴ کتابین (۱۳۷) اسباب النجاۃ والنجاح فی اذکار المساء والصباح: از شیخ عبد القادر العیدروسی الاحمدآبادی (م ۱۰۳۸ھ ۱۶۲۸ء) (التعلیقات السنیہ ۳۶) عدد ۲۰ ملاحظہ ہو

(۱۳۸) کتاب الاذکار: مولوی رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ ۱۷۹۵ء) اتحاف ۱۵۱ (عدد ۶۲ ملاحظہ ہو)

(۱۳۹) انتخاب الحسنات ترجمۂ دلائل الخیرات: مولوی عبد الباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء) (اتحاف ۱۰۰، عدد ۴۴)

ذکر مافات رقی المناقب (۱۴۰) رسالہ فی احادیث متعلق بفضل یوم عاشوراء از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ): مخطوطہ: ۱۶۰ مجامیع: (فہرس الکتب الموجودۃ فی الدار لغایت ۱۹۲۱ء)

(۱۴۱) سلوا الکئیب بذکر الحبیب: از مولوی رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ ۱۷۹۵ء) (عدد ۶۲)

عرب کی موجودہ حکومتیں

جواب استفسار

حضرت عمرؓ اور غزوۂ اُحد میں ثبات قدمی

جناب سعید احمد باڑی شمسی دہلوی
دہلی ٹیمپر ہاؤس صدر کباڑی بازار دہلی

"گذارش ہے کہ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے الفاروق میں ص ۲۳ پر بحوالہ تاریخ بلاذری حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنگ احد میں ثابت قدم نہ رہنا، اور جناب باری کا اس کو معاف فرما دینا تحریر فرمایا ہے، تو کیا اس روایت کا انحصار صرف بلاذری پر ہے جس کے راویوں کو علامہ مرحوم نے مجہول الحال قرار دیا ہے، کیا بلاذری کے علاوہ صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر صحاح و مسانید و کتب تاریخ میں اس فرار کا قطعاً ذکر ہی نہیں ہے امیدوار کہ ہادی حقیقت نما اس کے جواب سے حقیر کو سرفراز فرمائیں گے"۔

معارف:۔ غزوۂ احد میں حضرت عمرؓ کی ہمت کے شکست ہو جانے اور میدان جنگ چھوڑ دینے کی جو روایت بلاذری کی کتاب انساب الاشراف سے منقول ہے، اس کی تصدیق کتب صحاح یا تاریخ سے نہیں ہوتی، میں نے احتیاطاً مختلف کتب صحاح و تاریخ کا مراجعہ کیا، یہ روایت کسی جگہ نظر نہیں آئی، اس لئے جیسا کہ مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے یہی باور کیا جائے گا، کہ وہ روایت سراسر بے بنیاد ہے،

افسوس کہ انساب الاشراف کی وہ جلد ہمارے کتب خانہ میں موجود نہیں جس میں حضرت عمرؓ کے حالات درج ہیں، ورنہ ہم صحیح طریقہ سے اس روایت اور خود بلاذری کے نزدیک اس کی حیثیت پر گفتگو کر سکتے تھے، کیونکہ دوسری روایتوں میں اس کی واضح شہادتیں موجود ہیں، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر وقت تک غزوۂ احد میں ثابت قدم رہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں واقدی اور خود بلاذری کے حوالہ سے ان لوگوں کے نام گنائے ہیں، جو غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم

رہے تھے، اس فہرست میں حضرت عمرؓ کا اسم گرامی موجود ہے، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:-

وَقَدْ ذکر الواقدی والبلاذری اسماء من ثبت معہ صلی اللہ علیہ وسلم من المہاجرین ابوبکر و عمر و علی و سعد بن عوف ومن الانصار اسید بن حضیر .... الخ

(مقدمہ فتح الباری ص ۳۰۹)

واقدی اور بلاذری نے ان لوگوں کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے، جو غزوۂ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے، ان میں مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و حضرت سعد بن عوفؓ تھے، اور انصار میں سے حضرت اسید بن حضیر .... (وغیرہ) رضی اللہ عنہم

بہرحال حضرت عمرؓ غزوۂ اُحد میں شروع سے آخر تک ثابت قدم رہے، اور پہاڑی پر چڑھنے کے بعد ابوسفیان سے ان کا وہ مشہور مکالمہ ہوا جو حدیثوں اور تاریخوں میں درج ہے،

امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد

جناب مظہر حسین صاحب

معرفت یونین ٹینری نمبر ۱۳ فیرس لین چونگی کلکتہ،

(۱) کیا امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہ عقیدہ تھا کہ تمام مجموعہ ہائے احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے صرف (۱۷) سترہ حدیثیں صحیح اور قابل عمل ہیں، باقی تمام احادیث غیر صحیح اور ناقابل عمل،

(۲) کیا حضرت امام مالکؒ یا امام حنبلؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ تمام مجموعہ ہائے احادیث نبویہ میں سے صرف (۷۰) ستر احادیث صحیح اور قابل عمل ہیں، باقی غیر صحیح اور ناقابل عمل،

(۳) کیا علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں یہ لکھا ہے، کہ امام ابوحنیفہ صرف سترہ احادیث کی صحت کے قائل تھے، اور امام مالکؒ یا امام حنبل (احمد بن حنبلؒ) صرف ستر احادیث کے اور یہ ائمہ کرام، ایا، ، کے سوا باقی تمام احادیث کے غیر صحیح اور ناقابل عمل ہونے کے قائل تھے"؟

معارف: - یہ ساری روائتین بے بنیاد ہین،

۱- امام اعظم علیہ الرحمہ کے زمانہ تک تو احادیث کے وہ مجموعے جو اس زمانہ مین ہمارے ہاتھون مین مدون موجود ہین، سرے سے مدون نہین ہوئے تھے، اس لئے ان کی طرف اس قسم کا قول منسوب کرنا صریحاً افترا ہے،

۲- امام مالک کا ترتیب دیا ہوا مجموعۂ احادیث موطا موجود ہے، اس مین تمام تر صحیح حدیثین ہین البتہ موطا مین دس ہزار حدیثین تھیں لیکن امام مالک نے آٹھ ہزار سے زیادہ حدیثین مجموعہ سے علٰحدہ کر دین اور ۱۷۲۰ حدیثین اس مین باقی رکھین، ان مین سے مسند و مرفوع ۶۰۰ ہین، اس لئے اگر بہ فرض یہ بھی مان لیا جائے کہ امام مالک رح کے نزدیک صحیح اور قابلِ عمل حدیثین وہی ہین، جو موطا مین موجود ہین، تو بھی ان کی تعداد ستر کے بجائے ۱۷۲۰ ہے، حالانکہ یہ تعداد دراصل ان احادیث کی ہے جن کو انھون نے اپنے منتخب مجموعہ مین لینا مناسب سمجھا، اس کا یہ مقصد نہین کہ اس سے باہر کی حدیثین ان کے نزدیک صحیح نہین تھین،

۳- سیرۃ النعمان کے نسخے آپ کو کلکتہ مین مل جائین گے، آپ خود مراجعہ کرکے دیکھین کہ کسی جگہ بھی اس قسم کی کوئی روایت یا عبارت موجود ہے، بلکہ صرف یہ ہے کہ

"حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل مین پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثین ہین جو صحیح ہین، یا یہ کہ بہت کم حدیثین ہین جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے،" (ص ۸۴)

اس کا مقصود یہ نہین کہ تحدید کرکے ۷۰ یا ۸۰ متعین کر دی جائین آپ اس کو سیرۃ النعمان ص ۸۴ و ۸۵ مین خود پڑھین، تفصیل سامنے آجائے گی، مولانا شبلی مرحوم نے تو اس کی تردید کی ہے اور آگے چل کر لکھا ہے کہ

"ان کے شاگردون نے خود اُن سے سینکڑون حدیثین روایت کی ہین،" (ص ۸۵) "س"

سائنس کے بعض نظریے اور اسلام

جناب مظہر حسین صاحب
سوفت یونین ٹینیری کا نمبر ۱۲ قیرس لین چونگی روڈ

(۱) موجودہ سائنس کا خیال ہے کہ دنیا گول ہے، اس سلسلہ مین قرآن کریم یا احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فیصلہ ہے!

(۲) موجودہ سائنس کا خیال ہے کہ سورج نہین گردش کرتا، بلکہ دنیا سورج کے اردگرد

گھومتی ہے، اس سلسلہ میں قرآن حکیم یا احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فیصلہ ہے، ؟

معارف:۔ دنیا گول ہے یا مستطیل، دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے، یا سورج دنیا کے گرد چکر کرتا ہے، یہ اور اس قسم کے تمام مسائل، اسلام کے موضوع گفتگو سے باہر ہین، دنیا کے متعلق اسلام کا عقیدہ صرف اسی قدر ماننا ضروری ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس نے اس کائنات کے قیام و بقا اور کاروبار کے جاری رہنے کے لئے چند طبعی قوانین بنا دیتے ہین، انہی کے بموجب اس کائنات کا کاروبار جاری ہے، بندون کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ آسمان و زمین، چاند، ستارے کے پیدا کئے جانے اور ان کے کام آنے کے منافع پر غور و فکر کرین، تاکہ اس سے ان کے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی کی یاد تازہ رہے، لیکن اسلام نے اپنے ماننے والون سے یہ مطالبہ نہین کیا کہ وہ دنیا کو گول یا مستطیل مانین، انسانون کو عقلین دی گئی ہین، وہ ان سے کام لین، علوم عقلیہ کے ذریعہ مسائل و نتائج حاصل کرین، اگر ایک انسان کی قائم کی ہوئی عقلی دلیلین معقول ہین، تو دوسرے انسان اپنے عقل و شعور سے ان کی صحت و عدم صحت کی جانچ کرین، اور جو کچھ عقلی طور پر سمجھ مین آئے، اس کو تسلیم کرین اور اگر معارض دلیلین ان کے ذہن مین آئین، تو وہ ان کو پیش کرین، اور ان سے نتائج کو ثابت کرین،

اس لئے اسلام کی عدالت مین یہ مسائل سرے سے پیش نہین ہو سکتے، اسلام کا مطمح نظر تزکیۂ اخلاق ہے، اور بندون کو ان کے رب کی بارگاہ تک لیجانا، اور رب کی مرضیون کے مطابق بندون کو اپنی زندگی گذارنے کی تلقین کرنا ہے، اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان حدود مین دنیا کے گول یا مستطیل ہونے، سورج یا زمین کے گردش کرنے کے مسائل داخل نہین ہو سکتے ہین اس لئے ان کے متعلق اسلام کا کوئی خاص نقطۂ نظر مقرر نہین ہے، اسلام نے انسانون کو یہ پیام ربانی سنایا کہ

وَخَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا، جو کچھ زمین مین ہے وہ سب تمھارے لئے پیدا کیا،

نیز کہا

سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین اور آسمانون مین جو کچھ ہے وہ تمھارے لئے مسخر کیا گیا،

ظاہر ہے کہ جب موجودات کا ذرہ ذرہ ہمارے تابع کیا گیا تو یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے تجربون اور مشاہدون سے ان کے نفع و نقصان اور سود مند ہونے اور ضرررسان ہونے کے مواقع کو پہچانین، اور اپنے علم سے فائدہ اٹھائین اسلامی مطمح نظر کے مطابق علم کی دو بنیادی قسمین ہین، اصلی علوم، اور علوم آلیہ، اصلی علوم وہ ہین جن کا منبع و سرچشمہ

وحی ربانی ہے ان علوم کے ذریعہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرتا ہے اور طاعت بجالاتا ہے اور یہی انسان کی پیدایش کا اصل مقصود ہے، دوسرے علوم آلیہ ہیں جن کا سرچشمہ عقل انسانی تجربہ مشق اور اکتساب ہے اسلام کے نصب العین کے مطابق ان علوم کے ذریعہ اس دنیا میں زندگی گذارنے کے وسائل حاصل ہوتے ہیں اور زمین و آسمان کے موجودات کو انسانوں کے لئے جو مسخر کیا گیا ہے انسان ان علوم کے ذریعہ ان کو اپنے تابع کرتا ہے، ان دونوں علوم کو شرعی و دنیاوی علوم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، امام غزالی اور دوسرے علمائے اسلام نے شرعی علوم کی تحصیل کے ساتھ ان دنیاوی علوم کی تحصیل کو بعض اوقات فرض کفایہ کی حد تک ضروری قرار دیا ہے، اور جب انسان موجودات عالم کے متعلق اپنے علم کو عقل و شعور سے بڑھائیگا تو اس کو نئے تجربوں اور مشاہدوں سے سابقہ ہوگا، اور ان تجربوں اور مشاہدوں سے اس کی رائیں بدلتی جائیں گی، اس لئے موجوداتِ عالم میں سے کسی خاص چیز مثلاً زمین یا سورج کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ قرآن مجید یا احادیث کے رو سے دنیا گول ہے یا مستطیل، زمین گردش کرتی ہے یا سورج چکر لگاتا ہے صحیح نہیں ہے، اسلام کے بنیادی عقائد کا تعلق تمام تر علوم اصلیہ یعنی شرعی علوم سے ہے، ان میں اس کے چند خاص عقیدے مقرر ہیں جن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا، اور ان سب عقائد کا سرچشمہ تمام تر وحی الٰہی ہے، باقی دنیاوی علوم جو انسانوں کے زیر مشق ہیں، ان کے لئے اسلام نے نہ کوئی عقیدہ بیان کیا ہے، اور نہ کسی خاص مسئلہ میں اس کے کسی خاص پہلو کو قبول کرنے کا مشورہ دیا، ان علوم کے سارے مسائل و معتقدات نظریات ہیں، اور نظریات کی اصل حقیقت یہی ہے کہ ان پر مشق و تجربہ کا سلسلہ جاری رہے، اور انسان ان کو اپنی عقل و تجربہ کی میزان پر تولتا اور رد و قبول کرتا رہے،

والسّلام "س"

خلاصۃ التواریخ

جناب محمد اسلم صاحب بکڑالہ جہلم (پنجاب) — "خلاصۃ التواریخ کو کس نے لکھا اور کس زمانہ میں لکھی گئی"

معارف:- خلاصۃ التواریخ سبحان رائے کی تصنیف ہے ۴۰ھ جلوس عالمگیری یعنی ۱۱۰۷ھ میں تکمیل پائی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے کتاب چھپ چکی ہے،

"س"

مطبوعاتِ جدیدہ

نادرات شاہی شائع کردہ کتب خانہ ریاست رامپور، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ اچھا، ٹائپ روشن، قیمت مرقوم نہیں، پتہ کتب خانہ ریاست رامپور۔

کتب خانہ ریاست رامپور کی جانب سے اہم اور نادر کتابوں کی اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع ہوا ہے، نادرات شاہی اس سلسلہ کی ایک نادر کڑی ہے، تیموری سلاطین سنسکرت اور ہندی زبان اور ان کے علوم و فنون کے بڑے قدردان اور سرپرست تھے، ان کی قدردانی کی یادگاریں آج تک باقی ہیں، نادرات شاہی اسی سلسلہ کی ایک قیمتی یادگار ہے، شاہ عالم ثانی اردو اور فارسی کے ساتھ ہندی کا بھی قادر الکلام شاعر تھا، ان تینوں زبانوں میں اس کے کلام کا ایک نادر مجموعہ جو خود شاہ عالم کے حکم سے ۱۲۱۲ھ میں ترتیب دیا گیا تھا، ریاست رامپور کے کتب خانہ میں موجود تھا، اس کے فاضل ناظم مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی کی جوہر شناس نگاہ نے اس کو ڈھونڈ نکالا، اور ان کی تصحیح و مقدمہ کے ساتھ کتب خانہ کی جانب سے شائع ہوا ہے، اس میں فارسی اردو کی صرف چند غزلیں ہیں، اس لئے درحقیقت اسے ہندی ہی کے کلام کا مجموعہ کہنا چاہئے، یہ نسخہ نہایت مرتب ہے، ہر صنف شاعری کی نظمیں الگ الگ وار د و دیوناگری دونوں رسم الخط میں لکھی ہوئی ہیں، اکثر نظموں کے راگ اور تال بھی دیدئے ہیں، راقم الحروف کو ہندی زبان سے بہت کم واقفیت ہے، لیکن جس حد تک ہوسکے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ شاہ عالم کا یہ کلام ہندی کے کسی اچھے شاعر کے کلام سے کسی طرح کم نہیں، مجموعہ مختلف حیثیتوں سے قابل قدر ہے، شاعرانہ حیثیت کے علاوہ اس سے قلعہ معلیٰ کی زندگی، اس کے رسوم اور شاہ عالم کی خانگی زندگی کے متفرق حالات معلوم ہوتے ہیں، جن لوگوں کو فاضل مصحح کی تصحیح کردہ کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا ہے، ان کو اس کا علم ہوگا کہ تصحیح کے اہتمام اور مختلف ماخذوں سے کتاب و مصنف کے متعلق ضروری معلومات

کی فراہمی اور تلاش و تحقیق کے اعتبار سے ان کی تصحیح کردہ کتابون کی حیثیت مستقل تصنیف سے کم نہیں ہوتی، یہ کتاب بھی ان خصوصیات کی حامل ہے، چنانچہ کتاب کے شروع مین مصحح کے قلم سے شاہ عالم ثانی کے محققانہ حالات اس کے علمی و ادبی ذوق پر تبصرہ اور دوسرے متفرق و مفید معلومات ہین، نام و مقالات کا انڈکس بھی دیدیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحابِ علم مین قدر کی نگاہون سے دیکھا جائے گا۔

داستان کربلا مرتبہ جناب محمد عبد الرحمٰن سعید صاحب صدیقی تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت چار کلدار، ہے، عثمانیہ، پتہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن،

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا حادثہ تاریخ اسلام کا ایسا واقعہ ہے جس مین اسلامی فرقون نے بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے، بعضون نے اس کو اپنی ملی زندگی کا محور بنایا ہے، بعض ناواقف اسلام کے سیاسی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے اس پر اعتراض کرتے ہین، لائق مرتب نے اس دوسرے گروہ کے جواب مین واقعۂ کربلا کے متعلق ہندوستان کے چند مشاہیر اصحاب علم و قلم کے سات مضامین و تقریرین اس کتاب مین جمع کردی ہین، چار مضامین داستان کرب و بلا، حادثہ کربلا، اسوۂ حسین اور یادِ حسین مولانا ابوالکلام آزاد کے ہین، ایک مضمون شہادت حسنی مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا اور دو تقریرین ذکر حسین و شہادت کبریٰ بہ ترتیب شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان اور نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی ہین، جو انھون نے گذشتہ سینرڈ سالہ یادگار حسینی کے موقع پر کی تھین، ان مضامین اور تقریرون مین واقعۂ کربلا کے تاریخی حالات اس کی دینی اخلاقی و سیاسی حیثیت کی پوری تفصیل و تشریح ہوگئی ہے۔ یہان تک مرتب کی نیت نیک اور ان کا مقصد بالکل صحیح تھا، انھون نے کتاب کے مقدمہ مین یزید کی نااہلیت اور اس کی بیعت کی کیفیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس سے بھی انکار نہین لیکن ایک صدیقی کے قلم سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مخفی طنز نازیبا ہے، مقدمہ کا بڑا حصہ دار المصنفین کی کتاب تاریخ اسلام سے ماخوذ ہے، جابجا حوالے بھی دیدیے ہین، لیکن بعض عبارتین بلا حوالہ بھی نقل کردی ہین، یا اصل ماخذون کا حوالہ دیدیا ہے نفس کتاب حادثۂ کربلا پر مضامین کا اچھا مجموعہ ہے،

تاریخ سیاسیات مؤلفہ جناب عبد المجید صاحب صدیقی استاد تاریخ جامعۂ عثمانیہ، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ سب رس کتاب گھر ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد،

اردو زبان اب سیاسیات کے موضوع سے بیگانہ نہین رہی، اور جامعہ عثمانیہ کے بدولت اس پر کئی کتابین نکل چکی ہین، زیر نظر کتاب نیا مفید اضافہ ہے، اس مین انسان کے دور وحشت سے لیکر موجودہ زمانہ تک اس کی عمرانی ترقی اور مشرق و مغرب مین مملکت وحکومت کے متعلق سیاسی تصورات اور اس کے نظریون کے ارتقاء و تغیرات کی تاریخ بیان کی گئی ہے، کتاب تین دورون مین تقسیم ہے، پہلے دَور مین انسان کے دور وحشت سے اس کی عمرانی ترقی اور مشرقی ملکون اور یونان و روما کے سیاسی نظریون اور سیاسی نظامون کا حال، دوسرے مین مملکت وحکومت کے متعلق اسلام و مسیحیت کے سیاسی تصورات اور اس کے نظام کا ذکر اور تیسرے مین یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے لیکر موجودہ دور تک مختلف دورون کے حالات اور اس کے نتائج کی روشنی مین ہر زمانہ کے مفکرین کے سیاسی نظریون، اس کے عہد بعہد کے تغیرات اور موجودہ دور کے سیاسی نظامون کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس سے انسان کی عمرانی زندگی کی پوری سرگذشت اور مشرق و مغرب مین سیاسی تصورات کے ارتقاء اور اس کے مختلف نظامون کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے،

میخانہ ریاض، ازجناب تسنیم مینائی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ہے/۲ سکہ عثمانیہ ہے/۱ کلدار، پتہ:- ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن،

عام طور سے لوگ ریاض خیرآبادی مرحوم کو صرف ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے ہین، حالانکہ ان کی گوناگون حیثیتین تھین، وہ استاد فن شاعر بھی تھے، شگفتہ نگار ادیب بھی، خوش مذاق زندہ دل بھی، اور قدیم شرافت اور وضعداری کا نمونہ بھی، ان کے دیوان ریاض رضوان کے مقدمون اور دیباچون مین ان کے مفصل حالات ہین، لیکن وہ اتنا ضخیم ہے کہ ہر شخص اس کے مطالعہ کی ہمت نہین کر سکتا، اس لئے ضرورت تھی، کہ اس کا ایک اچھا انتخاب اور ریاض کی مختلف حیثیتون کا ایک مختصر مگر جامع مرقع ترتیب دیا جاتا، یہ کتاب اسی مقصد کے ماتحت لکھی گئی ہے، اس مین ریاض کی زندگی کے ہر رُخ کی تصویر آگئی ہے اور ان کے کلام پر تبصرہ کے ساتھ اس کا انتخاب دیدیا گیا ہے، کتاب دلچسپ اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے لیکن قدیم اساتذہ اور موجودہ دور کے شعراء اور ریاض کے موازنہ مین مبالغہ کا رنگ آگیا ہے جس کے بغیر بھی ریاض کی استادی مسلم تھی، انتخاب مین اگر پوری پوری غزلون کے بجائے صرف اشعار کا انتخاب

دیا جاتا، تو اس سے زیادہ بہتر ہوتا،

المتوسط :- مترجمہ جناب مولوی احمد اللہ صاحب منشی فاضل و مولوی عالم تقطیع بڑی،

ضخامت ... صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- مصنف

سوباجی گوڑہ حیدرآباد دکن،

امام ابو شجاع تقی الدین شافعی کے رسالہ المختصر یا غایۃ الاختصار کے ترجمہ پر ستمبر کے معارف مین تبصرہ ہو چکا ہے، اس کی بہت سی شرحین بھی لکھی گئین، ان مین امام شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قاسم غزی المتوفی ۹۱۸ھ کی شرح فتح التقریب المجیب بہت مشہور و مقبول ہوئی اصل متن کے ترجمہ کے بعد اب اس کے لائق مترجم نے فتح القریب کا ترجمہ المتوسط کے نام سے شائع کیا ہے، اور شیخ ابراہیم بیجوری کے حاشیہ اور دوسری فقہی کتابون سے جابجا ضروری اضافے بھی کئے ہین، اس کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ اصل و متن دونون الگ الگ نہ معلوم ہون، اور ان مین ربط و تسلسل قائم رہے، اس کتاب مین جیسا کہ غایۃ الاختصار کے تبصرہ میں لکھا جا چکا ہے، روزانہ زندگی سے متعلق تمام ضروری مسائل موجود ہین، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اور شوافع کے علاوہ دوسرے مذاہب کے اشخاص کے بھی مطالعہ کے لائق ہے،

سیر صوات از جناب حکیم محمد یوسف صاحب حضروی فاضل جامع ازہر تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت :- عہ/ علاوہ محصولڈاک، پتہ:

اکسیرات ہند دواخانہ نمبر ۷۶ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ،

صوات صوبہ سرحد کے نواح مین ایک چھوٹی سی نیم خود مختار اسلامی ریاست ہے، اس کا رقبہ چار ہزار مربع میل اور آبادی پانچ لاکھ ہے، مصنف کتاب صوبہ سرحد کے باشندے اور کلکتہ کے ممتاز طبیب ہین، انھون نے حال مین صوات کا سفر کیا تھا، سیر صوات اسی کا سفرنامہ ہے، اس کا بڑا حصہ راہ کی دشواریون، سفر کی صعوبتون، راستہ کے مناظر کے حالات، میزبانون کی فیاضیون، صوات کے حاکم و عہدہ دارون اور اہل صوات کی خوش خلقی و میزبانی کی تفصیلات و مدح و ستایش پر مشتمل ہے، بقدر ضرورت ریاست کے انتظامی و تمدنی حالات بھی ہین، کتاب دلچسپ اور انداز بیان شاعرانہ اور اس لحاظ سے قابل قدر ہے، کہ ایک غیر معروف اسلامی ریاست کے حالات قلمبند ہوگئے،

"م"

جلد ۵۶ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء عدد ۶

مضامین

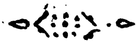
شذرات

خدا کا شکر ہے کہ راقم الحروف کو مزید صحت حاصل ہو رہی ہے، اور یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو میرے گمان مین دوستون کی مخلصانہ دعاؤن کا اثر ہے، ان سب احباب کا دلی شکریہ کہ انھون نے اپنی محبت سے اس خادم کو نوازا، اور اپنی دعاؤن مین اس کو یاد رکھا، فجزاھم اللہ خیرًا

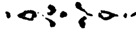
عجیب بات ہے کہ لڑائی تو ہوئی عیسائی قومون مین، مگر اس لڑائی کے خاتمہ پر اس کا خمیازہ مسلمان قومون کو بھگتنا پڑ رہا ہے، ٹرکی سے ارمنستان کے دو شہر، اور ایران سے آذربائیجان کا باقی صوبہ روس کو جا ہی، جاوا اور سوماترہ کے مسلمان انگریزی سنگینون کے زور سے پھر سے ہولینڈ کے تابع بنائے جا رہے ہین فلسطین مین امریکہ اور انگلینڈ کی مدد سے یہودی ریاست کا انتظام درپیش ہے، شام اور لبنان مین فرانس پھر سے اپنا قبضہ بٹھانا چاہتا ہے، شمالی افریقہ مین آزادی خواہ عربون کو قید و بند اور پھانسی کی سزائین مل رہی ہین، افریقہ مین نائیجریا کی اسلامی ریاست اصلاحات کے مطالبہ سے بھی محروم بنائی جا رہی ہے، اور مصر ابھی تک انگریزی فوجون سے خالی نہین ہوا ہے، کیا یہ صورتِ حال ہر سمجھ دار مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہین،

پچھلے مہینہ کلکتہ میں ایک نئی جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد پڑی ہے، جہان تک اس کے مطبوعہ نظامنامہ کا تعلق ہے، وہ بڑی ہمیت کی مستحق ہے، اور اوس سے بہت کچھ توقعات قائم کی جا سکتی ہین، لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ صرف کوئی ہنگامی محرک تو اس ساری گردشِ افکار کا محور نہین ہے، ان کامون کے لئے ضرورت ہے چند جانباز مخلصون کی جو اسکے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائین، اور پیہم سرگرمیون سے اپنے وجود کا یقین دلائین، ورنہ سیاسی تماشون مین ایسے سوانگ بہت دیکھنے مین آئے ہین، جمعیت کو ثابت کرنا چاہئے کہ وہ ایسی نہین، اور اس سے جو توقعات قائم کیجائین، وہ پوری ہون گی، اور وہ متنوع ہو کر رہے گی تابع نہین،

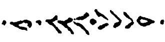
آج کل مسلمان اہل سیاست مین علماء کو برا بھلا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے، اب علمائے جمعیت علمائے اسلام نے ہمت کرکے اُن کی تائید مین آواز بلند کی ہے، اور اب یہ نہین کہا جا سکتا کہ علماء عموماً مسلمانون کی موجودہ اکثری سیاست سے علٰحدگی برت رہے ہین تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستون کے گذشتہ طرز عمل مین کوئی تبدیلی ہوگی، کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ بُرا منظر اور کیا ہوگا، کہ اس کا زیادہ دلچسپ مشغلہ غیبت بدگوئی اور باہمی طعن وطنز ہو،



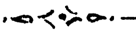
اس زمانہ مین جب الکشن کا بازار گرم ہے، سیاسیات نے قومی اور تعلیمی وعلمی ادارون کو بھی اپنے ساتھ الجھا لیا ہے، لیکن یہ صورتِ حال خود ان تعلیمی وعلمی ادارون کے لئے موزون نہین، یہ ادارے وہ کارخانے ہین جن کے سپرد قوم کے دماغون کی تیاری کا کام ہے، اگر گولہ بارود بنانے والے کارخانون کے مزدور اور جنگی تربیت گاہون کے معلم بھی فوج مین بھرتی ہو جائین، تو کیا ایسی قوم جو تقسیم عمل کے اصول سے اس طرح اعراض برت رہی ہو، کبھی لڑائی کے سلسلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکتی ہے،



مجلس دار المصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے، اس ادارہ مین بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہین، تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب مین متحد ہین کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے، اور اس کو عملی سرگرمیون کا بازیچہ نہ بنایا جائے، خصوصاً ایسی حالت مین جب مسلمانون کی اکثریت ایک طرف ہے، خطا وصواب اپنی جگہ پر، لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظر انداز نہین کیا جا سکتا، خصوصاً اُس وقت جب اس مین بعض مصالحِ اسلامیہ کا پرتو بھی نظر آتا ہو، اور ایسا ہی دوسرا فریق بھی اپنے نظریے کے متعلق یہی خیال رکھتا ہے، اور فریقین اپنے دلائل پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہین،



امسال تاریخ اسلام کے سلسلہ کی ایک نئی جلد اور تیار ہو گئی ہے، انشاء اللہ اس مہینہ کے آخر تک چھپ جائے گی، اس جلد پر عباسی تاریخ کا سیاسی حصہ پورا ہو جائے گا، اور اس کے بعد اس کا علمی وتمدنی حصہ رہ جائے گا، جو زیرِ تالیف ہے۔ اس کے بعد اسپین وافریقہ کی سلطنتون کے حصے شائع ہون گے،



تاریخ ہند کے جو حصے تیار ہیں، اُن میں سے تاریخ سندھ اگلے سال کے مطبوعات میں شامل ہوگی، یہ حصہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سرزمین کی اسلامی تاریخ کے متعلق بہت سے نئے معلومات پر مشتمل ہوگا،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا حصہ بہت دنوں سے ختم ہوگیا ہے، اس پر نظرثانی بھی ضروری تھی، بحمد اللہ کہ اس سے فرصت ہوگئی، اور اب کتاب پریس میں ہے، اور اس کی چھپائی کا کام بھی شروع ہوگیا ہے، اسی طرح سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی نظرثانی کی گئی ہے اور وہ بھی زیر طبع ہے،

زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھ کر ضرورت تھی کہ اردو زبان میں فقہی مسائل کی ایک مستند کتاب ترتیب پائے، چنانچہ اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر اس کام کا آغاز کیا گیا ہے، اور اس کی کتاب الطہارۃ تقریباً ڈیڑھ سو صفحوں میں مرتب ہوچکی ہے، خدا کرے کہ یہ سلسلہ پوری احتیاط کے ساتھ انجام کو پہنچے، تو مسلمانوں کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو،

راقم الحروف اس وقت چند ماہ کے لئے اپنے مرکز دار المصنفین سے دور ہے، اس لئے احباب کے خطوط کے جواب میں تاخیر ہوتی ہے، اور ہوگی، امید ہے کہ احباب اپنی محبت سے اس تکلیف کو برداشت کریں گے اور معذور سمجھیں گے،



مقالات

مسئلۂ سود مسلم و حربی مین

از

جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

(۲)

اختلافی دوائر مین پیش کرنے والے جس چیز کو بار بار پیش کرتے ہیں وہ صرف ربوا والی آیتین یعنی لاتاکلوا الربوٰا یا واکلھم الربوا وقد نھوا عنہ وغیرہ ہین، حالانکہ اب مین کیا عرض کرون مجھے تو یہ ایسی بات نظر آتی ہے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ پانی حلال ہے، اس سے اختلاف کرنے والے اپنی تائید مین انما الخمر الآیۃ یعنی ان آیتون کی تلاوت شروع کر دین جن مین شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے، آخر جب بار بار کہا جا رہا ہے کہ جس چیز کا مالک اس مسلمان کو گردانا جا رہا ہے، وہ نہ ربوا ہے، اور نہ اس کے ربوا ہونے کی کوئی وجہ ہے، بلکہ ایک غیر معصوم مباح مال ہے، جس پر خیانت اور غدر کے بغیر دینے والے کی رضامندی سے اس مسلمان کو قبضہ حاصل ہوا ہے، مگر لوگ ہین کہ مسلسل اسی ربوا والی قرآنی آیتون کو دہراتے چلے جاتے ہین، اولاً اس مسئلہ کا ربوا والی صورت سے کوئی خصوصی تعلق بھی نہین ہے،

بیسیون شکلین مثلاً قمار یا شراب یا میتہ وغیرہ وغیرہ جیسے عقود فاسدہ مین سے ایک ذیلی جزئی درجزئی شکل ربوا کی بھی ہے، لیکن اس باب مین تمام دوسری چیزون سے قطع نظر کرکے اچانک لوگون کا یہ پھیلا دینا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک (العیاذ باللہ) ربوا کی ایک خاص شکل حلال بھی ہے، گویا اس مسئلہ کا اول بھی یہی ہے، اور آخر بھی یہی ہے، اور جب پوچھا جاتا ہے کہ اس قسم کے فتویٰ کی جرأت قرآن کے مقابلہ مین ان کو کیون ہوئی، تو یہ جانتے ہوئے کہ نص قرآنی مین کسی قسم کے اضافہ کو امام ابوحنیفہ ان حدیثون

کی بنیاد پر بھی جائز قرار نہین دیتے جنھین خبر احاد کہتے ہین، خواہ وہ صحت کے کسی درجہ پر ہون، لیکن اطمینان سے مکحول والی روایت پیش کرنے والے پیش کر دیتے ہین، ایسی روایت جس کے متعلق دوسرون ہی کی کتابون مین نہین، خود حنفی مذہب تک کی کتابون مین اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہین،

قال ابن العز قال فی المغنی	ابن عز نے کہا ہے کہ المغنی مین لکھا ہے
هذا خبر مجهول لم یرو فی	کہ مکحول والی یہ روایت مجہول روایت ہے
صحیح ولا مسند ولا کتاب	نہ کسی صحیح حدیث کی کتاب مین اس کا پتہ
موثوق به وَهُوَ مع ذٰلك	ہے، اور نہ کسی مسند مین، نہ کسی ایسی کتاب
مُرسَل محتمل "	مین، جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو، باوجود
	اس کے بجائے خود یہ روایت مرسل ہے
	(یعنی تابعی نے صحابی کو چھوڑ کر براہ راست
(حاشیہ سعدی چلپی علی العنایۃ شرح الہدایۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُسے
ص ۳۰ بر فتح القدیر ج ۵ مطبوعۂ مصر)	منسوب کر دیا ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے اور کہا بھی کیا جاتا ہے، دیکھا جا رہا ہے، جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے، کہ اس قسم کے مسائل مین حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عموماً اسی پہلو کو اختیار کرتے ہین جس مین زیادہ احتیاط ہو، العمل بالاحوط تقریباً ان کے اجتہاد کا ایک محوری اصول ہے لیکن جس مسئلہ مین اب کیا کیئے وہ زیادت علی الکتاب اور العمل بالاحوط اپنے دونون مسلمہ اصول سے ہٹ گئے، وہ قرآن کا وہی جرم تھا جس سے زیادہ دھمکیان کسی دوسرے جرم مین اس کتاب مین نہین دی گئی ہین،

لوگ اتنا بھی نہین سوچتے کہ اس زمانہ کے مولوی اگر امام صاحب ہوتے، تو شاید کہا بھی جا سکتا تھا، کہ سودخوار اقوام کے ربائی شکنجون مین اپنی قوم کو دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ ان کا دماغ بے قابو ہو گیا اور مسلمانون کی معاشی پریشانیون نے اس عجیب وغریب اجتہاد پر ان کو شاید ابھار دیا تھا لیکن بحمد اللہ امام والا مقام کا عہد تو مسلمانون کا زرین عہد تھا، عالمی معاشیات کی کلید تو اس وقت انہی مسلمانون کے ہاتھون مین تھی جنھون نے صرف وعظ و تقریر ہی سے نہیں، بلکہ حکومت اور فوج کی قوت سے سودخواری کی خونخوار رسم کو کم از کم ان تمام ممالک مین مٹا دیا تھا، جو ان کے زیر اثر تھے، پھر خواہ مخواہ

باوجود سود اور ربوا ہونے کے اس کے جواز کا فتوی دینے کی امام کو ضرورت ہی کیا تھی ؟ پس واقعہ یہی ہو کہ امام نے جس چیز کی حلت وجواز کا فتوی دیا ہے، وہ سرے سے ربوا ہی نہین ہے، اسی طرح ربوا نہین ہو، جیسے مولانا ظفر احمد صاحب بھی تسلیم فرماتے ہین کہ لا ربوا بین العبد والمولی ربوا نہین ہے[۱] ربوا کی متعلقہ قرآنی آیات جن سے مطلق ربوا کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ابن ہمام نے ان ہی کی طرف اور ان کی اطلاقی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بالکل صحیح بات لکھی ہے، کہ

المطلقات مراد بمحلها المحظور	مطلق ربوا کی ممانعت والی آیتون کا
بحق لمالکہ	تعلق صرف ان ہی اموال تک محدود
	ہے جن پر تصرف اسطرح ممنوع ہو کہ ان کے مالکون
(ص ۱۰۳ ج ۵ فتح القدیر)	کا حق اس سے مانع ہے،

یعنی امام کے مذکورہ بالا فتوی کی وجہ سے حرمت ربوا کی مطلق آیتون کی اطلاقیت قطعاً متاثر نہین ہوتی، کیونکہ ان کا تعلق ان ہی اموال سے ہے جن پر ان کے مالکون کے کسی حق کی وجہ سے نہ قبضہ کرنا درست ہے، اور نہ ان مین تصرف کرنا، اور یہان جس مال کے متعلق یہ فتوی دیا گیا ہے وہ غیر معصوم مال ہے، البتہ معاہدے کی وجہ سے ایک عارضی حظرا ور ممانعت کی کیفیت اس مین بھی پیدا ہوگئی ہے، سو رضامندی کی وجہ سے ان کا بھی ازالہ ہوگیا، خلاصہ یہ ہے کہ الربوا سے اس کو خارج کرنے کی ضرورت تو اس وقت ہوتی، جب اس مین وہ داخل بھی ہوتا، بجنسہ وہی حال یہان بھی ہے، جیسے غنیمت وفئی وغیرہ کے اموال

لا تاکلوا اموالکم بالباطل،	مت کھاؤ باہم اپنے اموال باطل (ذرائع سے)

کے نیچے داخل ہی نہین ہین، اسی لئے ایک کا کھانا حرام ہے، اور دوسرے کے متعلق قرآن ہی نے

فکلوہ حلالاً طیبًا،	پس کھاؤ اس کو حلال اور طیب سمجھتے ہوئے،

[۱] مولانا نے یہ فرق جو پیدا کیا ہے، کہ غلام کا مال آقا غلام کی رضامندی کے بغیر لے سکتا ہے، لیکن حربی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر نہین لے سکتا، لیکن کیون نہین لے سکتا ؟ گذر چکا کہ معاہدۂ امن مانع ہے، افسوس ہے کہ اپنے پورے مضمون مین اس رضا مین جس کی ضرورت غدر وخیانت سے بچنے کے لئے پیش آتی ہو، اور اس رضا مین جو مال معصوم کے مالک کے لئے ضروری ہو فرق نہیں فرمایا، فتنا ن بینھما، اور پھر اسی کو بنیاد بناکر مولانا نے بحث شروع کر دی ۱۲ منہ

کا فتویٰ دیا ہے، رہا لفظ تصرف لفظ سے متاثر ہو کر کسی حلال چیز کو حرام سمجھ لینا، اب میں کیا کہوں اس میں اور یہود کے اس معاملہ میں کیا فرق ہے، جس کے متعلق حدیثوں میں آیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

قاتل اللہ الیھود ان اللہ حرم	تباہ کرے خدا یہود کو، اللہ نے مردار
علیھم شحومھا فاجملوہ ثم	چیزوں کی چربی ان پر حرام کی تھی تو
باعوا ثمنہ فاکلوہ،	تو اس چربی کو جما کر یہی یہودی اُسے
(صحاح)	بیچنے لگے، اور اس کا دام کھانے لگے،

کہ صرف نام بدل کر حرام کو حلال کر لیتے تھے، میرے نزدیک تو اس میں اور کسی حلال کو چیز نام کی وجہ سے حرام قرار دینے میں کوئی فرق نہیں ہے، امام مالک نے اسی غلط اسمی تاثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریا کے اس جانور کے متعلق جسے لوگ بحری خنزیر کہتے تھے، فرمایا تھا،

اَنتم تسمونھا خنزیراً	تم لوگوں نے اس کا نام خنزیر (سور) رکھدیا ہے،

واقعہ تو یہ ہے کہ اب تک جو کچھ اس مسئلہ میں عرض کیا جا چکا ہے، حضرت امام کے مسلک قویم کی وضاحت و تفہیم کے لئے وہی کافی ہے، لیکن ان قرآنی بینات مثلاً

ان اللہ بری من المشرکین	مشرکین سے بری ہے اللہ بھی اور
ورسولہ، (البرأۃ)	اللہ کا رسول بھی،

اور وہ ساری آیتیں جن سے اغتنام اور غیر معصومہ اموال کے احکام پیدا ہوتے ہیں، یا اس قسم کی حدیث یعنی

عصموا منی دمائھم واموالھم	معصوم ہو جاتا ہے مجھ سے (ان غیر مسلم اقوام) کا مال اور ان کی جان،

اور اسی کے مفاد کو ادا کرنے والی دوسری صحیح حدیثیں جن پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی کی بنیاد قائم ہے بجائے خود ان کا کافی ذخیرہ کتاب و سنت سے اکٹھا کیا جا سکتا ہے، لیکن اس مسئلہ میں علاوہ ان کلی نصوص و آثار کے تفصیلی شواہد و مؤیدات بھی کچھ کم نہیں ہیں، مولانا ظفر احمد صاحب

جیسے صاحب بصیرت و خبرت کے قلم سے ان الفاظ کا نکلنا حیرت انگیز ہے یعنی آپ فرماتے ہین،

"امام ابوحنیفہ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی بھی قوی دلیل نہین"

اصل بحث سے فارغ ہونے کے بعد مین چاہتا ہون کہ ان شواہد کو بھی پیش کردون،

(۱) سب سے پہلی چیز اس سلسلہ مین خود قرآن ہی کا اشارہ ہے، مطلب یہ ہے کہ تحریم ربوا

کے ساتھ ایک طرف تو

ذروا ما بقی من الربوا، (بقرہ) چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود ہے

کا حکم دیا گیا، لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی مین

فلہ ما سلف، پس سود لینے والے کے لئے رہ گیا

اس سود کا وہ حصہ جو پہلے لیا جا چکا ہے

کا فتوی بھی موجود ہے، جس کا مطلب یہی ہوا کہ سود کی جتنی رقم لوگ وصول کر چکے تھے، ان کا مالک لوگون کو اس آیت نے بنا دیا، سوال یہ ہے کہ خرچ کرنے والون نے جو کچھ خرچ کر دیا، اس کو تو جانے دیجئے، لیکن جن لوگون کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی ابھی موجود تھین کیا اس کی واپسی کا حکم نہین دیا جا سکتا تھا، اور اگر دیا جاتا تو اس حکم کی تعمیل مین کیا دشواری تھی، ٹھیک شراب کا جو حال ہوا کہ آیندہ سے تو خیر لوگ تائب ہی ہوگئے، لیکن جن کے گھرون مین شراب کے ذخیرے موجود تھے، ان کا پینا بھی لوگون پر جو ن کہ حرام کر دیا گیا تھا اس لئے کہتے ہین کہ ہر گھر سے مدینہ مین اتنی شراب بہائی گئی، کہ گلیون مین بہی پھرتی تھی لیکن سود کے معاملہ مین یہ طریقہ اختیار نہین کیا گیا، بلکہ جن کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی موجود تھین بجائے واپسی کے ان رقوم کا ان کو مالک ٹھرایا گیا، سوال یہ ہوتا ہے کہ کیون ٹھرایا گیا، امام ابوحنیفہ کے اصول پر اس کا جواب آسان ہے، کہ تحریم ربوا سے پہلے جن رقوم پر لوگون نے قبضہ کر لیا تھا، وہ ایسی قمین تھین جن پر اس وقت قبضہ کرنا حرام نہ تھا، اور قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہوچکے تھے لیکن تحریم کے بعد ایک ایسے مال پر قبضہ کرنا ہوتا، جو مسلمانون کے لئے اب حرام ہوچکا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے وہی اصول پیدا ہوتا ہے جس کی بنیاد پر مذکورۂ بالا شکل مین اس متامن مسلمان کے لئے مال مقبوضہ کو حلال قرار دیا گیا تھا یعنی معاہدۂ امن کی وجہ سے غیر معصوم مال پر بلا رضامندی قبضہ ناجائز تھا، لیکن رضامندی نے حرمت کی وجہ کا ازالہ کر دیا، اب جائز ہوگیا، فرق دونون مین اگر کچھ ہے تو صرف تقدم

دتا خود کا قرآن والے فتوی مین حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، اورحرمت کی کیفیت بعد کو اس مال پر طاری ہوئی، اورامام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدے کی وجہ سے پہلے طاری تھی، رضامندی کے ثبوت کے بعد جواز کی کیفیت اس مین پیدا ہوگئی،[1]

(۲) قرآن کے بعد اب آئیے بخاری شریف اٹھائیے، نکالئے فتح مکہ والی مشہور حدیث جس مین یہ فرماتے ہوے کہ

ان کل الربا کان فی الجاھلیۃ	قطعاً ہر قسم کا سود جو جاہلیت مین
فھو موضوع،	تھا، وہ ساقط کردیا گیا،

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سود کے متعلق یہ اعلان فرمایا،

اول ربا یوضع ھو ربا العباس	سب سے پہلے سود کی رقم جس کی ساقط
ابن المطلب،	کی جاتی ہے، وہ عبد المطلب کے بیٹے
	عباس کی ہے،

مشکل الآثار مین امام طحاوی نے بدلائل یہ ثابت کرنے کے بعد کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے، اور یہ کہ ربا کا حکم فتح خیبر یا فتح خیبر سے پہلے نازل ہوچکا تھا پہلے دعوی کے ثبوت مین حجاج بن علاط صحابی کی مشہور روایت پیش کی ہے، جو فتح خیبر کے بعد مکہ اپنے اہل ومال کی خبر گیری کے لئے

[1] فقہاے احناف نے مذکورۂ بالاآیت کے اس پہلو کی طرف حالانکہ اشارے کئے ہین خصوصاً شمس الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر مین لیکن مولانا ظفر احمد صاحب نے بجائے تائید کے اسی سے حنفی مسلک کی تردید محض اس بنیاد پر نکالنی چاہی ہے، کہ مسلم وحربی والے قصہ مین ملک کی وجہ اخذ وقبض نہین، بلکہ ان کے خیال مین شاید عقد ہے، اسی لئے فرماتے ہین کہ حلال معاملہ سے جو حق واجب ہوا، حالانکہ یہان سرے سے معاملہ ہی نہین منعقد ہوتا، چہ جائیکہ اس کی وجہ سے حق کیا واجب ہوگا، معاملہ تو صرف رضا کی دلیل بن کر ختم ہوجاتا ہے کما فصلتہ آنفا اس کے بعد اب مولانا فرمائین کہ وصول شدہ سود کی رقم جسے وصول کرنے والے ابھی نہین خرچ کر پائے تھے، اس کے مالک وہ کیون بنائے گئے، امام کے مسلک سے ہٹنے کے بعد اس سوال کا ہے کوئی جواب،

آئے تھے، جس میں حضرت عباسؓ کے متعلق یہ تصریح خود ان ہی کی زبانی ہے کہ اس زمانہ مین وہ مشرف باسلام ہوچکے تھے، اور دوسرے دعوی کے ثبوت مین فضالہ بن عبید والی روایت کو پیش کیا ہے جس مین انھون نے بیان کیا ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر ایک ہار بھی مال غنیمت مین تھا جس مین سونا بھی شریک تھا، ربوا سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار کو توڑ کر حکم دیا کہ سونے کو الگ نکال کر فروخت کیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ خیبر جس زمانہ مین فتح ہوا ربوا اس زمانہ مین حرام ہوچکا تھا، ان دو مقدمات کے بعد طحاوی نے پوچھا ہے کہ حضرت عباسؓ کے سود کو جاہلیت کے اقتدار کے زوال کے بعد یعنی فتح مکہ کے بعد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساقط کیا، اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے، کہ اس سے پہلے حضرت عباسؓ کا سود لوگون سے ساقط نہین ہوا تھا، اور آج اُن کے سود کو ساقط کیا جارہا ہے، اب کھلی ہوئی بات ہے کہ فتح خیبر کا واقعہ آٹھوین ہجری مین پیش آیا جس کے یہی معنی ہوئے کہ سود آٹھوین سے پہلے مسلمانون پر حرام ہوچکا تھا، پس اگر سود کا حکم عام ہوتا یعنی اسلامی علاقہ اور جاہلی علاقہ دونون مین اس کی حرمت کی ایک ہی نوعیت ہوئی تو حضرت عباسؓ کا سود فتح خیبر سے پہلے ساقط ہوچکا تھا، اور جو چیز ساقط ہوچکی تھی، پھر اسی کو فتح مکہ کے بعد ساقط کرنے کے کیا معنی ہوسکتے ہین، وہ لکھتے ہین :-

انہ لا یخلو ربا العباس الذی	حضرت عباسؓ والے اس سود اور
ادرکہ وضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ایام جاہلیت کے سود کے متعلق جنھے رسول اللہ
وربا الجاھلیۃ من احد وجہین	صلی اللہ علیہ وسلم نے ساقط فرمایا، دو ہی باتین
اما ان یکون اصلہ کان قبل	ہوسکتی ہین، یعنی سود کے حرام ہونے سے
تحریم الربا ثم طرأ علیہ تحریم	پہلے سود کے وہ رقوم چڑھے تھے، اور اس
الربا او کان فی حال تحریم الربا	کے بعد سود حرام کیا گیا، یا جب سود حرام
فان عُنی بذلک التحریم فی ھذین	ہوچکا تھا، اس زمانہ مین سود کے رقوم
الوجھین فی دار الھجرۃ وفی	لوگون پر واجب ہوئے تھے، اب اگر
دار الحرب فانہ یجب ان یبطل	یہ مانا جائے کہ سود کی حرمت کا حکم
فی ای الاماکن کان من دار	دار الاسلام اور دار الحرب مین ایک ہی ہے،
الحرب ومن دار الاسلام	تو پھر چاہیے تھا کہ سود حرام ہوجاتا، ہر علاقہ

وبعد تحريم الربا فهو ابطل،

مین خواہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب، اور اگر سود کے حرام ہونے کے بعد یہ رقوم لوگون پر چڑھائے گئے تھے، تو ان کا باطل اور ساقط ہونا اور بھی ضروری ہے، (یعنی اسلام جب ہر جگہ سودی کاروبار کو حرام ٹھہرا چکا تھا، تو اب سود کی راہ سے کسی پر رقم واجب ہی کب ہو سکتی تھی؟

(ص ۵۷ ج ۱۴)

بہرحال حضرت عباسؓ کا یہ سود جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال جاہلیت کے بعد ساقط کیا، اگر لوگون پر حرمتِ سود کے حکم سے پہلے واجب ہوا تھا، تو چاہئے تھا کہ حکم کے نازل ہونے کے ساتھ وہ خودبخود ساقط ہو جاتا، اور اگر حکم حرمتِ ربوا کے بعد یہ سود لوگون پر ان کا چڑھا تھا، تو اس کے چڑھنے ہی کے کوئی معنی نہین ہو سکتے، اگر دارالاسلام اور دارالحرب دونون مین سود کی حرمت کا ایک ہی حال تسلیم کیا جائے، اور جو چیز چڑھی ہی نہین یعنی لوگون کے ذمہ واجب ہی نہین ہوئی، تو وہ ساقط کیا ہوگی، اسی سے اب انھون نے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ مین جو بات حضرت عباسؓ کے سود کے متعلق ارشاد فرمائی،

دل انه قد كان قائماً حتى وضعه

یہ بات دلالت کر رہی ہے کہ (ساقط کرنے سے پہلے) وہ رقم لوگون پر چڑھی ہوئی تھی، تا اینکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ص ۵۷ ج ۱۴)

اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ

انه قبل وضعه اياه كان الربا فيه خلاف الربا في دار الهجرة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساقط فرمانے سے پہلے ربوا کا حکم (مکہ مین) اس کے برخلاف تھا، جو حکم اس کا دارالہجرت (یعنی مدینہ)

(ص ۵۷)

جس کی وجہ خود ہی وہ یہ بیان کرتے ہین، کہ

لانه يومئذ كان فيها دار الهجرة

کیونکہ اگر (مکہ مین) بھی اس کا حال وہی ہوتا

مَا كَانَ قَائِمًا فِى حَالٍ مِنَ الاحوال بعدَ تحريم الربوا، لأنه انّ كانَ اصله فى حال تحريمه كَانَ غير ثابتٍ وان كان قبل تحريمه طرء عليه تحريمه و وضعه،

جو دار الہجرت مین تھا، تو سود کے حرام ہونے کے بعد پھر کسی جگہ پر سود کی رقم چڑھی باقی نہ رہتی، کیونکہ اگر سود کے حرام ہونے کے بعد سود کا معاملہ کیا گیا تھا تو سرے سے وہ چڑھتی ہی نہین، اور اگر سود کے حرام ہونے سے پہلے لوگون پر وہ رقوم واجب ہوئے تھے، تو حرمتِ سود کے قانون کے نزول کے بعد وہ حرام ہو کر خود بخود ساقط ہو جاتی،

(مشکل الآثار جلد ۴ ص ۲۴۲)

سیر کبیر اور اس کی شرح مین بھی اس دلیل کا ذکر کیا گیا ہے لیکن صحیح طور پر اس کا پتہ نہین چلتا کہ امام محمد کی عبارت اس مین کتنی ہے، اور شارح نے اس پر کیا اضافہ کیا ہے، بہرحال جو عبارت اس کتاب مین درج ہے، اس مین تو شک نہین کہ امام محمد کی اگر نہین ہے تو شمس الائمہ کی ضرور ہے، استناد کے لئے دونون کافی ہین، یہ لکھنے کے بعد کہ ایک دلیل اس کی حضرت عباسؓ والی یہ روایت بھی ہے، پہلے حضرت عباسؓ کے اسلام کے متعلق یہ لکھتے ہین :-

وقد اختلف الناس فى وقت اسلام العباس رضى الله تعالىٰ عنه تعالى بعضهم كان اسلم قبل وقعة بدر و قال بعضهم اخذ اسيرًا يوم بدر فاسلم،

حضرت عباسؓ کب اسلام لائے؟ اس مین لوگون کا اختلاف ہے، بعض لکھتے ہین کہ واقعہ بدر سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے اور بعض کہتے ہین کہ بدر مین گرفتار ہو کر جب وہ لائے گئے تب مسلمان ہوئے،

اس کے بعد کا فقرہ یہ ہے :-

ثمّ استاذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الرجوع الى مكة فاذن له فكان يربى بمكة الى زمن الفتح

بہرحال (واقعۂ بدر کے بعد) حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ واپس جانے کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وقد نزلت حرمة الربا قبل ذلك الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم قال للسعدين يوم خيبر آربيتما فردا وقوله تعالى لا تاكلوا الربا اضعافا مضاعفة نزلت في وقعة أحد وكان ذلك قبل فتح مكة بسنين ثم لم يبطل عليه رسول الله صلى الله وسلم يوم الفتح شيئا من معاملاته الا مالم يتم بالقبض ؛

سود کی حرمت کا حکم فتح مکہ سے پہلے نازل ہو چکا تھا، تم کیا نہین دیکھتے، کہ دونون سعدون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مقام پر فرمایا، تم دونون نے سود کا معاملہ کیا، پس معاملہ کو توڑ دو اور یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن کی آیت یعنی مت کھاؤ سود دونا دون (جس کا ترجمہ ہے) یہ احد کے واقعہ کے سلسلہ مین نازل ہوئی تھی، اور احد کا واقعہ ظاہر ہے کہ فتح مکہ سے چند سال پہلے واقع ہو چکا تھا، پھر فتح مکہ کے موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کی رقوم مین سے انہی کو ساقط فرمایا، جن پر حضرت عباسؓ کا قبضہ عمل مین نہین آیا تھا،

یعنی وہی بات کہ جن اموال پر جاہلیت کے اقتدار کے زمانہ مین لوگ قبضہ کر چکے تھے، ان کے متعلق تو

فلہ ما سلف.

جس پر پہلے سے لوگ قبضہ کر چکے ہین، وہ ان ہی کا ہے،

کا فتوی نازل ہو چکا تھا، البتہ غیر مقبوضہ اموال چونکہ زوال جاہلیت کے بعد اسلامی حکومت کی عصمت و حفاظت کے دائرے مین آگئے تھے، اس لئے قطعی طور پر ان کو ساقط کر دیا گیا، کہ ان کے تملک کی اس راہ سے کوئی صورت باقی نہین رہی تھی، سیر کبیر مین مضمون کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے،

فتبين انه يجوز عقد الربا بين المسلم والحربي في دار الحرب

پس کھل گئی یہ بات کہ مسلمان اور حربی مین سود جائز ہے، جب اس کا معاملہ

وان البقعة اذا صارت دار الاسلام قبل القبض فانه يمتنع القبض بحكم ذلك العقد،
(سیر کبیر صفہ ۲۲۵)

دار الحرب میں کیا جائے، لیکن جب وہی مقام اسلامی قلمرو میں داخل ہو جائے یعنی دار الاسلام بن جائے تو قبضہ جن پر نہیں ہوا ہے، ان پر قبضہ کرنے سے لوگوں کو روک دیا جائے گا یعنی سود کے معاملہ کی وجہ سے اب کسی مال کے وہ مالک نہیں ہو

(۳) تیسری دلیل جسے ہمارے فقہائے حنفیہ پیش کرتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرط کا واقعہ ہے جو جنگ روم و ایران کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے لگائی تھی، جس میں جیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہوئی اور جتنے اونٹ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ آئے تھے، کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سو تھی، بہرحال ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا، سیر کبیر میں امام محمد اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں :-

لو كان ذلك حراماً لما امره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يقامرهم عليه ولو لم يملكه بهذا الطريق ما امره ان يتصدق به
(ر صفہ ۱۲۹ ج ۲)

اگر یہ اونٹ جوئے کے ذریعہ سے ان کے قبضہ میں آئے تھے، حرام ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بازی لگانے کی ان اونٹوں پر اجازت ہی نہیں دیتے، اور اگر یہ اونٹ ان کی ملکیت میں نہ ہوتے تو ان کو صدقہ کرنے کا حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دے سکتے تھے،

شمس الائمہ نے اس پر تشریحاً ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے،

فعرفنا بهذا ان ذلك كان جائزا ولكن ندبه الى التصدق شكرا لله تعالى على ما اظهر من

پس اس سے ہم نے یہ بات جانی کہ اس قسم کا معاملہ جائز تھا، باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو

صدقة | خیرات کرنے کا جو مشورہ دیا، تو اس لئے دیا گیا کہ خدا نے ابوبکر صدیق رض کی صداقت
(سیر کبیر ج ۳ ص ۱۷۹) | کو جو ظاہر فرمایا تھا، یہ اس کا شکریہ تھا،

اس روایت کے متعلق رد و قدح کا جو طویل سلسلہ ہے، یہان اس کے ذکر کی بظاہر ضرورت نہین معلوم ہوتی، کیونکہ غرض میری صرف یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے فتوی کے متعلق یہ خیال کہ ایک ضعیف روایت کے سوا ان کے پاس کچھ نہین ہے، صرف اس کا ازالہ مقصود ہے،

(۴) چوتھی دلیل بھی حدیث ہی ہے امام محمد ہی نے سیر کبیر مین اس کا ذکر فرمایا ہے، اشارہ ان کا ابن رکانہ کے اس واقعہ کی طرف ہے جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لگا کر وہ کشتی لڑے تھے، تین دفعہ لڑے، اور تین دفعہ چت ہوے، عرب کے وہ مشہور پہلوان تھے، اس شرط مین ان کی بھیڑ بکریون کا جو گلہ تھا، ایک ایک تہائی حصہ اس کا وہ ہر کشتی مین ہار کر چلے گئے، جب اُن کے مال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا تو امام محمد کا بیان ہے کہ ابن رُکانہ بولے،

ما وضع احد جنبي قط وما انت	میرے پہلو کو زمین سے کسی نے نہین لگایا
صرعتني،	اور آپ نے بھی مجھے نہین ٹپکا، (یعنی یہ ایک خدائی کرشمہ تھا)

یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ جیتا تھا، سب واپس فرمایا یا شمس الائمہ نے اس کے بعد لکھا ہے:-

لو كان ذلك مكروها ما دخل فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم،	اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرے سے اس معاملہ میں داخل ہی نہ ہوتے،

باقی واپس جو کر دیا تو اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہین،

والرد الغنم عليه تطولا منه عليه وكثيرا ما فعل ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم مع المشركين يولفهم به	باقی بھیڑ بکریون کو جیتنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہی کو جو واپس فرما دیا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک مہربانی تھی، اور اس

حتی یومنوا،	قسم کی باتین مشرکین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت کیا کرتے تھے، ان کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل فرمانا
(جلد ۳ صفحہ ۱۰)	

(۵) پانچوین دلیل اسی سلسلہ کی جسے ہمارے فقہاء نقل کرتے ہین، بنی قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیون کا واقعہ ہے، جب ان کی جلاوطنی کا حکم ان کی شرارتون کی وجہ سے صادر ہوا تو ان لوگون نے یہ عذر پیش کیا کہ لوگون پر ہمارا باقی بقایا رہ گیا ہے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

ضعوا وتعجلوا،	کچھ بقایا کو ساقط کرو، اور جانے مین جلدی کرو، (یعنی دس کی جگہ مثلاً پانچ ہی لے لو اور بھاگو)

شمس الائمہ اس واقعہ کے بعد لکھتے ہین :-

ومعلوم ان مثل هذه المعاملة لا یجوز بین المسلمین فان من کان له علی غیره دین الی رجل فوضع عنه بعضه بشرط ان یعجل بعضه لم یجز	اور یہ معلوم ہے کہ باہم مسلمانون کے درمیان اس قسم کا معاملہ جائز نہیں ہے یعنی کسی کا دین اگر کسی پر باقی ہو تو جائز نہ ہوگا کہ مدیون سے دیندار کہہ کر کہ کچھ رقم تم ادا کر دو تو اس کے معاوضہ مین کچھ رقم کو مین چھوڑ دون گا،
(جلد ۳ - ص ۱۸۰)	

گویا اس مین بھی ایک شکل ربوا کی پیدا ہو جاتی ہے، یعنی دس باقی تھا، اب اس کی جگہ پانچ اس لئے لینا کہ مدت سے پہلے مقروض قرض ادا کر رہا ہے گویا دوسرے نتیجہ کو بلا معاوضہ ترک کیا گیا، یا یون سمجھا جائے کہ دس کو پانچ سے بدل دیا گیا، معاوضہ مین زیادہ سے زیادہ وقت کی عجلت کو پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن طے ہو چکا ہے کہ سود کے باب مین زمانہ کی کوئی قیمت نہیں ہے، شمس الائمہ ہی نے لکھا ہے کہ صحابہ کے زمانہ مین حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ اور ابن عمرؓ عدم جواز کا فتوی دیتے تھے، نیز السرخسی نے اسی کی توجیہ دوسری جگہ ان الفاظ مین بھی کی ہے،

ان فیه مبادلة الاصل الدراهم	اس مین اصل دراہم کو اس سے کم دراہم سے بدل دینا ہے،
(جلد ۳ صفحہ ۲۲۹)	

بہرحال ربوا کی ایک شکل یہ ضرور ہے، پھر شمس الائمہ نے جیسا کہ لکھا ہے

جوز ہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب
فعرفنا انہ یجوز بین الحربی والمسلم	اس کو جائز قرار دیا تو ہم نے یہ جانا کہ مسلمان
مالا یجوز بین المسلمین،	اور الحربی مین ایسے ایسے معاملات جائز
(ج ۳ ص ۱۸۰)	ہین، جو خود باہم مسلمانون میں جائز نہین ہین،

(۶) چھٹی دلیل وہی مکحول کی روایت ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے قدما کی کتابون مین اس کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے، مشہور اس روایت کو خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، اور غالباً ان ہی کے واسطے سے یہ روایت احناف مین منتقل ہوئی، قاضی ابویوسف کے حوالہ سے امام شافعی بیان کرتے ہین، کہ ان سے امام ابوحنیفہ نے یہ کہا تھا، کہ بعض بڑے بوڑھون سے انھون نے سُنا کہ مکحول اُن سے یہ کہتے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

لاربوا بین اھل الحرب،	اہلِ حرب کے درمیان ربوا نہین ہے

قاضی ابویوسف کہتے ہین کہ مجھے خیال آتا ہے، کہ اس کے بعد شاید اہل الاسلام کا لفظ وہ بولے تھے، بہرحال مشہور شافعی محدث علامہ بیہقی نے اپنی سند سے امام شافعی تک اس کو پہنچایا ہے، اور امام شافعی نے جس طرح اس کو روایت کیا ہے، اس کا قصہ آپ سُن چکے ہین، کوئی شبہ نہین کہ سنداً اس روایت کے متعلق گفتگو کا بہت کچھ موقع ہے لیکن جیسا کہ مین نے عرض کیا کہ ان دلائل کی حیثیت شواہد و مؤیدات کی ہے، اور انداز سے معلوم بھی یہی ہوتا ہے، کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے اسی حیثیت سے اس کو استعمال بھی فرمایا، خیال گذرتا ہے کہ اصلی کلیہ سے تو بیسیون مسائل پیدا ہوتے تھے یعنی میتہ شراب خنزیر قمار وغیرہ سب ہی ان کے نیچے مندرج ہین، منجملہ ان کے ایک شکل ربوا کی بھی تھی لیکن بہ نسبت اور دن کے ربوا مین چونکہ زیادہ اہمیت تھی، اس لئے بطور مزید تائید اور تشفی کے امام نے قاضی ابویوسف کے سامنے اسے بھی دہرایا، کہ بعض بڑے بوڑھون (مشیخہ) سے مین نے یہ بات سُنی ہے جس سے اصل مسئلہ کی تائید ہوتی ہو، بہرحال کم ازکم اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ مکحول نے بیان کرنے والے پر بھروسہ ہی کرکے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہوگا، ورنہ کسی بادہوائی بات کو ظاہر ہے کہ مکحول جیسے ثقہ امام منسوب کرنے کی مشکل ہی سے جرأت کر سکتے تھے، گویا مکحول کی مرسل روایت ہوئی، سرخسی نے مبسوط مین اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

هذا مرسل ومكحول ثقة والمرسل من مثله مقبول،

یہ روایت مرسل ہے، اور مکحول ثقہ ہین، قاعدہ ہے کہ ثقہ کی مرسل روایت بھی قابل قبول سمجھی جاتی ہے،

آخر کچھ نہین تو جو مسئلہ قرآن وحدیث کے بینات سے ثابت ہو رہا ہو، اس کی مزید تائید و تقویت بھی کیا اس سے نہین حاصل ہوتی ؟

پس بجاے خود آپ اس پر اعتماد نہ کرین لیکن دوسری دلیلون کے ساتھ مل کر خود ایک دلیل یہ بھی کیا نہین بن جاتی ،

(۷) اس ساتوین دلیل کے ناقل بھی امام محمد ہی ہین، سیر کبیر مین اس حدیث کو درج کرنے کے بعد یعنی

ان رجلا من اشجع جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فشكا اليه الحاجة فقال اصبر ثم ذهب فاصاب العدو غنيمة فاتى بها الى النبي صلى الله عليه وسلم فطيبها له فانزل الله تعالى ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب

قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اپنی حاجت اور ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا کہ ذرا صبر کر، اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا، اور دشمن سے غنیمت کا مال اوس نے حاصل کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے لے کر حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو اس کے لئے پاک اور حلال قرار دیا، تب قرآن کی آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشائش کی راہ کھولتے ہین، اور روزی دیتے ہین اس کو ایسی جگہ سے جہان سے اسے گمان بھی نہ ہو

امام محمد اس کے بعد ارقام فرماتے ہین :-

فھذا اصل علمائنا فیما یصیبہ الواحد والمثنی من دار الحرب، (سیر کبیر ج ۳ ص ۸۵)

دار الحرب سے کوئی مال کسی ایک یا دو آدمی کو مل جائے تو اس کے حلال ہونے کی ایک وجہ ہمارے علمار کے نزدیک ہے،

یعنی دار الحرب کا یہ مال چونکہ غیر معصوم مال تھا، اس نئے اتجی قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے طیب ہونے کا فتوی دیا، بلکہ شانِ نزول کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اگر صحیح ہے تو خود قرآن مین بھی اس کو رزق لایحتسب قرار دیا گیا ہے، اب اس سے زیادہ پاک چیز اور کیا ہو سکتی ہے،

(۸) ممکن ہے کہ دوسرے اسے دلیل نہ قرار دین، لیکن امام محمد کے قلم سے جب یہ الفاظ نکلے ہین، یعنی حضرت عباسؓ کا ذکر کرتے ہوئے انھون نے جو یہ لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباسؓ

استاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجوع الی مکۃ فاذن لہ فکان یربی بمکۃ الی زمن الفتح وقد حرم الربوا قبل ذلک، (ص ۲۲۵)

مکہ واپس جانے کی (مسلمان ہونے کے بعد) حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت عطا فرمادی، تب وہ مکہ مین فتح مکہ کے زمانے تک سودی کاروبار کرتے رہے، حالانکہ ربوا فتح مکہ سے پہلے حرام ہوا،

تو مین اس کو صحابی کا ایک اثر قرار دیتے ہوئے منجملہ دیگر دلائل کے ایک مستقل دلیل اس کو بھی سمجھتا ہون، یعنی کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام کے فتوی کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے، حدیث سے بھی ہوتی ہے اور آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے اور اگر صحابہ کے بعد ان کے دیکھنے والے تابعین کے قول و فتوی کو تائیدی دلائل مین لوگ شمار کرتے ہین، تو لیجئے صحابہ کے بعد تابعی کا فتوی بھی لیجئے،

(۹) ابراہیم نخعی کے اسم گرامی سے کون ناواقف ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے سوا بھی بعض دوسرے صحابیون کے دیکھنے والے ہین، کہا تو یہان تک گیا ہے کہ براہ راست بعض صحابیون سے روایت بھی کرتے ہین، کچھ بھی ہو نہ ان کی تابعیت مین شک ہے اور امامت تو ان کی مسلّم عند الکل ہی ہے، امام ابوجعفر طحاوی اپنی مسلسل سند سے راوی ہین فرماتے ہین:-

حدثنا محمد بن العباس قال	مجھ سے بیان کیا محمد بن عباس نے، وہ کہتے
حدثنا علی قال حدثنا محمد	ہیں کہ مجھ سے بیان کیا علی نے، وہ کہتے ہیں
بن الحسن قال حدثنا محمد بن	مجھ سے بیان کیا محمد بن حسن (امام) نے، وہ
ابان بن صالح عن حماد عن	کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا محمد بن ابان
ابراهیم قال لا باس بالدینار	ابن صالح نے کہ حماد ابراہیم نخعی سے یہ روایت
بالدینارین فی دار الحرب بین	کرتے تھے کہ ابراہیم کہتے تھے، اس میں کوئی
المسلمین وبین اهل دار	مضائقہ نہیں کہ دار الحرب میں ایک
الحرب،	اشرفی سے دو اشرفیوں کا معاملہ مسلمان
(ص ۲۴۵)	اور دار الحرب والوں سے کیا جائے،

(۱۰) ائمہ اجتہاد و تفقہ کے اختلاف کو اپنی تائید میں جب مولانا ظفر احمد صاحب نے پیش کیا ہے تو یقیناً ان ہی ائمہ میں سے کسی ایسے امام کا اتفاق جو صرف تفقہ و اجتہاد ہی کا نہیں، بلکہ روایت اور حدیث کے حلقہ کا بھی امام ہو، ایسا امام کہ آج بخاری و مسلم جیسی حدیث کی صحیح کتابوں کی روایتوں کا ایک بڑا ذخیرہ محض انہی کے استناد پر قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے، میری مراد حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، مشکل الآثار ہی میں طحاوی نے جہاں اس مسئلہ کو ابراہیم نخعی کا مذہب قرار دیا ہے، وہیں سفیان ثوری کے براہ راست شاگرد، محدثِ جلیل، عبد اللہ بن المبارک کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ اس مسئلہ میں سفیان ثوری کا خیال بھی وہی تھا، جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، طحاوی نے مندرجۂ ذیل اپنی متصل سند کے ساتھ سفیان ثوری کے قول کو نقل کیا ہے،

حدثنا ابراهیم بن ابی داؤد	مجھ سے بیان کیا ابراہیم بن ابی داؤد نے،
وقال حدثنا نعیم قال حدثنا	وہ کہتے تھے، مجھ سے بیان کیا نعیم نے، وہ
ابن المبارک عن سفیان بذلك	کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا ابن المبارک نے
(مشکل الآثار ص ۲۴۴ ج ۲)	کہ سفیان بھی یہی کہتے تھے،

جس کے معنی یہی ہوئے کہ ائمۂ اجتہاد میں سے صرف ان کے شاگرد محمد بن حسن الشیبانی ہی امام اعظم کے ساتھ نہیں ہیں، بلکہ ان کے معصر و ہم وطن امام سفیان ثوری کا بھی یہی فتویٰ تھا، اور میں تو سمجھتا ہوں کہ مکحول والی

روایت کے مطابق انقطاعاً واتصالاً ارسالاً و وقفاً جو بحث بھی چاہے، کی جائے لیکن خود مکحول تک تو اس روایت کا انتساب محل تردد نہین ہے، پھر مکحول سے جب ان کی روایت اور اس حدیث کے خلاف کوئی فتویٰ منقول نہین ہے، تو کیون نہ سمجھا جائے کہ جس فتوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی وہ جرأت کر رہے تھے، خود اس کے مخالف وہ کیون ہون گے، بلکہ بجنسہٖ اسی بنیاد پر مین تو یہ بھی سمجھتا ہون کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے استاذ حماد بن ابی سلیمان کا مسلک بھی یہی ہونا چاہئے، وجہ اس کی یہ ہے کہ طحاوی[1] نے ابراہیم نخعی کی طرف اس قول کو حماد ہی کے حوالہ سے منسوب کیا ہے، یعنی حماد بیان کرتے ہین کہ ان کے استاذ ابراہیم نخعی کا یہی قول تھا، سوچنے کی بات ہے کہ حماد کے استاد ابراہیم کا بھی اور حماد کے شاگرد امام ابو حنیفہ کا بھی جب یہی مسلک ہے، تو اس کے کوئی معنی ہو سکتے ہین، کہ درمیان مین حماد اس کے مخالف ہون گے، اگر ایسی کوئی بات ہوتی یعنی حماد اس مسئلہ مین اپنے استاد اور براہ راست شاگرد سے مختلف خیال رکھتے، تو یقیناً بیان کرنے والے ایسے موقع پر اُسے ضرور بیان کرتے،

پس سچ پوچھئے تو میرے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذاتی اجتہاد سے اس مسئلہ کو پیدا بھی نہین کیا ہے، بلکہ اگر کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کوفہ کا بظاہر یہ ایک عام فتوی ہے، کیا ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کے دائرے سے باہر کوفہ کی فقہ جا سکتی ہے،؟ یقیناً جاننے والون سے یہ امر مخفی نہین ہے، کہ علمائے کوفہ کا مذہب ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری ہی پر عموماً منتہی ہوتا ہے،

مولانا ظفر احمد صاحب کا دعوی کہ

"امام ابو حنیفہ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی بھی قوی دلیل نہین،"

---

[1] اگرچہ طحاوی نے مشکل الآثار مین اس فتوی کو مطلقاً بغیر کسی تفصیل کے سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا ہے لیکن شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط مین بھی اور شرح سیر کبیر مین بھی سفیان ثوری کے فتوی کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لا ربوا بین الحربی والمسلم مین المسلم سے مراد ان کے نزدیک فقط اس قسم کا مسلمان ہے جو بغیر کسی معاہدہ کے غیر اسلامی حکومت مین داخل ہو کر وہان کے غیر مسلم باشندون سے اس قسم کا معاملہ کرتا ہو، لیکن جو امن و امان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کرکے غیر اسلامی ملک مین داخل ہوگا یعنی مسلم مستامن کو اس کی اجازت نہین دیتے تھے، بہرحال اتنی بات کہ الحربی والمسلم مین ربوا کا معاملہ بعض صورتون مین ربوا اور سود باقی نہین رہتا، اس کے قائل یقیناً سفیان ثوری بھی ہین، اور اثبات مدعا کے لئے یہ کافی ہے،

اس دعوی کے مقابلہ میں غالباً ثلاث عشرۃ کاملۃ یعنی امام کی تائید میں یہ دس دلیلیں سر دست انشاء اللہ کافی سمجھی جائیں گی ولئن استزدتم زدنا، کیونکہ جو دلائل اب تک پیش کئے گئے ہیں، عموماً یہ وہی ہیں جن کا تذکرہ فقہائے حنفیہ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، خود خاکسار ذاتی طور پر بھی اس مسئلہ کی تائید میں کچھ چیزیں اپنے پاس رکھتا ہے، لیکن ان کی بحث اگر چھڑ جائے گی تو بات بہت طویل ہو جائے گی، اس لئے بالفعل انہی دس باتوں پر قناعت کرتے ہوئے مولینا سے بادب دریافت کرتا ہوں کہ دلائل کو آپ تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ کہنا کہ ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں صرف ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس سے متاثر ہو کر اتنے اہم فتوی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے،

اور واقعہ تو یہ ہے کہ لفظ صرف لفظ ربوا سے متاثر ہو کر جس چیز کو خواہ مخواہ ربوا قرار دے کر اتنا ہنگامہ مچایا گیا ہے، جب معلوم ہو چکا ہے کہ سرے سے وہ ربوا ہی نہیں ہے، بلکہ اس ذیل کی ایک آمدنی مسلمانوں کی ہے جس کے متعلق فکلوہ حلالاً طیباً کا فتوی خود قرآن میں دیا گیا ہے، اس کے بعد سچ پوچھئے تو مزید کسی دلیل کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی، ابن ہمام کے حوالہ سے جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں یعنی اس مفہوم کو سمجھانے کے لئے کہ بظاہر جس چیز کو لوگ ربوا سمجھ رہے ہیں، وہ ربوا ہی نہیں ہے، اس کے لئے تو صرف مکحول والی روایت "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" ہی کافی ہے، کیونکہ یہاں قرآنی نصوص جن میں مطلق الربوا کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان کے اطلاق میں دست اندازی کر کے باوجود ربوا ہونے کے ربوا کی کسی شکل کے حلال ہونے کا (العیاذ باللہ) فتوی نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ قرآن کے اطلاق کو بالکلیہ اپنے حال پر قطعی طور سے محفوظ رکھتے ہوئے صرف اس واقعہ کا اظہار مقصود ہے، کہ مسلمانوں کی جس آمدنی کو لوگ غلطی سے ربوا سمجھ کر حرام قرار دے رہے ہیں، بتا دیا جائے کہ واقعہ میں نہ وہ ربوا ہے نہ حرام ہے، محض یہ بتانا کہ وہ حلال چیز کو تو حرام نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ واقع میں جو حلال ہے اسی کے حلال ہونے کا فتوی امام دے رہے ہیں، جو چیز سفید ہو، اگر کوئی سمجھانا چاہتا ہے کہ لوگ اس کو سیاہ نہ سمجھیں، تو کیا یہ ایسا جرم ہے جس پر اسے ملامت کی جائے، خصوصاً جب تائید میں ایک نہیں دس دس چیزیں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہوں، تو اب اس سلسلہ میں آخر کیا چاہا جاتا ہے،

فقیر کے گذشتہ بالا معروضات کا مطالعہ اگر توجہ سے کیا جائے گا، تو ان ہی میں مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے مطالبات کے جوابات بھی لوگوں کو مل سکتے ہیں، مثلاً مولانا نے امام رحمۃ اللہ علیہ کو اس فتوی کا تنہا مفتی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے :-

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے،

مگر جو کچھ میں عرض کر چکا ہوں، اس کے بعد بھی مولانائے ممدوح کا یہ الزام امام ابو حنیفہ کے متعلق واقعی الزام باقی رہ سکتا ہے، نہ صرف یہی کہ فقہ اسلامی کی مستقل شاخ جسے علمائے عراق کی فقہ کہتے ہیں اسی کا یہ ایک عام مسئلہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ مکحول کو بھی اگر اسی گروہ میں شریک کر لیا جائے، تو عراق کے ساتھ شامی فقہار کے ایک بڑے امام مجتہد و محدث کو اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا ہمنوا قرار دیا جا سکتا ہے، غالبًا قاضی ابو یوسف کے سامنے بجائے دوسرے عراقی اساتذہ ابراہیم یا حماد یا سفیان ثوری کے شامی امام مکحول کی جو روایت امام ابو حنیفہ نے پیش کی، ہو سکتا ہے کہ اس کی ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ صرف ہمارے کوفی ائمہ ہی نہیں بلکہ شام کے ایک امام حجت سے بھی یہی فتویٰ منقول ہے، کیسی عجیب بات ہے کہ جس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی حیثیت صرف مقلد ہونے کی ہے، اسی مسئلہ کو امام کے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے، اس موقع پر ہمیں اہل علم کے اس قول کو بھی نہ بھولنا چاہئے، کہ طحاوی جن کی سند سے میں نے دوسرے ائمہ کا فتویٰ نقل کیا ہے، نقل مذاہب میں ان کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ھو اعلم الناس بمذاھب الناس یعنی علمائے اسلام کے فقہی اختلافات کے وہ سب سے بڑے عالم ہیں،

چونکہ خود مسئلہ اور اس کے مالہا و ماعلیہا کے بیان کرنے میں میں نے یہ التزام کیا ہے، کہ انہی عبارتوں کو پیش کروں، جو امام محمد کی کتاب (سیر کبیر) میں پائی جاتی ہیں، یا زیادہ سے زیادہ ان کے بعد میں نے شمس الائمہ سرخسی علامہ ابو بکر کاسانی صاحب بدائع اور ابن ہمام کے اقوال پیش کئے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ اس کے بعد متاخرین ارباب فتاوی کی تعبیروں پر مولانا نے بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے امام کی طرف اس مسئلہ کے انتساب ہی کو کن یہ محل اشتباہ جو قرار دینا چاہا ہے، انشاء اللہ اس کی بھی گنجائش باقی نہیں ہو گی آخر حنفی فقہ کے مسائل کی تعبیر میں ان بزرگوں کے تصریحات پر بھی اگر اعتماد نہ کیا جائے گا، تو اب اس کے بعد وہ کون لوگ ہیں جن کے اقوال پر اس باب میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے،

باقی مولانا نے اموال کے غیر معصوم و مباح ہونے کے لئے یہ دعویٰ جو فرمایا ہے، کہ مسلمانوں اور مسلمانوں کی حکومت سے بالفعل برسر جنگ ہونا بھی اس کے لئے ضروری ہے یعنی جو برسر جنگ ہوں گے، ان ہی کے اموال شرعًا غیر معصوم اور مباح قرار دیئے جا سکتے ہیں، میں قطعًا ناواقف ہوں کہ مولٰنا نے اس دعویٰ کی بنیاد کیا ہے، کم از کم فقہ حنفی کی حد تک تو میں کہہ سکتا ہوں کہ باوجود تلاش و جستجو کے مجھے کوئی ایسی چیز اب تک

نہین ملی ہے، جس سے مولانا کے اس عجیب و غریب دعویٰ کی کسی حد تک بھی تائید ہو سکتی ہو، ہان الحربی کے لفظ سے عوام شاید یہی سمجھتے ہین لیکن مولانا جیسے مستند و جبیر عالم کے متعلق یہ کیسے باور کرلون کہ عوام کے اس عامیانہ خیال سے وہ متاثر ہین، بہرحال دعویٰ کے لئے دلیل کا مطالبہ تو ہر شخص سے کیا جائے گا، مولانا کے پاس اگر کوئی ایسی چیز ہے تو پیش فرمائین، مین تو حیران ہون کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ذمہ داریون سے بری ہونے کے لئے قرآن تو صرف المشرکین کے لفظ کو کافی قرار دے رہا ہے، شہادت لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ (جو دراصل دین اسلامی کا عنوان اور اسکی اجمالی تعبیر ہے) صرف اس سے انکار صحیح حدیثون کے رو سے اموال کو غیر معصوم بنا دیتا ہے، یا پھر قانون معاہدہ سے عصمت کی اس کیفیت کو اموال مین پیدا کیا جا سکتا ہے، جہانتک مین جانتا ہون، اموال کے معصوم ہونے کی یہی دو شرعی اور قانونی وجوہ (اسلام اور معاہدہ) قرآن و حدیث سے ثابت ہوتے ہین، لیکن بالفعل برسر جنگ ہونا، مین نہین جانتا کہ اس سلسلہ مین مولانا کی طرف سے اس قید کا اضافہ جو فرمایا جا رہا ہے، اس کی بنیاد کیا ہے،

اگر ان اموال کی حلت کے لئے بالفعل محاربہ و مقاتلہ بھی ضروری ہے، تو غنیمت مین اور ان آمدنیون مین جنھین فئ یا فی حکم الفئ کے ذیل مین فقہا شمار کرتے ہین، فرق ہی کیا باقی رہ جاتا ہے، فئ کے متعلق تو قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ مسلمانون کے ایجاف[1] خیل و رکاب سے جو نہ حاصل ہوا ہو، اور آپکے نزدیک لڑائی بھڑائی کے بغیر ان اموال کے حلال ہونے کی کوئی صورت ہی جب نہین ہے، تو آخر قرآن کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہوگا،

---

[1] قرآنی الفاظ فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب کی طرف اشارہ ہے یعنی گھوڑوں اور اونٹون پر سوار ہو کر حملہ کرکے یہ مال حاصل نہین کیا گیا ہے،

(باقی)

کلیات شبلی اردو

مولانا شبلی کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں مین پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت :- عہ

منیجر

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از

سید صباح الدین عبد الرحمٰن (علیگ) رفیق دار المصنفین

(۶)

حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

نام شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا، امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے،
شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابو بکر غازی بن فارس بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم بن محمد بن دانک بن امام اعظم ابو حنیفہؒ[۱]

ان کے والد ماجد ۔۔۔ء میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے، ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی، لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں، ان کے بعد مولینا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کی ماں تھیں،

شیخ بو علی قلندر ۔۔۔ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کئے، اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس اُن کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا، دہلی کے اکابر علماء، مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بجاری، قاضی حمید الدین صدر شریعت، مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے،

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۹۰،

لیکن جب تصوف کے کوچہ مین قدم رکھا، اور ریاضت و مجاہدہ مین مشغول ہوئے، تو جذب و سکر کی حالت مین علوم و فنون کی تمام کتابون کو دریا مین ڈال کر جنگل کی راہ لی، اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ مین آخر وقت تک مقیم رہے[1]، خزینۃ الاصفیا مین ہے، کہ معارج الولایت کے مولف نے شیخ بوعلی قلندرؒ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا خلیفہ لکھا ہے[2] لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیارحؒ کی طرف بھی منسوب ہے، اخبار الاخیار مین ہے،

"بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت و بعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیار و ہیچ یکے ازین دو نقل بصحت نرسیدہ است"[3]

سکر اور مستی کی حالت مین ایک بار مونچھین شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھین، کسی کو ترا شنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ان کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیار الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا، انھون نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھون کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا، جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بوعلی قلندرؒ اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے تھے، کہ یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے، کہ شرع محمدی کی راہ مین پکڑی گئی[4]،

شیخ بوعلی قلندرؒ کے قیام پانی پت کے زمانہ مین شمس الاولیا، حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیا، حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہان آکر قیام پذیر ہوئے،

حضرت خواجہ شمس الدینؒ ترکستان کے سادات مین اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے، اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگون کی صحبت مین رہے، مگر جب کہین تشنگی نہ بجھی، تو مرشد کامل کی طلب مین ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ملتان پہونچکر بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور تربیت پانے کے بعد وہان سے بابا فرید گنج شکر کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہونچے، جہان شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، کہ

"شمس الدین تو مرا فرزندی، از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ ام کہ این سلسلۂ ما از تو

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۰ [2] ایضاً ص ۳۲۶، [3] اخبار الاخیار ص ۱۲۱ [4] ایضاً و خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۶

جاری باشد تا قیامت بر پا ماند۔[۵۱]

اور اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھدی، وہ گیارہ سال تک پیر دستگیر کی خدمت مین رہے، مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے، ان کے لئے جنگلوں سے لکڑیان لا کر کھانا پکاتے، اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت مین مشغول رہتے، مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت مین قیام کرنے کا حکم ملا، لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت نہین پائی، اس لئے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہو گئے، اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، وہلی آکر اس کی فوج مین سوارون کے زمرہ مین داخل ہو گئے،[۵۲] کچھ دنون مین ان کے پاس کافی دولت ہو گئی، لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، شب و روز ذکر الٰہی مین مشغول رہتے،

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے :-

"ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ[۵۳] کا محاصرہ کیا، ایک زمانہ اسی حالت مین گذر گیا، اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، اسی دوران مین ایک رات ایسی سخت آندھی آئی، اور بارش ہوئی، کہ سپاہیون اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی سخت سردی پڑنے لگی، اور کسی جگہ آگ باقی نہین رہی، شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش مین نکلا، دفعتہً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ مین چراغ جل رہا ہے، اور وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدینؒ ترک) کا تھا، سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا، حضرت نے سر اٹھایا، اور فرمایا کہ اے بھائی آؤ، (غالباً) آگ چاہتے ہو لیجاؤ، وہ سامنے آیا، اور ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، اس واقعہ سے سقہ کو بیقراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب اس کے پاس پہنچا، تو حضرت کو اس مین نہ پا کر حیران ہوا، اور وہان سے واپس آکر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہین، غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا کر لے گیا تھا،"

---

۵۱ مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر الاقطاب ص ۱۸۶ ۵۲ خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۱

۵۳ قلعہ کا نام معلوم نہ ہو سکا،

دیکھ کر ایک گوشہ مین کھڑا رہا، یہان تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کرکے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سقہ نے اسی جگہ سے مشک مین پانی بھرا، اور باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا، اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا، لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہان کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لے کر اپنے کارخانہ مین گیا، اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مردِ خدا کی عظمت و برکت کے سبب سے ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہین کیا، دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی، تالاب پر پہنچا، اور پانی کو دیکھا، کہ جما ہوا ہے، قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہان تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہونچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا، حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کرکے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہوگئے، سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت مین حاضر ہوا، اور اس وقت جب سلطان دربار عام مین بیٹھا تھا، سقہ نے فریاد کی، سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کی اگر جہان پناہ میرے راز کو خلوت مین سنین تو گذارش کرون، سلطان نے اس کا موقع دیا، سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا، سلطان سُن کر متحیر ہوا، اور اپنی خوابگاہ مین اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا، جب رات ہوئی، تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا، اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا، سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا، اور سقہ کے ساتھ پاپیادہ تالاب پر پہنچا، پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا، وہ چھپ کر وہین بیٹھ گیا، یہان تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی مین جوش آگیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا، حضرت نے وضو کرکے نماز ادا کی، اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے، سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا، اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا، حضرت خیمہ مین پہنچکر قرآن مجید کی تلاوت مین مشغول ہوگئے، سلطان دست بستہ وہین کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے، تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کرکے عرض کیا، کہ یہ میری خوش قسمتی ہے، کہ آپ جیسے دوست میرے عہد مین

موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا، حضرت نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھکر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہو گی، سلطان خوش خوش رخصت ہوا، اور لشکر میں پہونچکر اسی وقت حملہ کیا، قلعہ فتح ہو گیا، سلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتحمند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، اپنے گھوڑے کو طلب کر کے فرمایا کہ یہاں سے قریب ایک بیوہ عورت رہتی ہے، اس کی ایک لڑکی جوان ہے، مگر وہ اس کی کتخدائی کرنے سے معذور ہے، تو اس کے پاس جا، اور اپنی قیمت اس عورت کو پیش کر، گھوڑا حسب ارشاد بیوہ کے پاس گیا، بیوہ نے غیب سے آواز سُنی کہ بوڑھی عورت اس گھوڑے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی لڑکی کے کار خیر میں صرف کر، اس عورت نے ایسا ہی کیا، حضرت نے اپنا بقیہ تمام اسباب، مال و متاع فقراء کو دیدیا، اور کمل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے، اور اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے، کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور کئے گئے،[1]

جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا، تو دودھ سے ایک بھرا ہوا پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بو علی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا، شیخ بو علی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کر دیا، وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے، حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا کہ شیخ بو علی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی، کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھکو عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے، شیخ بو علی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے، کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں، شیخ بو علی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص اور محبت قائم رہی،[2]

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، [2] ایضاً ص ۱۸۹،

کبیر الاولیا حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی شیخ بو علی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے، ایک دن شیخ بو علی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے، کہ کمسنی کے زمانہ مین شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرے، ان کو دیکھ کر شیخ بو علی قلندرؒ نے فرمایا،

زہے اسپ و زہے سوار

کانون مین یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہوگئے، گھوڑے سے اتر پڑے، اور اسی وقت گریبان چاک کرکے جنگل کی راہ لی، اور چالیس سال تک جنگل مین پھرتے رہے، اور اس درمیان مین مختلف درویشون اور فقیرون کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بو علی قلندرؒ سے بیعت کے لئے مصر ہوئے، شیخ نے فرمایا،

"اے فرزند عزیز کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است"

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت مین ہوا تو شیخ بو علی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لئے بھیجا، جو آگے چل کر اُن کے خلیفہ ہوئے[۱]۔

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بو علی قلندرؒ سے بڑی عقیدت تھی، وہ اُن کے حلقۂ ارادت مین بھی شامل ہوگیا تھا، اور بزرگان دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا، کہ اس مین حلم، نرمی اور خداترسی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین،

"این چنین بادشاہ حلیم و کریم واین چنین فرمان روایان وکارگذاران مہربان وخداترس بر سہ بندگان خدا نتوانند دید"

مگر ان خوبیون کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہین، لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لئے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی بیان کرتے ہین:-

"سیدی مولہ ایک درویش تھے، جو سلطان بلبن کے عہد مین ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) مین آئے، وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے مین بے نظیر تھے، لیکن جامع مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھنے نہین آتے تھے، گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۲۰۱، ۲۰۶،

جماعت کے ساتھ نماز ادا نہین کرتے تھے، جس کی پابندی تمام بزرگانِ دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے، اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے، ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمتگار نہ تھا، اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش مین مبتلا تھے، کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے، لیکن ان کے اخراجات، اتنے تھے، کہ لوگون کو حیرت ہوتی تھی، اور اس کا خیال تھا، کہ وہ علم کیمیا جانتے ہین؛ ... دروازہ کے سامنے میدان مین انھون نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر مین ہزارون روپیے خرچ کئے تھے، اس خانقاہ مین بڑی مقدار مین کھانا پکتا تھا، بری و بحری سفر کرنے والے مسافر یہان آکر مقیم ہوتے تھے، اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا، اور کھانا ایسا ہوتا تھا، کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا، خانقاہ مین ہزارون من میدہ خرچ ہوتا تھا، پانچ سو جانور ذبح کئے جاتے تھے، دو تین سو من شکر، اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی، خانقاہ کے سامنے آدمیون کا ایک ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤن تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا، اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے، جب کسی سے کوئی چیز خریدتے، یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے، تو کہتے کہ جاؤ، فلان پتھر یا اینٹ کے نیچے جاکر اتنے نقرئی ٹنکے لیلو، وہ جاتا، تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق مین طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے، یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نکلے ہون"

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین:-

"حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد مین اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے، سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخانان ان کا معتقد ہوگیا تھا، وہ اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا، امرار اور حکام کی آمد و رفت، ان کے پاس بڑھ گئی تھی، قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا بڑا قاضی تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی سے تعلقات پیدا کئے، وہ دو دو تین تین راتین خانقاہ مین بسر کرتا، اور وہان کے لوگون سے گفتگو کرتا، بلبن کے عہد کے مولازادے جو امرار اور ملوک کی اولاد سے تھے، اس گفتگو مین شریک رہتے، یہ سب عہد جلالی مین بالکل بے سروسامان، بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے،

برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے،
اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے، اور بعض دوسرے اکابر
جو عہدوں سے معزول کر دیئے گئے تھے، سیدی کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے اور ان سے
کچھ چیزیں پاتے، لوگ سمجھتے، کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے لیکن
معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خان زادے، ملک زادے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال
رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں، چنانچہ برنج تن اور ہتیا پایک کے
کوتوال نے ارادہ کیا، کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لئے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو
اس پر حملہ کر دیا جائے، اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے
کر دیا جائے، اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے
اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں، ان بے کار
لوگوں میں سے ایک شخص جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان
جلال الدین تک پہنچا دیں، سیدی اور ان کے ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے،
سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا، اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا، کہ انکار
کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کرایا جاتا، چنانچہ وب کے لئے حکم جاری کیا گیا،
سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے، دوسرا
کوئی ثبوت نہ تھا، اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا اس لئے بہارپور کے میدان میں آگ
روشن کی گئی، سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہونچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا
سلطان نے شہر کے تمام اکابر علما، و مشائخ کا محضر طلب کیا، اس میدان میں شہر کے خواص و
عوام بھی جمع ہوئے، سلطان نے حکم دیا، کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے
تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے، لیکن اس کے بارے میں جب علما، سے استفتا کیا گیا تو
متدین علما نے کہا کہ وب نامشروع ہے، اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں
کی جا سکتی ہے، سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے، اور ایسے جرم میں ایک شخص کی شہادت
قابل سماعت نہیں، اس لئے سلطان نے وب کا ارادہ ترک کر دیا، اور قاضی جلال کو جو فتنہ

کا سرغنہ تھا، بدایون کا قاضی بنا کر وہان بھیجدیا، خان زادون اور ملک زادون کو جلاوطن کر دیا، اور ان کی املاک ضبط کرلی، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزادی، اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا، سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا، اس مجمع مین شیخ ابو بکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے، سلطان نے اُن سے خطاب کرکے کہا اے درویشان! انصاف من ازین مولہ بستانید، بحری نامی ایک حیدری نے بڑھکر سیدی کو استرے سے زخمی کردیا، ارکلی خان نے کوشک کے اوپر سے فیلبانون کو اشارہ کیا، ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا، اور ان کو پاؤن تلے مسل ڈالا"

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین :-

"ایسا حلیم و بردبار بادشاہ اس معاملہ مین مشورون کو سننے کی طاقت نہ پیدا کرسکا، اور ایسا حکم صادر کردیا جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی، مجھکو یاد ہے، کہ جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا، اور تاریکی چھاگئی، سیدی مولہ کے قتل کے بعد ملک مین طرح طرح کے فتور پیدا ہوگئے، بزرگون نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے، اور کسی بادشاہ کو راست نہیں آتا، سیدی مولہ کے قتل کے بعد اس سال بارش نہین ہوئی، دہلی مین قحط پڑ گیا، اور غلہ ایک جیتیل مین ایک سیر ملنے لگا، سوالک کے علاقہ مین ایک قطرہ بھی نہین بارش ہوئی، اس سرزمین کے ہندو عورتون اور بچون کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے، اور بھوک سے بیتاب ہوکر اپنے کو جمنا مین غرق کردیتے تھے، ادنیٰ لوگ سلطان اور امرا کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے"[1]

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے :-

"جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا بے اندازہ باد و غبار فضا مین اٹھا، دنیا تاریک ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے، سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہوگیا، جو پہلے نہ تھا"[2]

علاء الدین خلجی بھی حضرت شیخ بو علی قلندرؒ کے حلقہ ارادت مین تھا، خزینۃ الاصفیاء مین ہے،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۲-۲۰۸، [2] اخبار الاخیار ص ۶۹،

جلال الدین و علاء الدین بادشاہان دہلی ہم حلقۂ ارادت آنحضرت بگردن خود داشتند[۵۱]"

۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، "تاریخ وفات" یا "شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے، کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے، کہ اعزہ و اقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لیجاکر دفن کر دیا[۵۲]، چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے،

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں،

(۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامۂ شرف الدین (۳) مثنوی کنز الاسرار (۴) رسالۂ عشقیہ،

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

"او را مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولے جملۂ آن بنام اختیار الدین می گوید[۵۳]"،

خزینۃ الاصفیاء میں ہے :-

"مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است، کتابے است جامع علوم توحید[۵۴]"

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا، شاید یہ مکتوبات اسی کے نام ہوں، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں :-

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے، اور تم کو تم سے دور کیا جائے، تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا، اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہو جائے، تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ، اور جب عاشق بنکر معشوق ہو گئے، تو اسی طرح کام کرو، معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لوگے، اے برادر! معشوق کو تمھاری ہی صورت میں پیدا کرکے تمھارے درمیان

---

۵۱ خزینۃ الاصفیاء، جلد اول ص ۳۲۷ ۵۲ ایضاً ص ۳۲۸ ۵۳ اخبار الاخیار ص ۱۲۱ ۵۴ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۶

بھیجا گیا ہے، تاکہ براہ راست تم کو وہ دعوت دے، اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا اور اس کا حکم ہے، کہ دونون پر کئے جائین گے معشوق کو عاشقون کے ساتھ بہشت مین جگہ دیجائے گی، اور شیطان اپنے ساتھیون کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا، بہشت و دوزخ مین عاشقون کے سوا کوئی نہین ہوگا، دونون عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہین اور دونون مقام غیر نہ ہون گے، بہشت دوستون سے وصال کا مقام ہے، دوزخ دشمنون کے لئے جائے فراق ہے، یہ فراق کافرون اور منافقون کو حاصل ہوگا، اور وصال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقون اور دوستون کو نصیب ہوگا، اے برادر! چشم دل کو کھول لو، اور اچھی طرح سے دیکھو، اور یہ جانو، کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمھارے لئے کیا کیا چیزین اور کیا کیا تماشے پیدا کئے ہین، اپنا حسن ایک درخت مین منتقل کر دیا ہے، اور گوناگون میوے پیدا کئے، ہر میوہ مین علیحدہ مزہ رکھا، اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہوگی، تمھارے لئے پیدا کیا، اور اس کو شکر کی خبر نہیں، مشک کو ہرن کی ناف مین رکھا، [illegible] تمھارے لئے ہے، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہین، گائے سے عنبر کو تمھارے لئے پیدا کیا، اور گائے کو عنبر کی خبر نہین، زباد کو بلی سے تمھارے لئے پیدا کیا، اور بلی کو زباد کی خبر نہیں، کافور کو تمھارے لئے درخت سے پیدا کیا، اور درخت کو کافور کی خبر نہین، صندل کو تمھارے لئے پیدا کیا، اور صندل کو اپنی خبر نہین، اے برادر! عاشق ہو جاؤ، اور دونون عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو، عاشق نے اپنے عشق سے تمھارے وجود کا ملک بنایا تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمھارے آئینہ میں دیکھے، اور تم کو محرم اسرار جانے، اور الانسان سری (انسان میرا بھید ہے) تمھاری شان مین آیا ہے، عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو، عقبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے، اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے، دونون مین معلوم کرو کہ تمھارے لئے کس کو پیدا کیا ہے، اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو، جب تم نفس کو پہچان لوگے، تو دنیا کو بھی پہچان سکوگے، اور اگر روح کو پہچان لوگے، تو عقبیٰ کو بھی پہچان لوگے، اے برادر! دنیا! کفر مین جو حسن رکھا گیا ہے، عاشق جانتے ہین، کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے

عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کردیا ہے، جو دنیا کا عاشق ہے، اس کا معشوق کفر کا حسن ہے، اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن کا جو غمزہ کفر مین رکھا گیا ہے، اس نے کس قدر پرلطف تیر دنیا والون پہ مارا ہے، اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے، اے برادر! اپنی جستجو مین رہو، اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لوگے، تو عشق کو بھی جان سکوگے، اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھوگے تو کل الانسان کی کیفیت اپنے مین پاؤگے، عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گرد مین دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ مین معائنہ کرو،

آن شاہد معنی کہ ہمہ طالب اویند ہم اوست کہ از جا در تو سوختہ سر پوش

در بادیۂ ہجر چہ ابسند بما نیم در عین وصالیم نگارا بست در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ، اور اس سے سو گولے بنالو، اور ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ، اور ہر صورت کا ایک نام رکھو، بعض کو گھوڑا، اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہیگا اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتون کو توڑ کر قند کا گولہ بنا لو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا"

ایک دوسرے مکتوب مین فرماتے ہین :-

"اے برادر! یہ نہین معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لئے پیدا کیا گیا، اور ہم لوگون کے ساتھ کیا ہوگا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے، اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے، اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ مین بجالاتی ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے، اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے، اور اپنے باطن کے تماشہ مین مصروف ہو جاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، نافذ ہو جائے، اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے، اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے، خیال دنیا کی آرایش نفس کو دکھلاتا ہے، اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے، اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے، اور

(نفس) شوق اور آرایش کی آسایش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا، اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی ہے، اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے، کہ وہ دفعۃً اگر اس کو فنا کردے گی، دنیا کی آرایش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے، کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے، جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے، اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی، کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی، تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے، اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے، اے برادر! سوچو کہ تمھارے سامنے ایک مہم درپیش ہے، اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے، اے برادر! کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں، جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا، اس وقت تم کو معلوم ہوگا، کہ یہ قسمت میں لکھا تھا، کہ تمھارے سامنے آیا' اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں، کہ میں کیا کروں، اور مجھ سے کونسا کام بن پڑے گا، اور کیا میری زبان سے نکلے گا، زبان خدا کی قدرت میں ہے، اگر تم پر خدا کا فضل ہوا، تو تمھاری زبان سے وہ بات نکلے گی، جو دونوں جہان کو پسند ہوگی، اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا، اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے' يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (یعنی جو کچھ اس نے چاہا، اس کو کیا، اور جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے، کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں ''[1]

حکم نامہ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں :-

" ورسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ اورا حکم نامۂ شیخ شرف الدین می گویند"

ظاہر آنست کہ آن از مخترعات عوام است "[2]

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، (دیکھو کٹیلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۰۰ نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں، مثنوی کنز الاسرار اور رسالہ عشقیۂ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے صرف اتنا لکھا ہے :-

---

[1] یہ دونوں مکتوب اخبار الاخیار سے لئے گئے ہیں، ص ۱۲۱ و ۱۲۲ [2] اخبار الاخیار ص ۱۲۱

"وسوائے ازین مثنوی است، مختصر کہ مخزن رموز توحید و معارف است"

(جلد اول ص ۳۲۲)

۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء مین مطبع نامی لکھنؤ سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بوعلی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا، اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ کا ہے، تو ہم اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہین، کیونکہ اس مین عشق پر بہت سے اشعار ہین، مثلاً :-

عشق کو بے بال و پر طیران کند — عشق کو در لامکاں جولان کند

عشق کو تا تاجِ سلطانی نہد — عشق کو ملکِ سلیمانی دھد

عشق کو تا چشمِ دل بینا کند — عشق کو تا سینہ پُر سودا کند

عشق کو تا عقل را زائل کند — عشق کو تا عقل را حاصل کند

عشق کو تا جام مدہوشی دہد — عشق باید تا فراموشی دھد

عشق دہ تا بے خبر سازد مرا — بادہ گو بے پاو سر سازد مرا

عشق باید تا دہد جام شراب — عشق سازد ساغرِ آفتاب

اس مین قریب ۲۶۳ اشعار ہین، مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے :-

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن — از گلِ رعنا بگو با ما سخن

مرحبا اے قاصدِ طیارِ ما — می دہی ہر دم خبر از یارِ ما

مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال — مرحبا اے طوطی شکر مقال

در زمان ہفت آسماں راطے کنی — مرکبِ حرص و ہوا را پے کنی

دمبدم روشن کنی در دل چراغ — ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ

از تو روشن گشت فانوسِ تنم — از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم

مرحبا اے رہنمائے راہ دین — از تو روشن شد مرا چشم یقین

یافت قالب طینتِ پاکی ز تو — شد پریشان آدمِ خاکی ز تو

مرحبا اے فیض بخش کائنات — یافت ترکیب از وجود تو حیات

آگے چل کر ایک شیخ کے زہد و تقوی کی تصریح کی گئی ہے،

زہد و تقویٰ چیست اے مرد فقیر — لا طمع بودن ز سلطان و امیر

زہد و تقویٰ نیست این کز بہر خلق — صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق

شانہ و مسواک و تسبیح و ریا — جبہ و دستار و قلبِ بے صفا

پیش و پس گردد مریدِ ناخلف — چون خر ابلہ پئے آب و علف

چون بہ بینی چند کس بیہودہ گرد — خویش را گوئی منم مردانہ مرد

دام اندازی برائے مرد و زن — خویش را گوئی منم شیخ زمن

وعظ گوئی خود نیاری در عمل — چشم پوشی ہمچو شیطانِ دغل

مکر و تلبیس و ریا کارت بود — ہر نفس شیطان ترا یارت بود

چون شوی استادہ از بہر نماز — دل بود در گاہ خر اے حیلہ ساز

آن نماز تو شود آخر تباہ — فکر باطل ہا کند رویت سیاہ

چون در ایمانت فتد آخر قصور — ہان چرا خوانی نماز بے قصور

بر مصلا چون نشینی قبلہ رد — چشم پوشی دل بود جاے گرد

خادمان گویند این شیخ زمان — چشم پوشیدہ ست از خلق جہان

شیخ را لاہوت باشد منزلش — شد فنا ذاتِ بقا شد حاصلش

این خوشامد گوی چندین ابلہان — رہزنانند رہزنانند رہزنان

از ستایش خویشتن را گم مکن — عیب خود بین عیب بر مردم مکن

اے گرفتار آمدی در بند نفس — نفس کافر را بکش بشکن قفس

تا کنی پرواز سوے اصلِ خویش — جا کنی در آشیانِ وصلِ خویش

اس کے بعد دنیا کی حرص و ہوا سے پرہیز کی تعلیم ہے :-

دل چو آلودست از حرص و ہوا — کے شود مکشوف اسرار خدا

صد تمنا در دست اے بو الفضول — کے کند نورِ خدا در دل نزول

دین و دنیا ہر دو کے آید بدست — این فضول بیجا مکن اے خود پرست

بر تو قسمت میرسد اے بے خبر — پس چرا قانع نہ بر خشک و تر

حرصِ تو دلقِ قناعت پارہ کرد
نفسِ امارہ ترا آوارہ کرد

ہست دنیا پیرزالِ پُر فریب
می کند پیر و جوان را بے شکیب

عارفان دادند او را صد طلاق
ہر کہ عاشق شد بدو گشت عاق

این سخن در گوش داری ای جوان
مولوی گفتہ ز روے امتحان

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دون
این خیال است و محال است و جنون

نفس کشی کی تلقین اس طرح کی گئی ہے :۔

مرد باید تا نہد بر نفس پا
بگذرد از شہوت و حرص و ہوا

دست ہمت را برافراز و بلند
نفس را چون صید آرد در کمند

دست را کوتاہ ساز دار ہوس
بشکند با چنگ ہمت این قفس

گر خوری یک لقمہ از وجہ حلال
نور تابد بر دل از مہر کمال

گر شوی از لقمۂ شبہہ نفیر
نفس را سازی بفضل حق اسیر

دل شود روشن ز نور آئینہ وار
پرتو انداز در آئینہ نگار

چون کشائی چشم ما اہل یقین
ہر طرف تابان جمال یارِ بین

اسی کے بعد توحید و معرفت کی مصوری کی گئی ہے :۔

یار را می بین تو در ہر آئینہ
سوز و ساز اوست در ہر قطعہ

ہر چہ آید در نظر از خیر و شر
جملہ ذاتِ حق بود اے بے خبر

اوست در ارض و سما و لامکان
اوست در ہر ذرہ پیدا و نہان

پاس دار انفاس اے اہلِ خرد
تا ترا این فاصلہ منزل برد

اوست پیدا و نہان و آشکار
جلوہ ہا کردست در ہر شے نگار

ہوش در دم دار اے مرد خدا
یک نفس یک دم معاش از حق جدا

نفی گردان از دلِ خود ماسوا
تا نہ گنجد در دلت غیر از خدا

زنگِ دل از صیقلِ لا پاک کن
سینہ با تیغ محبت چاک کن

اسم ذاتِ او چو بر دل نقش بست
سکۂ ضرب محبت خوش نشست

گشت چون بر نقشِ دل نقشِ اله | غیر نقش الله را اے دل مخواہ
چون شوی فانی تو از ذکر خدا | راہ یابی در حریم کبریا
چون بمانی با خدا یابی وصال | خویش را گم ساز اے صاحب کمال
ہر کہ شد در بحرِ عرفان آشنا | ذرہ ذرہ قطرہ داند از خدا

عرفان کے لئے چشم بینا اور دلِ مصفا ضروری ہے :-

چشم دل بکشا جمالِ یار بین | ہر طرف ہر سو رُخِ دلدار بین
چشم باید تا بہ بیند روے یار | جلوہ گر دست در ہر شے نگار
نیست پوشیدہ رُخِ دلدارِ تو | لیک این نقص ست در ابصارِ تو

عشقِ الٰہی میں جو مدہوشی اور خود فراموشی ہونی چاہئے، اس کی تصویر ان اشعار سے نمایاں ہوتی ہے، جو شروع میں نقل کئے گئے ہیں، اس سلسلہ کے کچھ اور اشعار ملاحظہ ہوں :

ہیچ میدانی کہ اصلِ عشق چیست | عشق را از حسنِ جانان زندگیست
حُسنِ جانان چون نظر در خویش کرد | گشت شیدا عشق را در پیش کرد
عشق چون جبرئیل در معراجِ حُسن | بر سرِ عاشق نہد صد تاجِ حُسن
عاشق و معشوق گردند ہر دو یک | ہم تو ئی معشوق و عاشق نیست شک
اے کہ گشتی واقف از اسرارِ عشق | نہ قدم مردانہ اندر کارِ عشق
سر بر آور زیرِ پاے عشق نہ | بعد ازان سر در ہواے عشق نہ
عشقبازی نیست کارِ بوالہوس | خام طبعان حاضر اند ہمچون مگس
گر کنی جان را تو بر جانان نثار | در عوض یک جان دہد صد جان نگار
کشتگانِ عشق را جانِ دگر | ہر زمان از غیب احسانِ دگر

مثنوی کا خاتمہ حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے :-

یا الٰہی چشمِ بینائی بدہ | در سرم از عشق سودائی بدہ
آتش انگن در دلم مانندِ طور | شعلہ بر خیزد وگرد و زنگ دور
سالہا شد از تو می خواہم ترا | حاجتم را چون نمی سازی روا

از لسان الغیب این گرددنوید | از درِ توکس نہ گشتہ ناامید
ہرکہ بر درگاہِ تو رو آورد | نا امید از درگہ توچون رود
ہرکہ آید بر درت امیدوار | شاہدِ مقصود یابد در کنار
اے خداے من بہ حقِ مصطفیٰ | از طفیلِ حرمتِ آلِ عبا

روز محشر دار با آلِ رسول
از طفیلِ مقبلان گردد قبول

(باقی)

تاریخی کتابین

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط واقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

ضخامت :- ۳۵۰ صفحے ، قیمت :- للعہ

رقعاتِ عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط ورقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم وادب سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت سے. ضخامت ، ۴۴۰ صفحے،

"مینجر"

ابو شحمہ کا واقعہ

از

جناب عبداللہ نسیم طالوت ڈیرہ غازی خان

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے لاگ عدل و انصاف کے سلسلے مین واعظین کی زبانون سے اور تاریخ و سیر کی کتابون مین ان کے بیٹے کی شراب خواری اور ان پر حد شرعی قائم کرنے کا قصہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شبلی نے بھی الفاروق حصہ دوم مین اس واقعہ کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے:-

"سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنا دیا، اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ اُن کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا، جس مین دوست و دشمن کی تمیز نہ تھی، ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے، کہ وہ جرائم کی پاداش مین کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہین کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے، کہ خاص اپنی اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگون کو صبر آجاتا تھا، ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی، خود اپنے ہاتھ سے ان کو ۸۰ کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے"[1]

اس واقعہ کو مختلف لوگون نے مختلف طریقون سے بیان کیا ہے، شیخ حسین دیار بکری کی تاریخ خمیس مین تین روایتین بیان کی گئی ہین، جو مختلف کتابون سے لی گئی ہین،

ایک حضرت عمرو بن العاص رضی کی حسب ذیل روایت ہے:-

"حضرت عمرو بن العاص رض سے روایت ہے کہ مین مصر مین اپنے گھر مین تھا، کہ مجھ سے کہا گیا کہ عبدالرحمن بن عمر اور ابو سروعہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہین، ان کے علاوہ دوسرے

---

[1] الفاروق حصہ دوم طبع دہلی، صفحہ ۲۵۲،

شخص کی روایت مین عبدالرحمٰن اور ایک آدمی کا جو عقبہ[1] بن حارث کے نام سے مشہور ہے، نام ہے، مین نے کہا وہ اندر آجائین، دونون اندر آے تو وہ افسردہ تھے، اور انھون نے کہا کہ ہم پر خدا کی حد جاری کیجئے کہ ہم نے کل شام کو شراب پی، اور ہم کو نشہ آگیا، مین نے اُن کو جھڑک کر نکال دیا، اب عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر تم ایسا نہ کروگے، تو مین اپنے باپ کو جب اُن کے پاس جاؤنگا، اس کی اطلاع دونگا، اب مجھے یقین ہو گیا کہ اگر مین ان دونون پر حد جاری نہ کرونگا تو مجھ پر حضرت عمرؓ غصہ ہون گے، اور مجھ کو معزول کردین گے، اس لئے مین ان کو گھر کے صحن مین لایا، اور ان کو حد ماری، عبدالرحمان گھر کی کوٹھری مین گھس گئے، اور اپنا سر مونڈا، کیونکہ حد مارے جانے کے وقت لوگ سر منڈا لیا کرتے تھے، لیکن مین نے حضرت عمرؓ کو اس کے متعلق ایک حرف بھی نہین لکھا، یہان تک کہ میرے پاس اُن کا خط آیا، جس مین بسم اللہ کے بعد یہ لکھا تھا کہ خدا کے بندے عمر کی جانب سے عمرو بن العاص کو معلوم ہو کہ تمھاری اس جرأت اور بدعہدی سے تعجب ہوا، اور مین تم کو معزول کرکے چھوڑونگا، تم عبدالرحمٰن کو اپنے گھر مین حد مارتے ہو، اور اپنے گھر مین ان کے بال مونڈتے ہو، حالانکہ تم کو معلوم ہے، کہ مین اس کا مخالف ہون، عبدالرحمان تمھاری رعایا ہے، اس کے ساتھ وہی سلوک کرو، جو اور مسلمانون کے ساتھ کرتے ہو، لیکن تم نے امیرالمومنین کا بیٹا سمجھ کر اوس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا، حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ مین کسی حق مین کسی شخص کے ساتھ رعایت نہین کرتا، جب تم کو میرا یہ خط ملے، تو فوراً اس کو ایک عبا مین پالان پر بٹھا کر میرے پاس بھیجو، تاکہ وہ اپنی بداعمالی کا مزہ چکھ لے، اونھون نے جیسا کہ ان کے باپ نے کہا تھا ان کے پاس بالکل اسی طرح بھیجدیا، اور ایک معذرت نامہ لکھا کہ مین نے ان کو اپنے گھر کے صحن مین حد ماری، اور خدا کی قسم جس سے بڑی کوئی قسم نہین، مین اپنے گھر کے صحن ہی مین ہر مسلمان اور ذمی کو حد مارتا ہون، اس خط کو انھون نے عبدالرحمٰن بن عمر کے ساتھ روانہ کیا، عبدالرحمٰن اوس کو اپنے باپ کے پاس لائے، اور ایک عبا پہنے ہوے اُن کے

---

[1] ان دونون روایتوں مین تخالف نہین بلکہ ابوسروعہ عقبہ بن الحارث کی کنیت ہے، اور وہ بدری صحابی ہیں دیکھو تاریخ وسیرت عمر بن الخطاب ابن جوزی ص۲۴۳،

پاس اس طرح آئے کہ سواری کی خرابی کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے، انھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن تم نے یہ جرم کیا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے بارے میں سفارشی گفتگو کی، اور کہا کہ اے امیرالمومنین ان پر حد جاری ہو چکی ہے، لیکن انھوں نے اُن کی طرف توجہ نہیں کی، عبدالرحمٰن نے شور و غل کیا، کہ میں بیمار ہوں، اور آپ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن انھوں نے ان کو دوبارہ حد ماری، اور قید کر دیا، وہ پہلے بیمار ہوئے پھر مر گئے۔[۱]

دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے، جو دیار بکری نے کتاب المنتقی اور الریاض النضرہ سے نقل کی ہے:-

"مجاہدین نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے پر حد جاری کی، اور اس کی وجہ سے ان کو مار ڈالا، حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ اے رسول اللہ کے چچا کے لڑکے ہم کو بتائیے، کہ انھوں نے کیونکر اپنے بیٹے پر حد جاری کر کے اس کو مار ڈالا، بولے میں ایک دن مسجد میں تھا، اور حضرت عمرؓ بھی لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک لونڈی آئی اور اس نے ان کو سلام کیا، جس کا انھوں نے جواب دیا، اور پوچھا کہ تم کو کوئی ضرورت ہے؟ اس نے کہا ہاں اپنے اس بچے کو مجھ سے لے لیجئے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا، اس پر لونڈی رو پڑی، اور کہا کہ اے امیرالمومنین اگر وہ آپ کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ آپ کے لڑکے کا لڑکا ہے، بولے میرا کون لڑکا؟ اس نے ابوشحمہ کا نام لیا، بولے جائز طور پر یا ناجائز طور پر؟ اس نے کہا کہ میری جانب سے جائز طور پر، اور آپ کے لڑکے کی جانب سے ناجائز طور پر" حضرت عمرؓ نے کہا، کیونکر؟ خدا سے ڈر، اور صرف سچ کہہ، اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں ایک دن جا رہی تھی، بنو نجار کے باغ کے پاس پہونچی، تو دفعۃً آپ کے لڑکے ابوشحمہ نشہ میں جھومتے ہوئے آگئے، انھوں نے ایک یہودی نسیکہ کے پاس شراب پی تھی، پھر مجھ کو مائل کیا، اور مجھ کو باغ میں کھینچ لے گئے، اور مجھ سے مباشرت کی، میں بیہوش ہو گئی، اور اپنے معاملہ کو اپنے چچا اور اپنے پڑوسیوں سے چھپایا، یہاں تک کہ

---

[۱] تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۰۱۔

جب وضع حمل کا وقت آیا، تو فلان جگہ نکل گئی، اور اس بچے کو جنا، اور اس کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا، پھر اس پر مجھ کو ندامت ہوئی، اب خدا کے حکم کے مطابق میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے، حضرت عمرؓ نے منادی کرائی، اور لوگ تیزی کے ساتھ مسجد کی طرف دوڑتے ہوئے آئے، پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ جب تک مین آنہ لون یہان سے نہ جانا، پھر نکلے تو کہا کہ اے ابن عباسؓ میرے ساتھ جلدی چلو، وہ چل کر اپنے گھر مین آئے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہا کہ یہان میرا لڑکا ابوشحمہ ہے؟ جواب ملا کہ وہ کھانا کھا رہے ہین، آپ ان کے پاس آئے اور کہا کہ صاحبزادے کھالو، ممکن ہے کہ دنیا مین یہ تمھارا آخری کھانا ہو، ابن عباسؓ کہتے ہین کہ مین نے لڑکے کو دیکھا کہ اس کا رنگ بدل گیا وہ کانپنے لگا اور لقمہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا، اب اوس سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ مین کون ہون، اوس نے کہا آپ میرے باپ اور امیرالمومنین ہین، حضرت عمرؓ نے کہا تم پر میری اطاعت کا حق ہے یا نہین؟ اس نے کہا آپ کی دو اطاعتین فرض ہین، کیونکہ آپ میرے باپ بھی ہین، اور امیرالمومنین بھی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے باپ کے حق سے بتاؤ، کہ تم نسیکہ یہودی کے مہمان تھے، اور وہان تم شراب پی کر مست ہوئے، بولے کہ ہان صحیح ہو لیکن مین نے توبہ کر لی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ توبہ مسلمانون کا راس المال ہے، پھر ان سے قسم دلا کر پوچھا کہ تم بنو نجار کے باغ مین گھسے، اور وہان ایک عورت دیکھی، اور اس سے مباشرت کی، وہ خاموش ہو گئے، اور رو پڑے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ کوئی ہرج نہین، سچ کہو، کیونکہ خدا سچ کہنے والون کو دوست رکھتا ہے، بولے ایسا ضرور ہوا لیکن مین توبہ کرتا ہون، اور اس پر نادم ہون، حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو ان کا ہاتھ پکڑا اور مسجد تک گھسیٹ لائے انھون نے کہا کہ اے باپ مجھکو رسوا نہ کیجئے، تلوار لیجئے، اور مجھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیجئے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تم نے خدا کا ارشاد نہین سنا، کہ زانی اور زانیہ کی سزا کے وقت مسلمانون کے ایک گروہ کو موجود رہنا چاہئے، پھر ان کو صحابہ کے سامنے گھسیٹ کر مسجد مین لائے، اور کہا کہ عورت نے سچ کہا، اور ابوشحمہ نے اس کا اقرار کیا، حضرت عمرؓ کا ایک غلام افلح نامی تھا، انھون نے اس سے کہا کہ میرے اس لڑکے کو پکڑ کر اپنے پاس لیجاؤ اور اس کو سو کوڑے مارو، اور

مارنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو، اس نے کہا کہ میں ایسا نہ کروں گا، اور رو پڑا، بولے میری اطاعت خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، میں جو حکم دیتا ہوں، اس کی تعمیل کرو، جب اس نے اُن کے کپڑے اتارے، تو لوگ چیخ مار کر رونے لگے، اور ابو شحمہ نے اپنے باپ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اے باپ مجھ پر رحم کیجئے حضرت عمرؓ نے رو کر کہا کہ میں تو اس سے کہتا ہوں، کہ خدا تجھ پر اور مجھ پر رحم کرے، پھر کہا کہ افلح مارو، اس نے حد ماری، اور وہ فریاد کرنے لگے، لیکن حضرت عمرؓ یہی کہتے رہے، کہ مارو، جب ستر کوڑے مارے جا چکے تو انھوں نے کہا کہ اے باپ مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیجئے، انھوں نے کہا بیٹا اگر تمھارا خدا تم کو پاک کر دے گا، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ایسا پانی پلائیں گے، کہ اس کے بعد تم کو پھر پیاس نہ لگے گی، اے غلام اس کو حد مار، اس نے حد ماری جب کوڑے کی تعداد اسی تک پہنچ گئی، تو لڑکے نے کہا کہ اے باپ "السلام علیک" حضرت عمرؓ نے کہا کہ "علیک السلام" اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا تو میرا اسلام پہنچا دینا، اور کہنا کہ آپ نے عمر کو خلیفہ بنایا، وہ قرآن پڑھتا ہے، اور حدود جاری کرتا ہے، اے غلام اس کو مار، جب کوڑے کی تعداد نوے تک پہونچی، تو اس کی زبان بند ہو گئی، اور وہ کمزور ہو گیا، صحابہ نے اپ کہا کہ اے عمر دیکھو کتنے کوڑے اور باقی رہ گئے، ان کو کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی کر دیں لیکن انھوں نے کہا کہ جس طرح گناہ دوسرے وقت پر ٹالا نہیں جاتا، اسی طرح سزا بھی نہیں ٹالی جا سکتی شور ان کی ماں تک پہونچا، تو وہ روتی پیٹتی آئیں، اور کہا کہ ہر کوڑے کے بدلے میں ایک حج پیادہ پا کروں گی اور اتنے درہم خیرات دوں گی لیکن انھوں نے کہا کہ حج اور صدقہ حد کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، چنانچہ انھوں نے پوری حد ماری، اور آخری کوڑے پر لڑکا مر کر زمین پر گر پڑا، اب حضرت عمرؓ چیخے اور کہا کہ اے لڑکے خدا نے تجھکو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا، پھر اس کے سر کو اپنی گود میں رکھا، اور رو کر کہنے لگے، میرے بیٹے جس کو حق نے قتل کیا، . . . . جو حد کے نفاذ کے وقت مر گیا . . . . وہ جس پر اس کے باپ اور اعزہ نے رحم نہیں کیا اب لوگوں نے دیکھا تو وہ دنیا کو چھوڑ چکا تھا، ہم نے اس سے زیادہ سخت دن نہیں دیکھا، اور لوگ رونے اور چیخنے لگے"۔

تیسری روایت دوسری روایت سے اس باب میں مختلف ہے، اس کے مطابق زنا کی خبر ابوشحمہ خود آکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں دیتے ہیں، اور وہ چار دفعہ ان سے اقرار کرا کے حد قائم فرماتے ہیں پہلے سولہ دُرے حضرت علیؓ لگاتے ہیں، اور باقی حضرت عمرؓ خود پورے کرتے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"حضرت عمرؓ کے ایک لڑکا تھا جس کا نام ابوشحمہ تھا، وہ ایک دن ان کے پاس آیا، اور کہا کہ میں نے زنا کیا ہے، مجھ پر حد جاری کیجئے، اُنھوں نے کہا کہ تم نے زنا کیا، اوس نے کہا ہاں، اسی طرح چار بار کہا، پھر پوچھا کہ تم نے اس کو حرام نہیں سمجھا، اس نے کہا ہاں سمجھا، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ مسلمانو! اس کو پکڑو، اس پر ابوشحمہ نے کہا کہ مسلمانو! جس نے زمانۂ جاہلیت یا زمانۂ اسلام میں زنا کیا ہے، وہ مجھ کو نہ پکڑے، اسوقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے، اور اپنے بیٹے حسینؓ سے کہا تو انھوں نے ان کا داہنا ہاتھ پکڑا، پھر سولہ کوڑے مارے، جس سے وہ بیہوش ہوگئے، پھر کہا کہ جب تم اپنے خدا کے پاس جانا، تو کہنا کہ مجھ کو اس شخص نے حد ماری ہے، جس پر تیسری حد واجب نہیں ہے، پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے، اور سو کوڑے مار کر حد پوری کی، اور وہ اس کے صدمے سے مر گئے، اور کہا کہ میں دنیوی سزا کو اخروی سزا پر ترجیح دیتا ہوں، اب لوگوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین ہم ان کو بغیر غسل و کفن کے دفن کر دیں، وہ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں بولے ہم اس کو غسل و کفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، کیونکہ وہ خدا کی راہ میں نہیں مارا گیا ہے، بلکہ حد کی وجہ سے مر گیا ہے،

اب اگر غور کیا جائے، تو ان تینوں روایتوں میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے، ان تینوں کو صحیح نہیں مانا جا سکتا، کیونکہ تینوں جگہ جرم کا ارتکاب کرنے والا ایک ہی آدمی ہے، جس کا نام ابوشحمہ عبدالرحمٰن بن عمر ہے، اور جرم کا انجام ہر ایک جگہ یہ ہے، کہ وہ حد کے ختم ہوتے ہوتے خود ختم ہو جاتا ہے، اگرچہ کمال الدین دمیری کی ایک روایت[1] کے مطابق شراب خوری میں محدود حضرت عمرؓ کا وہ لڑکا ہے، جس کا نام عبیداللہ ہے، اس طریقے پر دو روایتیں صحیح ہو سکتی ہیں مگر دمیری کی یہ روایت عقلاً و نقلاً غلط ہے، عقلاً تو اس لئے کہ عبیداللہ کی زندگی حضرت عمرؓ کے بعد ثابت ہے، اور وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے

---

[1] حیاۃ الحیوان ص ۲۹۱ بحث دیک،

جنگ صفین[1] مین قتل ہوئے، اور نقلاً اس طرح کہ دمیری کی یہ روایت تاریخ و سیر کی جملہ روایتون کے خلاف ہے، وہ خود بھی کہتے ہین :-

والذی فی السیران المحدود	سیر کی کتابون مین ہے، کہ شراب پینے
فی الشراب ابنہ الا وسط	کے جرم مین حضرت عمرؓ کے منجھلے بیٹے
ابوشحمۃ واسمہ عبدالرحمن	ابوشحمہ کو سزا دی گئی، جن کا نام عبدالرحمن
وامہ ام ولد یقال لھا	تھا، اور ان کی ماں ایک لونڈی تھیں جن
الھیبۃ"[2]	کو ہیبہ کہتے تھے،

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینون روایتون مین سے کونسی صحیح یا صحت سے زیادہ قریب ہے، جسے قبول کیا جاسکے، پہلی روایت تاریخ و سیر اور قصص و حکایات کی تقریباً جملہ کتابون مین ملتی ہے، مگر دوسری دونون حکایتین قصص و وعظ کی کتابون سے آگے نہین بڑھتین، چنانچہ علامہ شبلی مرحوم نے بھی الفاروق میں بھی پہلی روایت بالاختصار بیان فرمائی ہے اور دوسری روایتون کی معارف ابن قتیبہ کے حوالہ سے تغلیط بھی فرمادی، چنانچہ فرماتے ہین :-

"ابوشحمہ کے قصہ مین واعظون نے بڑی رنگ آمیزیان کی ہین، لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو شرعی سزا دی، اور اسی صدمہ سے انھون نے انتقال کیا، دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمرؓ[3]"

لیکن تاریخی حیثیت سے خود اس روایت پر بھی بہت کچھ جرح و قدح ہوسکتی ہے، مولانا نے ابوشحمہ کے متعلق فرمایا کہ اس نے شراب پی، سب سے پہلے یہی لفظ محل نظر ہے، اگرچہ طبری کی روایت اس کی موید ہے اور وہ ۲۱ھ کے واقعات مین لکھتے ہین :-

وَفیھا غزا عبد اللہ وعبدالرحمن	اسی سنہ مین حضرت عمرؓ کے دو
ابنا عمر وابو سروعۃ فقدموا	لڑکے عبد اللہ اور عبدالرحمن نے اور
مصر فشرب عبد الرحمن و	ابو سروعہ جہاد کی غرض سے مصر آئے،

---

[1] تاریخ خمیس ص ۲۸۱، و تاریخ سیرت عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۲۳۴ [2] حیوۃ الحیوان کمال الدین دمیری ص ۲۹۱ [3] حاشیہ الفاروق ج ۲ ص ۸۸،

ابو سروعۃ الخمر وکان من امرھما ما کان[۱]" اور عبدالرحمن اور ابوسروعہ نے شراب پی، اور ان کا جو حال ہوا وہ ہوا،

مگر یہ شرب الخمر کا لفظ مورخ کا اپنا ہے، ممکن ہے انھین بھی علامہ شبلی کی طرح غلط فہمی ہوئی ہو جن روایتون مین خود راویون کے الفاظ نقل کئے گئے ہین، وہان اصبنا الباحۃ شرابا وسکرنا[۲] کے الفاظ ہین، جن کے معنی جہان یہ ہو سکتے ہین، کہ ہم نے شراب پی ہے، وہان یہ بھی ہو سکتے ہین، کہ ہم نے نبیذ یا دوسری کوئی پینے کے قابل چیز پی ہے، کیونکہ عربی مین لفظ "شراب" عام معنون مین استعمال ہوتا ہے، جو خمر اور غیر خمر دونون کے لئے عام ہے، خمر کو بھی شراب کہتے ہین، اور نبیذ وغیرہ کو بھی شراب کہتے ہین، پس جو لفظ دو معنون مین استعمال ہوتا ہو، اس سے بلا قرینہ کوئی ایک معنی نہین مراد لئے جا سکتے، بلکہ "وسکرنا" کا خصوصیت سے ذکر اس بات پر دال ہے کہ جو چیز پی گئی ہے، وہ خمر نہین، کیونکہ اس کا تو قلیل وکثیر حرام ہے، اور اس مین بغیر سکر کے بھی حد واجب ہے، اس قرینے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے، کہ نبیذ پی گئی تھی، اور اس خیال سے پی گئی تھی، کہ یہ مسکر نہین، مگر پی لینے کے بعد جب اس نے نشہ پیدا کر دیا، تو سخت خلجان پیدا ہوا، چنانچہ دونون حضرات خود امیر کے پاس آئے، اور اپنی تطہیر کی خاطر حد مارنے پر اصرار کیا، حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور ایک بدری صحابی کے متعلق یہ بدگمانی کہ انھون نے جان بوجھ کر شراب پی، ایک بہت بڑی جرات ہے، روایت کے سیاق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ایک ایسی چیز پی جس کے پینے مین وہ مضائقہ نہین سمجھتے تھے، مگر چونکہ وہ نشہ آور ثابت ہوئی، اس لئے وہ دونون دوڑے ہوئے امیر (عمروؓ بن العاص) کے پاس آئے تاکہ ان کی تطہیر ہو جائے، عمروؓ بن العاص کی روایت مین ہے، "فزبرتھما وطردتھما[۳]" ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت ابن العاصؓ نے بھی شرب خمر نہین سمجھا، بلکہ شرب نبیذ ہی سمجھا، ورنہ کوئی وجہ نہین کہ وہ حد لگانے مین پس وپیش کرتے، پھر ابن جوزی کی روایت مین یہ بھی آتا ہے، کہ عبدالرحمن نے جب اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انھون نے کہا کہ آؤ گھر کے اندر مین تمھاری تطہیر کر دون[۱]، مگر پھر عبدالرحمن نے بتایا کہ وہ امیر کو بتلا چکے ہین، اور اب اس کی کوئی صورت نہین، حالانکہ حضرت ابن عمرؓ فقہائے امت مین سے ہین، اور لیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین

---

[۱] تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری جلد ۴ ص ۲۲۹ [۲] تاریخ وسیرت عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۲۳۶ وتاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ [۳] سیرت ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۲۳۸

پر بھی ان کی نظر تھی، وہ شارب خمر کے لئے کس طرح فرما سکتے تھے کہ ادخل اللہ ادا طھرت، پس اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، کہ کوئی نبیذ کی قسم کی چیز پی لی گئی، اور اس سے تھوڑا بہت نشہ ہوگیا، تو دونوں حضرات خدا کے خوف اور اپنے تقوی و تورع کے باعث اس بات کے درپے ہوگئے، کہ اسی جہان مین اس قصور کی سزا بھگت لین، باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ شراب نہین تھی، اور ایک بار اس کی حد لگائی جا چکی تھی، تو پھر حضرت عمرؓ کو مکرر حد لگانے کی ضرورت کیون پیش آئی، تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی اولاد و اقارب کے معاملہ مین بہت ہی سخت گیر واقع ہوئے تھے، کیونکہ اُن کے ساتھ ذرا سی نرمی دوسرون کی جرأت کا باعث بن سکتی تھی، تاریخ سے تھوڑا بہت مس رکھنے والے یہ جانتے ہین، کہ انھون نے ہمیشہ اپنے اعزہ واقربا پر دوسرون سے زیادہ سختی کی، حضرت ابن عمرؓ کو باوجود استحقاق کے بھی خلافت سے محروم کرگئے، بلکہ یہان تک فرما گئے کہ اہل شوری اس بات پر متفق بھی ہون، تب بھی انھین خلیفہ نہ بنایا جائے، جب کبھی کسی کام کو روکتے تو سب سے پہلے اپنے گھر مین آکر اس کے متعلق سخت سے سخت تنبیہ فرماتے، اور صاف صاف کہدیتے کہ اگر تم مین سے کسی نے اس کا ارتکاب کیا تو اُسے دوگنی سزا ملے گی، خود اس واقعہ مین اپنی اولاد کے ساتھ ان کی سختی کا ثبوت ملتا ہے، ابن جوزی نے تصریح کی ہے کہ جب عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمن بن عمر مصر مین جہاد کی غرض سے گئے تو حضرت عمرؓ نے ابن العاص امیر مصر کو صاف صاف لکھدیا کہ میرے بیٹے آرہے ہین، خبردار ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے، ان کے پاس کسی قسم کا کوئی تحفہ بھیجا جائے اور نہ ان کے مکان پر اُن سے ملنے کے لئے جایا جائے[۵۱] چنانچہ حضرت ابن العاص کو جب ان حضرات کے آنے کی اطلاع ملی، تو باوجود دلی خواہش کے وہ حضرت عمرؓ کے ڈر کے مارے نہ اُن سے ملنے گئے، نہ ان کی کچھ خاطر و مدارات کی، حالانکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے علو مرتبت کی وجہ سے یقیناً اس بات کے مستحق تھے، کہ امیران سے عزت و تکریم سے ملتے، اور اپنے ہان مہمان رکھتے،

بہرحال ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی اولاد کے معاملے مین بہت سخت گیر تھے، چنانچہ جب عبد الرحمن بن عمر مدینہ گئے تو آپ نے تنبیہاً و تادیباً انھین مارا اور حضرت عبد الرحمن بن عوف کے اس کہنے کے باوجود کہ امیر المومنین انھین حد لگائی جا چکی ہے، آپ ان کو مارتے رہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار صرف تادیباً تھی، ورنہ حد لگائے جانے کے علم کے بعد آپ

---

[۵۱] تاریخ وسیرت عمر بن الخطاب صفحہ ۲۳۶،

دوبارہ حد کو لگا نہین سکتے تھے، پھر حضرت ابن العاصؓ نے بھی اپنے خط مین بہت بڑی قسم کھا کر یہ لکھدیا تھا، کہ مین نے انھین حد شرعی دہین لگائی ہے، جہان دوسرے مسلمانون کو لگایا کرتا ہون، اور ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہین ہوئی، اس خط کے دیکھنے اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی اطلاع کے بعد بھی وہ مارتے رہے، تو وہ یقیناً حد شرعی نہین ہو سکتی، تادیبی مار ہو سکتی ہے،

امام ابن جوزی نے بھی سیرت عمر بن الخطاب مین اس روایت کے بیان کے بعد اسی قسم کی رائے کا اظہار فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہین،

قلت ولا ينبغي ان يظن بعبد الرحمن	مین کہتا ہون کہ عبد الرحمٰن بن عمر کی
بن عمر انه شرب الخمر وانما	نسبت یہ بدگمانی کرنا مناسب نہین کہ
شرب النبيذ متأوّلاً وظن	انھون نے شراب پی، بلکہ انھون
ان ما شرب منه لا يسكر	نے تاڑی پی تھی، جس کو انھون نے
وكذلك ابو سروعة وابو	جائز سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ
سروعة من اهل بدر فلما خرج	اس سے نشہ نہ ہوگا، یہی حال ابو سرعہ
بهما الامر الى السكر طلبا	کا ہے، جو اہل بدر سے تھے، لیکن جب
التطهير بالحد وقد كان	ان کو نشہ آگیا تو انھون نے پاک ہونے
يكفيهما مجرد الندم على التفريط	کے لئے حد کی درخواست کی، ان کے لئے
غير انهما غضبا لله سبحانه	صرف ندامت کافی تھی، لیکن وہ خود
على انفسهما المفرطة فاسلما	خدا کے لئے اپنے ظالم نفس پر غصہ ہوئے
الى اقامة الحد، واما كون	اور اپنے آپ کو حد جاری کرنے کے لئے
عمر اعاد الضرب على ولده	پیش کر دیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے
فليس ذلك حداً وانما ضربه	لڑکے کو جو دوبارہ مارا، تو یہ حد نہ تھی
غضباً وتاديباً والا فالحد	بلکہ غصہ سے اور ادب دینے کے لئے انھون
لا يكرر، وقد اخذ هذا	نے ایسا کیا، ورنہ حد دوبارہ جاری نہین کی
الحديث قوم من القصاص	جاتی، اس حدیث کو قصہ گویون کی ایک

فابد وا فیہ داعا دوا	جماعت نے لیا، اور اس مین خوب رنگ آمیزیا
فتادۃ یجعلون ھذا الولد	کین، کبھی وہ کہتے ہین کہ اس لڑکے کو سزا تو تھی
مضروبا علی شرب الخمر	کے جرم مین سزا دی گئی، اور کبھی کہتے ہین کہ
وتارۃ علی الزنا ویذکرون	یہ سزا زنا پر دی گئی، اور ایسی رقت انگیز
کلاما رقیقا یبکی العوام	باتین کہتے ہین جس سے عوام رو پڑتے ہین لیکن
لا یجوز ان یصدر من مثل	ایسی بات حضرت عمرؓ جیسے شخص سے صادر
عمر وقد ذکرت الحدیث	نہیں ہو سکتی مین نے اس حدیث کو اس
بطرقہ فی کتاب الموضوعات	کی روایتون کے تمام طریقون کے ساتھ
ونزھت ھذا الکتاب عنہ	کتاب الموضوعات میں بیان کر دیا ہے
(صفحہ ۲۳۹)	اور اس کتاب کو اس سے محفوظ

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس کہانی مین صرف اتنی باتین صحیح ہین کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عمرؓ بن الخطاب جہاد کی غرض سے مصر گئے، وہان انھون نے اتفاقاً نبیذ پی، وہ نشہ آور ثابت ہوئی، انھون نے اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر حضرت عمرو بن العاص امیر مصر کو خود اطلاع دی، اور باصرار کہا کہ انھین حد شرعی سے پاک کیا جائے، عمرو بن العاص نے ایسا ہی کیا، حضرت عمرؓ کو پرچہ نویسون کے ذریعہ اطلاع ملی، کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس معاملہ مین ان سے نرمی برتی، حالانکہ یہ بات غلط تھی، چنانچہ انھون نے عبد الرحمٰن کو حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق ان کے پاس بھیجدیا، اور خط مین بہت بڑی قسم کھا کر صاف لکھدیا، کہ مین نے ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہین کیا، مگر چونکہ حضرت عمرؓ کو اپنی اولاد کی ذرا سی لغزش بھی گوارا نہ تھی، بنا برین انھون نے عبد الرحمٰن کے پہنچتے ہی انھین تادیباً سزا بھی دی، اور قید بھی رکھا، حد شرعی، سفر کی کوفت، اور مکرر باپ کی سزا نے عبد الرحمٰن کو بیمار کر دیا، اور وہ چند دنون کے بعد رہگرای عالم بقا ہو گئے،

اس کے علاوہ جس قدر جزئیات ہین، وہ یا تو قصہ گویون کی پیدا کردہ ہین، یا راویون کی اپنی رائین ہین، دوسری روایتین اگرچہ بہت رقت آفرین اور گریہ آور ہیں، مگر حضرت عمرؓ کی حقیقی عظمت اور عبد الرحمٰن بن عمرؓ کی للہیت و تقویٰ کا اظہار جس قدر اس صحیح روایت سے ہوتا ہے، اس قدر دوسری روایت سے نہیں ہوتا، دوسری روایات مین حضرت عمرؓ صرف عادل ثابت ہوتے ہین، کہ انھون نے اپنی اولاد کی رعایت بھی اقامت حد و تعزیر

ین نہ کی، مگر اس روایت سے عدالت سے زیادہ بھی کچھ ثابت ہوتا ہے، کہ انھون نے عدالت وانصاف کے بعد بھی اپنے گھر والون کو تادیبی سزائین دین تاکہ آیندہ وہ کسی لغزش کی جرات ہی نہ کر سکین،

علامہ ابن جوزی کی تصریحات کے بعد علامہ شبلی کے الفاروق کے یہ الفاظ کہ

"ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی، خود اپنے ہاتھ سے ان کو اسی کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے،"

یقیناً قابل تصحیح ہو جاتے ہین، اور عام تاریخی روایتون پر اعتماد کی وجہ سے یہ تسامح ہو گیا، اگرچہ قدرے تسامح پر تنبیہ بھی ہوا، مگر پورے طور پر علامہ مرحوم نے چھان بین نہ فرمائی، ورنہ کوئی وجہ نہین کہ وہ اس نتیجہ پر نہ پہنچے جس پر ہم پہنچ سکے ہین[۵]، ھٰذا عندی واللہ اعلم و علمہ اتم،

[۵]:- معارف:- آپ اس لئے پہنچ سکے، کہ سیرۃ العمرین لابن الجوزی چھپ کر آپ کے مطالعہ مین آگئی،

الفاروق

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، عراق و شام مصر و ایران کی فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، یہ کتاب مولانا شبلی کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، مطبع معارف نے نہایت اہتمام سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جس کے ساتھ دنیاے اسلام کا رنگین نقشہ بھی شامل ہے، طباعت و کاغذ عمدہ

قیمت:- سے ضخامت:- ۱۲ ۳ ۱ صفحے،

خلفاے راشدین

اس مین خلفاے راشدین کے ذاتی حالات، فضائل، مذہبی اور سیاسی کارنامون، اور فتوحات کا مفصل بیان ہے،

قیمت:- سے ضخامت:- ۴۸۰ صفحے،

"منیجر"

عزیز لکھنوی کا ایک شعر

(۱) کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

مخدومی السلام علیکم

آپ کا بڑا کرم ہے کہ آپ نے میرا مضمون اسی ماہ کے شمارہ مین شائع فرما دیا، اس کے صفحہ ۳۰۱ پر عزیز کا مشہور شعر نقل ہوا ہے :-

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش مین

میرا خیال تھا کہ یہ خیال عزیز کو سب سے پہلے پیدا ہوا ہوگا، لیکن مخدومی قبلہ نواب صدر یار جنگ علامہ محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی مدظلہ کا گرامی نامہ کل ملا، جس مین انھون نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ مضمون خاقانی کے یہان پہلے تھا، وہ گرامی نامہ ملفوف کرتا ہون، آپ مناسب سمجھین تو دسمبر ہی کے معارف میں اسے شائع فرما دین، تاکہ دوسرے حضرات کو بھی معلوم ہو سکے، کہ وہ مشہور شعر عزیز کا نتیجۂ تخیل نہین ہے بلکہ وہ پہلے سے موجود تھا، کرم ہوگا،

والسلام ناچیز غلام مصطفےٰ خان،

(۲) حبیب گنج علی گڈہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء

گرامی قدر سلمہ :- ابھی تمھارا مقالہ عزیز لکھنوی پر پڑھکر معارف ہاتھ سے رکھا ہے، حسب معمول خوش گفتنی و در سفتنی،

ایک عجیب اتفاق ہے عزیز کا ایک بہترین شعر فارسی شعر کا بجنسہ گویا ترجمہ ہے،

عزیز، معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیان مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش مین

خاقانی، در لفظ مدینہ دیدم از معجزات عیان مہ شق شدہ گرفتہ دین را بہ میان

زندہ باش حبیب الرحمٰن "

استفسار و جواب

علامہ سعد اللہ خان مدار المہام شاہجہان بادشاہ

جناب مولوی سید سیاح الدین صاحب کاکاخیل
مدرسہ عزیزیہ، جامع مسجد، بھیرہ، ضلع سرگودھا

"حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرحد و افغانستان اور شمالی پنجاب میں ایک نہایت مشہور بزرگ گذرے ہیں، زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور میں ان کا مزار ہے، ۱۰۶۳ھ میں انھون نے وفات پائی، ان کے احوال و مناقب میں جو پشتو اور فارسی زبان میں تذکرے لکھے گئے ہیں، ان سب میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے، کہ نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم شاہجہان، پنجاب کا ایک غریب شخص تھا، حضرت شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاکر حاضر ہوا، اور اپنی ارادت ظاہر کرکے دنیاوی ترقیات کے لئے دعا کی طلب کی، چنانچہ انھون نے دعا فرمائی، اور اس کی برکت سے تدریجاً وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا، پس کیا عہد شاہجہانی کی مستند تاریخون میں یہ یا اس قسم کا کوئی واقعہ کہین درج ہے؟ اور نواب سعد اللہ خان کے حالات مفصل طور سے کس کتاب میں مل سکتے ہیں"۔

معارف:۔ سعد اللہ خان سے آپ کی مراد علامہ سعد اللہ ہین، ان کا مولد و منشا لاہور ہے، ان کا تذکرہ عہد شاہجہانی کی تاریخون بادشاہ نامہ، عمل صالح وغیرہ مین تفصیل سے ملے گا، نیز ہندوستان کی دوسری تاریخون مین بھی، جن مین دور شاہجہانی کے حالات ہیں ان کا ذکر موجود ہے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ شاہنواز خان کی مآثر الامراء مین شیخ ابو الفضل کی طرح ان کے سوانح حیات بھی درج نہ ہو سکے، میر غلام علی آزاد نے اس کمی کا تذکرہ مآثر الامراء کے دیباچہ مین کیا ہے (مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۱) لیکن علامہ سعد اللہ شاہجہانی عہد کے ایسے ممتاز اکابر مین تھے، کہ ان کے حالات گرچہ تذکرۂ رجال مین نہ آسکے، مگر ہندوستان کی عام تاریخون مین امتیاز کے ساتھ موجود مین، ذیل مین بادشاہ نامہ سے ان کے حالات کا اجمالی خلاصہ پیش ہے،

علامہ سعد اللہ، شاہجہانی عہد کے ممتاز علماء مین سے تھے، شاہجہانی عہد کی تاریخون مین طبقۂ علما

مین ان کا نام سر فہرست رکھا گیا ہے۔ بادشاہ نامۂ عبد الحمید لاہوری مین ہے :-

" علامۃ الوریٰ فہامۃ العصر سعد اللہ خان باستیفار فنون علوم معقولہ و منقولہ و استقصاے صنوف دانش و حفظ قرآن مجید وجودت قریحت و اضاءت ذہن و اصابت فکر و فرط معلومات و فصاحت زبان و حسن تقریر قصب السبق از دانشوران روزگار ربودہ و بیامن انظار خاقانی و برکات توجہات جہانبانی بہ منصب عالیہ فائز گشتہ، بپایۂ والاے وزارت کل رسیدہ است و شرح احوال آن عالی مرتبت و ارتقا بمراتب دولت و رطی وقائع سال چہارم از دوم دور جلوس عالم آرا نگاشتہ آمد" (ج ۲ ص ۵۷)

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور میں ہوئی، بچپن مین قرآن مجید حفظ کیا، اور عقلی و نقلی علوم مین دستگاہ حاصل کی، مطالعہ وسیع تھا، اور تقریر و تحریر مین مہارت رکھتے تھے، اور اپنے وقت کے ممتاز خطیب اور انشا پرداز سمجھے جاتے تھے، یہ صحیح ہے کہ انھون نے حیرت انگیز طور پر چند سال کے اندر ترقی کی اور بلند سے بلند منصب و عہدہ پر فائز ہوئے،

شاہجہان اُن کے فضل و کمال کا شہرہ سُن کر ان کا گرویدہ ہوا، موسوی خان کو ان کے حاضر دربار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ یوم یکشنبہ ماہ رمضان المبارک ۱۰۵۰ھ کو شاہجہانی دربار مین پیش ہوئے، شاہجہان اُن سے غیر معمولی توجہ و التفات سے پیش آیا، خلعت خاصہ سے نوازا، اور ایک سال کے اندر منصب ہزاری ذات و دوصد سوار اور خطاب خانی سے سرفراز کیا، اور دولتخانہ خاص کی داروغگی کے منصب پر مامور کیا، اس طرح ان کا سلسلہ شاہی محل سے وابستہ ہوگیا، (بادشاہ نامۂ ملا عبد الحمید لاہوری ج ۲ ص ۲۳۰)

اس کے بعد ان کے مناصب مین یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی، چنانچہ ۱۰۵۳ھ میں ان کے منصب مین پانصدی صد سوار کا اضافہ ہوا، اس طرح ان کا منصب ہزار و پانصدی سہ صد سوار قرار پایا، اور حلقۂ خاصہ سے ایک فیل مرحمت کیا گیا، (بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۳۳۶)

پھر اسی سال ماہ رمضان مین منصب دو ہزاری و پانصد سوار عطا ہوا، اور خدمت میر سامانی تفویض ہوئی (ص ۳۴۷) پھر ۱۰۵۴ھ مین منصب دو ہزار و پانصدی ششصد سوار عطا ہوا (ص ۳۹۵) پھر چند ماہ کے بعد منصب سہ ہزاری ششصد سوار قرار پایا، (ص ۴۰۵) پھر طویلۂ خاص سے طلا کار ساز سے مزین گھوڑا عطا ہوا، (ص ۴۰۷) اس کے بعد ۱۰۵۵ھ میں منصب سہ ہزار ہشت صد سوار پر پہنچے، (ص ۴۲۲) پھر اسی سال عنایت خاص سے ایک ہاتھی عطا کیا گیا (ص ۴۲۵) اور خالصۂ شریفہ کی دیوانی

اور فرامین کے مضامین کی تسوید کی خدمت سپرد ہوئی، (رص ۳۱ ۴) پھر اسی سال ماہ رجب میں منصب پنج ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار سے ممتاز ہو کر عہدۂ وزارت کل "مدار المہامی" پر مامور کئے گئے، اور قلمدان وزارت کے ساتھ غیر معمولی خلعت فاخرہ سے سرفراز کئے گئے، (رص ۳۳۴) پھر منصب پنج ہزاری ذات و دو ہزار سوار و علم و نقارہ سے سرفراز کئے گئے، (رص ۴۱) پھر شش ہزاری بنائے گئے (رص ۴۹) پھر ۱۰۵۶ھ میں منصب شش ہزاری و سہ ہزار سوار سے ممتاز کئے گئے، (رص ۵۰۵) اس کے بعد بھی جلد سے جلد ترقی کرنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۰۶۰ھ میں منصب ہفت ہزاری، و ہفت ہزار سوار پر سرفراز کر دئیے گئے،

(رص ۶۷۹، ۸۱۷)

اس طرح یہ صرف ۸ سال کے اندر حصول منصب کے بعد ہفت ہزاری تک پہنچ گئے، یہ صحیح ہے کہ ایسی ترقی کی مثالیں مغلیہ عہد کی تاریخ میں کم مل سکیں گی، اگرچہ شاہجہانی عہد کی تاریخوں میں حضرت شیخ رحمکار کا صاحب رحمہ اللہ سے دعائیں لینے کا وہ واقعہ میری نظر سے کہیں نہیں گذرا جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے، مگر یہ واقعہ ہے، کہ انھوں نے غیر معمولی دنیاوی ترقی کی، اور اپنی ترقی کے مدارج کو خلاف معمول غیر معمولی عجلت سے طے کیا، اس لئے اگر اس واقعہ کا سبب کسی درویش کامل کی نظر توجہ کو قرار دیا جائے تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں ہے، ایسے واقعات پیش آیا کرتے ہیں،

شاہجہاں کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا، ان کے دورِ وزارت کے کارنامے اور مختلف مکاتیب و فرامین کے تذکرے، شاہجہانی عہد کی تاریخوں میں موجود ہیں، ان سے ان کی اعلیٰ استعداد اور ملکی نظم و نسق کے خوبی سے انجام دینے کا اندازہ ہوتا ہے،

علامہ سعد اللہ ۱۰۶۶ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے، شاہجہاں خود بار بار ان کی عیادت کے لئے جاتا تھا، چند ماہ کی علالت کے بعد اسی سال انھوں نے وفات پائی، وفات کے بعد ان کے بڑے لڑکے لطف اللہ کو منصب ہفت صدی صد سوار اور دوسرے لڑکوں کو دیگر مناصب و وظائف سے سرفراز کیا گیا، علامہ سعد اللہ کو ملک کے ہر طبقہ میں ہر دلعزیزی حاصل تھی، ان کی وفات پر عام ماتم کیا گیا، کہ اس دور کی اس اہم شخصیت نے صرف چند سال میں اعلیٰ سے اعلیٰ منصب و عہدہ پر فائز ہو کر سلطنت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین خدمات انجام دئیے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو درگذر فرمائے، اور انعامات اُخروی سے بھی سرفراز فرمائے،

"س"

جامع الرموز اور اس کے مصنف

جناب میاں علاء الدین صاحب بی اے بی ٹی این۔اے۔یس ہائی اسکول، بوریوالا، ضلع ملتان | "مجھے اپنے والد صاحب کے کتب خانہ سے عربی زبان میں فقہ کی ایک کتاب

کا ایک قلمی نسخہ ملا ہے، کتاب کا نام "شرح مولانا شمس الدین محمد قہستانی بر مختصر وقایہ اسمی جامع الرموز" ہے، کتاب آٹھ سو صفحوں پر مشتمل ہے، اور ہر صفحہ پر ستائیس سطریں ہیں، کتاب کی آخری سطر میں کتابت کی تاریخ مندرجۂ ذیل لکھی ہے،

"سنة احدی واربعین وتسعمائة من الهجرة النبوية على صاحبها افضل السلام"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب ۹۴۱ھ کی لکھی ہوئی ہے، لکھائی نہایت ہی خوشخط اور دیدہ زیب ہے۔

میرے ذی علم احباب نے مجھے مشورہ دیا ہے، کہ میں اس کتاب کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کروں، لہذا ملتمس ہوں کہ آپ مجھے جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں اور اس تصنیف اور اس کے مصنف کے حالات روشنی میں لائیں، نیز مطلع کریں کہ یہ کتاب چھپ چکی ہے یا نہیں"

معارف:۔ گرامی نامہ ملا، جامع الرموز فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہے، یہ مختصر وقایہ کی شرح ہے جس پر علمائے احناف صدیوں سے اعتماد رکھتے ہیں، اس کے مصنف علامہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی بخارا اور ما دراء النہر کے ممتاز ائمہ وقت میں گذرے ہیں، وہ اس کی تصنیف سے ۹۴۱ھ میں فارغ ہوئے اس لئے اگر آپ کے مملوکہ نسخہ پر سنہ کتابت ۹۴۱ھ درج ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں، کہ یہ اسی سال کا نسخہ ہے جس سال یہ کتاب تصنیف ہوئی، اس حیثیت سے آپ کے نسخہ کو ایک ندرت حاصل ہے، لیکن مصنف کا انتساب آپ کے نسخہ میں قہرستانی سے ظاہر کیا گیا ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ان کی نسبت "قوہستانی" یا "قہستانی" ہے، قوہستان جنوبی خراسان کے ایک سلسلۂ کوہ کا نام ہے،

جامع الرموز کا قدیم تر مطبوعہ نسخہ جو میرے علم میں ہے، وہ مطبع مصطفائی دہلی کا ہے، جو ۱۲۸۲ھ میں

دہلی سے شائع ہوا اور ۱۳۱۰ھ میں قازان سے یہ کتاب تین جلدون میں مع شرح وحواشی شائع ہوئی ہے،

مصنف کا سال وفات ۱۰۶۲ھ یا بہ روایت ۹۹۵ھ ہے،

والسلام

ملا موہن بہاری

جناب سید حسن امام صاحب حسینی منزل، گیا،	"ملا موہن بہاری کے حالات مطلوب ہین"،

معارف:- ملا موہن بہاری کا اسم گرامی محی الدین، اور لقب موہن بہاری تھا، یہ قصبہ بہار شریف (ضلع پٹنہ) مین پیدا ہوئے، اور یہین انھون نے نشو ونما پائی، یہان ان کے والد ملا عبد اللہ بہاری کا مدرسہ قائم تھا ۹ سال کی عمر مین کلام اللہ حفظ کیا، پھر اپنے والد محترم سے علوم کی تحصیل شروع کی، اور ۲۰ سال کی عمر مین فارغ التحصیل ہوئے اس کے بعد کچھ دنون اپنے وطن مین درس وافادہ کی خدمت پر مامور رہے، پھر دلی کی راہ لی، اور شاہجہان کی خدمت مین باریاب ہوئے، اور شاہزادہ محمد اورنگ زیب کی تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی گئی، اور اس تعلق سے دلی مین اقامت اختیار کر لی؛ پھر تصوف کی طرف طبع کا میلان ہوا، حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی کے نبیرہ حضرت شاہ حیدرؒ سے بیعت کی، اور وطن واپس جاکر ریاضت ومجاہدہ اور مسلمانون کی روحانی پیشوائی اور اصلاح وتزکیہ مین عمر گذار دی، ۸۴ سال کی عمر مین ۱۰۶۰ھ مین بہار شریف مین وفات پائی، اور یہین تدفین عمل مین آئی،

ملا موہن بہاری کے سوانح مآثر الکرام (جلد اص ۲۴۳) مین مندرج ہین لیکن کسی اور تذکرہ مین ان کا ذکر نظر نہین آیا، یہ استفسار وجواب معارف مین شائع کر دیتا ہون: ناظرین مین سے اگر کسی کی نظر سے ان کا ذکر کسی تذکرہ مین گذرا ہوگا، تو وہ ہمین یا آپ کو مطلع کر سکین گے،

"والسلام"

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کے لغات کا مجموعہ، مع ضمیمہ مولانا مسعود عالم ندوی، قیمت: ۱۲ر

"منیجر"

وفیات

مولانا شبلی مرحوم فقیہ ندوۃ العلماء

اعظم گڈھ کی سرزمین سے تین شبلی پیدا ہوئے، اتفاق سے تینوں کسی نہ کسی حیثیت سے ندوہ سے وابستہ رہے، ایک نے وہان تعلیم وتربیت پائی، اور شبلی متکلم کے خطاب سے مشہور ہوئے، اس وقت مدرستہ الاصلاح سرائے میر کے مہتمم اور صدر مدرس ہیں، دوسرے اس کے معتمد تعلیم بلکہ روح رواں تھے، جن کو دنیا علامہ شبلی کے نام سے جانتی ہے، تیسرے مولانا شبلی فقیہ ندوہ تھے، جنھون نے نہ وہان تعلیم پائی اور نہ کسی خاص شہرت کے مالک ہوئے، مگر ندوہ اور ندویون کو ان کی ذات سے ان کے دوسرے ہمنام بزرگون سے کم فائدہ نہین پہنچا، ندوہ کے ابتدائی چند سال کے علاوہ اس کی پچاس سالہ زندگی کے ہر دور مین یہ ہمارے مولانا شبلی نظر آئین گے، اس دور کا کوئی ایسا ندوی نہین ہے جو ان کا شاگرد نہین، اور ان کے سامنے اس نے زانوے تلمذ تہ نہین کیا،

ولادت اور تعلیم وتربیت غالباً ۱۸۶۲ء مین ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤن جیراجپور مین پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد عربی کی تحصیل کے لئے فرنگی محل لکھنؤ اور پھر مدرسہ عالیہ رامپور گئے، وہان کئی برس رہ کر تعلیم کی تکمیل کی،

مولانا اپنے قیام رامپور کا قصہ اکثر بیان کرتے تھے، فرماتے تھے کہ دو ڈھائی روپیہ ماہانہ کل خرچ ہوتا تھا، عہ مین دونون وقت کھانا کھاتا تھا، ۸ر چراغ کے تیل پر خرچ ہوتا تھا، اور ۸ر دھوبی صابون وغیرہ، اور ۲ر ۸ر حجامت وغیرہ پر،

تکمیل تعلیم کے بعد ہی مولانا مدرسہ چشمۂ رحمت غازیپور مین صرف ونحو کے مدرس مقرر ہوئے،

ندوہ مین آمد علامہ شبلی نعمانی مرحوم مردم شناس بھی تھے، ایک مرتبہ اتفاق سے غازیپور گئے ہوئے تھے، چشمۂ رحمت مین بھی جانے کا اتفاق ہوا، اور مولانا شبلی کا انداز تدریس دیکھ کر ان کو آمادہ کر کے اپنے ساتھ ندوہ لے آئے،

غالباً مولانا ۱۹۰۶ء مین ندوہ آئے، اور ۴۰ برس تک مسلسل ندوہ کی خدمت کرتے رہے، پچھلے سال فالج کا حملہ ہوا، اس سے وہ درس و تدریس سے تقریباً معذور ہو گئے، اور کچھ دنون کے بعد دار العلوم ہمیشہ کے لئے اُن کے فیوض و برکات سے محروم ہو گیا، اور اسی مرض مین گذشتہ، ار رمضان المبارک کو اپنے وطن میں انتقال کیا،

مولانا مین چند خصوصیتین ایسی تھین، کہ ہر شخص اُن سے مانوس ہو جاتا تھا،

اتباع سنت مذہبی زندگی مین وہ اکابر علماے خیر کی صف مین ممتاز تھے، عقائد و عبادات کے علاوہ اخلاق ومعاملات اور معاشرت مین بھی سنن و مستحبات کا اہتمام رکھتے تھے، چنانچہ پوری زندگی پاجامہ کے بجائے تہبند کا استعمال رکھا، اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، اور طلبہ سے کام لینا پسند نہین کرتے تھے، بکریان پالتے تھے اور ان کی جملہ ضروریات اپنے ہاتھون سے پوری کرتے، جب وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے، تو بادل ناخواستہ بکریان پالنا چھوڑ دین،

تواضع واخلاق نہایت خلیق، متواضع اور خوش مزاج تھے، کبھی کسی استاد یا طالب علم کو اُن سے شکایت نہین پیدا ہوئی، اور انھون نے اپنی چالیس سالہ زندگی مین بھی کسی کو کوئی نقصان نہین پہنچایا، راستہ میں ہر چھوٹے بڑے کو بلا تفریق سلام کرنے مین سبقت کرتے، مولانا حیدر حسن خان صاحب سابق شیخ الحدیث جب مکان تشریف لیجاتے، تو مولانا ہی کو اپنا قائم مقام بناتے، مگر مولانا غایت تواضع مین کبھی ان کی کرسی پر نہین بیٹھتے بلکہ دوسری جگہ بیٹھ کر فرائض متعلقہ انجام دیتے،

سادگی مولانا نے ہمیشہ سادہ اور یکسان لباس پہنا، گرمیون مین تہبند، کرتا اور دوپلی ٹوپی، اور جاڑون مین ایک دگلا اور تہبند کے نیچے ایک روئی دار پائجامہ ایک خاص قسم کی چپل جو شاید انہی کے لئے خاص طور سے بنوائی جاتی تھی، جسے دیکھ کر صحابہ کی تسمہ نما چپل کی یاد آجاتی تھی، شاید اس کا التزام بھی اتباعِ سنت ہی کے ذوق کے ماتحت رہا ہو، عصا بھی ہمیشہ ساتھ رکھا کرتے تھے،

دار العلوم ندوہ کی زیارت کے لئے دنیا کے تقریباً ہر گوشہ کے مشاہیر آئے، ندوہ کے بیسیون ماہانہ وسالانہ جلسے ہوئے، اور سیکڑون دعوتین ہوئین، مگر مولانا ان تمام مجلسون تقریبون اور دعوتون مین اسی سادگی کے ساتھ شریک ہوئے، کبھی کوئی خاص اہتمام نہین کیا،

درس و تدریس اور مطالعہ مولانا کا درس بہت ہی دلنشین اور دلچسپ ہوتا تھا، اثناے درس مین دو ایک خوش کن قصے ایسے ضرور سناتے جس سے طلبہ ان کے درس سے اکتاتے نہین تھے، درس کی تقریر اتنی سلجھی و دلنشین ہوتی

کہ پیچیدہ سے پیچیدہ بحث کو کم فہم طلبہ بھی آسانی سے سمجھ لیتے، کوئی طالب علم اگر کوئی سوال کرتا، تو بہت خوش ہوتے، اور خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے، بغیر مطالعہ کے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھاتے تھے، فرماتے تھے کہ بغیر مطالعہ کے میرا ان کا پڑھانا بھی حرام اور دیانت کے خلاف ہے، اخر عمر میں بینائی کمزور ہو گئی تھی، اور مطالعہ سے قطعیاً معذور ہو گئے تھے، تو جس جماعت کو پڑھانا ہوتا، اس جماعت کے کسی ہوشیار طالب علم کو بلا لیتے، اور کتاب مع حواشی و شروح پڑھوا کر سن لیتے، یہ ان کی خاص خصوصیت تھی، حافظہ بھی نہایت اچھا تھا، فرماتے تھے کہ شرح وقایہ اولین کا اکثر و بیشتر حصہ زبانی سنا سکتا ہوں، طلبہ اور اساتذہ کو فقہی یا علمی مسائل کی تحقیق کرنی ہوتی، تو فقہی مسائل میں مولانا کی طرف رجوع کرتے تھے، اور علمی مسائل میں حضرت شاہ حلیم عطا شیخ الحدیث مدظلہ کی طرف، مولانا ہر فن کی کتاب بے تکلف پڑھا لیتے، مگر فقہ سے خاص لگاؤ تھا، ندوہ میں جب تک رہے فقیہ اول رہے، خلافیات حدیث پر بھی پوری نظر تھی، مگر اس میں غلو نہیں تھا، اور متکلمانہ و مناظرانہ طرز کے بجائے محدثانہ طرز سے پڑھاتے تھے،

دار الاقامہ کی نگرانی مولانا کی زندگی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے، کہ وہ چالیس برس تک دار الاقامہ کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے، اس طویل مدت میں سیکڑوں لڑکوں نے ان کے ہاتھوں سے مار کھائی، اور سزائیں پائیں، مگر اس کے باوجود کبھی کسی طالب علم کو ان سے کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی، شکایت نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ وہ جذبۂ انتقام یا تذلیل کے لئے کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے، اور اگر سزا بھی دیتے، تو اس میں پدرانہ شفقت کا دفرما ہوتی تھی،

مولانا نے کچھ دنوں تک چھوٹے بچوں کی نگرانی بھی کی، ان کے ساتھ ان کا سلوک بالکل مادرانہ ہوتا تھا، جب کبھی کوئی بچہ بستر پر پیشاب کر دیتا تھا، تو خود اپنے ہاتھوں سے بستر دھوتے، اور ان کے کھانے کپڑے، رہنے سہنے، اور کھیلنے کودنے کا پورا خیال رکھتے تھے،

میں ۱۹۲۹ء میں ندوہ گیا، اس وقت مولانا شبلی دار الاقامہ کے جو بڑے لڑکوں کے لئے مخصوص ہے، نگران تھے، مولانا کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے وقت پورے بورڈنگ کا ایک چکر لگاتے، مگر اس سے پہلے اپنی چارپائی سے ہر کمرہ کے اس لڑکے کا نام لیکر آواز دیتے، جو نماز میں زیادہ سست ہوتا، اس پیرانہ سالی میں بھی مولانا کی آواز میں کسی قسم کا ضعف نہیں آیا تھا، پھر مولانا اپنی چارپائی سے اٹھتے، مولانا کی چپل کی آواز کے ساتھ ہی سارے طلبہ اپنے کمرہ سے باہر ہو جاتے، بعض لڑکے یہ شرارت کرتے، کہ چارپائی کے نیچے

گھس جاتے، اس لئے مولانا کبھی کبھی چارپائی کے نیچے ڈنڈے کے ذریعہ سے جائزہ لیتے، اگر کوئی لڑکا ڈنڈے کی زد مین آجاتا، تو پھر ان کی خیر نہین تھی،

اسٹرایک ندوہ مین لڑکون نے کئی مرتبہ اسٹرایک کی، دو تین مرتبہ خود میرے سامنے ہوئی، لڑکے اپنے جائز مطالبات منوانے کے لئے جب اڑ جاتے، اور کوئی صورت مصالحت کی باقی نہ رہ جاتی، تو مولانا درمیان مین پڑ کر صلح و مصالحت کرا دیتے، بڑے سے بڑا انقلابی لڑکا بھی ان کے سامنے پہنچ کر بیحد معتدل بنجاتا تھا،

کھانے کا ذوق مولانا کھانا کھلانے کے طبعاً بڑے شائق اور فیاض تھے، بغیر گوشت کے کھانا پسند نہین کرتے تھے، بقرعید کے دنوں میں ہمہ وقت مولانا کی انگیٹھی گرم رہتی تھی، خود اپنے ہاتھ سے گوشت پکاتے اور طلبہ و اساتذہ کو کھلاتے، مولانا عبد السلام صاحب ندوی جب لکھنو جاتے، تو ان کی بڑی پر تکلف دعوت کرتے تھے، جس مین مرغ اور کباب خصوصیت سے ضرور کھلاتے،

افسوس ہے کہ ایسی فیض بخش و بابرکت ذات سے ندوہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا،

"دوم نح"

ادبیات

انقلاب

از مولانا مولوی حکیم عبداللہ رشید نواب ٹکی، راشد خطیب جامع مسجد رنگون برما

اے سوادِ جادۂ امکان روحِ انقلاب
اے سریر آرائے ملکِ کن مکاں گردوں رکاب

تیرے جلووں نے کیا ذروں کو رشکِ آفتاب
ورنہ اک ظلمت کدہ تھا یہ جہانِ خاک و آب

جلوہ گر تیرے لئے ہیں آفتاب و ماہتاب
ہے ترے ہی واسطے یہ روز و شب کا انقلاب

عطر بیزی ہے تری تو ہے گلستاں کا شباب
تیری خوشبو سے معطر ہے چمن کا ہر گلاب

تیری ہستی بن گئی ہے کیوں حقیقت کا حجاب
آخرش کب تک رہے گا بوالہوس یوں مستِ خواب

مسلمِ خفتہ! گراں خوابی ہے تیری یہ عذاب
اٹھ بپا کر زندگی میں اپنی عالم انقلاب

عقل ہی کی روشنی سے نعمتوں کو ہے فروغ
خود خدا نے بھی کیا ہے عقل والوں سے خطاب

زنگ کھا جاتی ہیں جب عقلیں تو آتا ہے زوال
آئینہ جس طرح کھو دیتا ہے اپنی آب و تاب

قوتیں سب سلب کر دیتا ہے عقلوں کا جمود
بے حسی قوموں پہ چھا جاتی ہے بن کر اک عذاب

اک تعطل سا ہوا کرتا ہے طاری قوم پر
پست ہو جاتی ہے ہمت موت کا کھلتا ہے باب

یوں زمیں ہموار ہوتی ہے غلامی کے لئے
آسماں سے اس طرح آتا ہے قوموں پہ عذاب

چوستا ہے دیو استعمار ان کا خون سرخ
سینچ کر اس سے چمن اپنا اگاتا ہے گلاب

تنگ ہو جاتا ہے محکوموں پہ میدانِ بقا
سر پہ منڈلاتا ہے جب یہ موت کا خونیں عقاب

باعثِ بربادیٔ ملت ہے دونوں کا وفاق
دولت سرمایہ دار و اقتدار نا صواب

نشۂ دولت نہ ہو کیوں نشۂ مے سے فزوں
شیر افگن ہے حقیقت میں یہ دولت کی شراب

اک کسوٹی ہے غرض یہ آدمیت کے لئے
اس سے ہوتے ہیں ہنر اور عیب دونوں بے نقاب

بت تو پتھر کے ہیں بے حس بے گنہ بے اختیار
ان بتانِ سیم و زر کی سرکشی کا کیا جواب

ایک بت ہے ان کے سینے میں جسے کہتے ہیں دل
یہ تراشو اتارہا ہے نت نئے بت بے حساب

جن میں کچھ اصنام ہیں زائیدۂ عصر جدید
نسل و قومیت وطن تہذیب نو کا انتخاب

بن گئی جن کی بدولت یہ زمیں رشک جہاں
وہ رہیں محروم حیف اے زندگی ناصواب

فرش ہو جن کا زمیں اور آسماں جن کا لحاف
جن کی آہوں میں شرر دردوں میں جنکی التہاب

آدمیت خون روتی ہو بپا ہے ایک حشر
آدمی خود بن گیا ہے آدمیت کا حجاب

حشر برپا کر رہا ہے ظالموں کا ظلم و جور
دے قیامت بن کے کون اب اس نیت کا جواب

خون ناحق رنگ لائے گا بشکل انتقام
غیرت حق جوش میں آکر الٹ دیگی نقاب

قطرے بن جائیں گے طوفان خیز موجیں آخرش
ذرے کر دیں گے بپا خود بن کے آندھی انقلاب

اس کمند زر نے تاکا ہے حصار خانقاہ
زد میں ہے اب اس کی زہد زاہد رفعت مآب

کس سے شکوہ کیجئے جب خضر بہکانے لگے
جب مسیحا دشمن جاں ہو تو ہو کس پہ عتاب

کس سے کیجئے اب تمنائے دوائے درد دل
جب دوائے درد دل ہو خود ہی وجہ اضطراب

محتسب ہو خود ہی جب رسوائے بزم نائے
کیوں نہ لوٹیں رندل کر دختر رز کا شباب

جشن ہے اب میکدوں میں میکدوں کی عید ہے
محتسب نے توڑ ڈالا خود ہی بند احتساب

وائے برحال جنون مبتلائے دام زر
عقل و دیں علم و ہنر پر پڑ گیا آخر حجاب

ہوشیار اے طائر سدرہ نشیں ہاں ہوشیار
دام تزویر خداوندان نعمت ہے سراب

ذرہ ذرہ میں ہے پنہاں ایک دنیائے عمل
خواب سمجھا ہے جسے تو ہے وہی تعبیر خواب

جس کو کہتے ہیں سکوں ہے نام وہ بھی موت کا
زندگی کہتے ہیں جس کو ہے سراپا اضطراب

بارہا الٹی ہے تو نے یہ بساط ناؤ نے
تھا ترے قبضہ میں جب تقدیر کا چنگ و رباب

یعنی جب تقدیر تھی شرمندۂ علم و عمل
تھی تری تدبیر اور شمشیر دونوں لاجواب

قوت تسخیر ہے تیری رگ جاں کا خمیر
کر اسے عقل و ہنر علم و عمل سے بے نقاب

الحذر تقلید مغرب سے، تیری منزل ہے عرش
جس جگہ پہنچا نہیں مغرب کا اب تک آفتاب

مادیت جس کا کعبہ اور زر جس کا خدا
بن گئی تہذیب جس کی جس کے حق میں خود عذاب

جس کی عریانی سے عریانی کو بھی اک ننگ ہے
جس کو عریانی سمجھتے تھے وہ تھی گویا حجاب

ملتِ بیضا کے داعی مردِ میدانِ جہاد
بت شکن تیرا لقب باطل شکن تیرا خطاب

چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے
چلتی پھرتی چھاؤں ہے باطل کا یہ دورِ شباب

مقصد توحید ہے، توحیدِ اقوام و ملل
باعثِ تفریق ہے نسل و وطن کا انتخاب

متحد ہو کر تو ہے باطل شکن مومن کا عزم
کثرتِ باطل ہے گردابِ فنا کا اک حباب

اس طلسمِ آزری کا توڑ دے یکسر فریب
پھر غنا کو فقر کا کر ہم عنان و ہم رکاب

تیرا دستور العمل ہے سیرتِ پاکِ رسول
تیرا آئینِ جہاں بانی ترے رب کی کتاب

زندہ کر پھر رسمِ بوبکر و عمر، عثمان، علی
پھر بپا کر اس جہانِ کفر میں اک انقلاب

مُبدعِ[1] کون و مکاں کا مظہرِ ایجاد بن
بن کے پھر مضرابِ سازِ دہر کو کر نغمہ تاب

ہو گر اس اسلوب سے مسلم سر آرائے بزم
گل میں غنچوں میں چمن میں عود کر آئے شباب

صنم خانۂ پندار

از جناب اسد ملتانی

یہ باتیں ہو رہی تھیں منچلوں کی ایک مجلس میں
کہ اب طاقِ تغافل پر خیالِ بیش و کم رکھدیں

کریں گی ہم دلی پیدا نہ تقریریں نہ تحریریں
مناسب ہے زباں میں بند کر لیں اور قلم رکھدیں

نہیں جب زور کا موقع تو یہیں مصلحت یہ ہے
اُٹھالیں آشتی کا جام اور تیغِ دو دم رکھدیں

ہمارے ملک میں جب ہیں سبھی کچھ دین پر مبنی
تو آؤ اک عبادت گاہ کی بنیاد ہم رکھدیں

چنیں اس کی عمارت مشرق و مغرب کے ساماں سے
کہیں سنگِ عرب رکھدیں کہیں خشتِ عجم رکھدیں

اسے مرکز بنا دیں ہر جماعت ہر قبیلے کا
پرستش کے لئے سب کے خداؤں کے صنم رکھدیں

غرض مندوں کو ہاتھ آجائیگا عذرِ قدم بوسی
بتوں کے پاؤں میں سرمایۂ جاہ و حشم رکھدیں

مسلماں بت نہ پوجیں گے سو ان کے واسطے بھی ہم
صنم خانے کے اندر ایک چھوٹا سا حرم رکھدیں

کریں اس خوشنما مندر میں ایسی دلکشی پیدا
ہمارے ہو رہیں اک بار جو اس میں قدم رکھدیں

اسد کے کان تک پہنچے یہ منصوبے تو وہ بولا
جو ممکن ہو تو بے شک نور و ظلمت کو بہم رکھدیں

---

[1] خالق،

مطبوعات جدیدہ

شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں } از جناب عبداللطیف صاحب اعظمی بی اے جامعہ تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت سے، ر

پتہ:- شبلی اکاڈمی قرول باغ دہلی،

اردو زبان کے عناصر خمسہ، سرسید آزاد، نذیر احمد، حالی اور شبلی میں مولانا شبلی مرحوم کی حیثیتیں اور ان کی علمی وادبی خدمات گوناگون ہیں، لائق اور ہونہار مصنف نے اس مقالہ میں جو انھوں نے امتحان بی اے کے لئے لکھا تھا مولانا مرحوم کے علمی وادبی درجہ کو دکھایا ہے، یہ مقالہ تین حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں مولانا شبلی کے پیش رو چاروں محسنین اردو کی خدمات پر مختصر تبصرہ ہے، دوسرے میں مولانا مرحوم کی تصانیف نثر، اور تیسرے میں ان کی شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث کرکے دوسرے محسنین اردو کے مقابلہ میں ان کی علمی وادبی خدمات کی وسعت اور ان کی امتیازی خصوصیات دکھائی ہیں، علامۂ مرحوم تنہا مصنف ہی نہ تھے، بلکہ اس میں وہ معلم ومجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی تصانیف کا مقصد مسلمانوں کی گذشتہ عظمت، ان کے کارناموں اور ان کی قومی خودی کا احیا، اسلام اور مسلمانوں پر مغرب کے اعتراضات کا جواب، اور تصنیف میں تلاش وتحقیق کے نئے اسلوبوں کی تعلیم اور اس قبیل کے دوسرے بلند مقاصد تھے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ بحثیں بی اے کی سطح سے اونچی اور مقالہ کے موضوع سے خارج بھی ہیں، تاہم ان کی تصانیف پر تبصرہ کے ضمن میں ان کی امتیازی خصوصیات کا ذکر آگیا ہے جس سے ان کی تصنیفی انفرادیت، تنوع، جامعیت، اور اجتہادی حیثیتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے، شاعری پر تبصرہ کا حصہ بہت اچھا ہے، اس سے ان کے سیاسی خیالات کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، مجموعی حیثیت سے مقالہ قابلِ قدر اور بی اے کے امتحان کی سطح سے اونچا ہے، مقالہ کے شروع میں آل احمد سرور صاحب کے قلم سے سرسید کے دور کی مسلمانوں کی سیاست، اس کے اسباب اور علامہ شبلی مرحوم کے ترقی پسند خیالات پر نہایت متوازن اور صحیح تبصرہ ہے،

ہندوستان کی آبادی از ڈاکٹر انور اقبال قریشی تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد سے، پتہ :- ادارۂ معاشیات فاطمہ منزل حمایت نگر حیدر آباد دکن۔

آج دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے، جو اپنی تمام ضروریات خود پیدا اور اپنی پوری آبادی کے لئے وسائل معاش مہیا کرسکتا ہو، حتی کہ وہ صنعتی ممالک بھی جن کا دنیا کی تجارتی منڈیون پر قبضہ ہے، خام مال، غذا اور بعض دوسری چیزون مین جن کی پیداوار ان کے یہان کم ہے، دوسرے ملکون کے محتاج ہین، اور صنعتی کارخانون کی کثرت کے باوجود ان کے باشندون کی خاصی تعداد بے کار رہتی ہے، موجودہ تمدن نے زندگی کا معیار اتنا بلند کر دیا ہے، اور ایک متمدن ملک کی ضروریات اتنی وسیع ہوگئی ہین، کہ ہر ملک کے لئے کثرت آبادی کا مسئلہ نہایت اہم ہوگیا ہے، ہندوستان جیسے وسیع اور نادار ملک کے لئے یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہم ہے، اس کتاب مین اسی مشکل مسئلہ کا حل پیش کیا گیا ہے، اور آبادی کی تحدید کے مختلف قدیم و جدید نظریون مختلف ملکون کے معاشی وسائل ان کی آبادی کے اعداد و شمار، ہندوستان کی آبادی، اس کے معاشی حالات اس کی آبادی کی ضروریات وغیرہ ان تمام پہلوؤن پر جن کا تعلق معاشیات سے ہے، مفصل بحث کرکے ہندوستان کی کثرت آبادی اور اس کے لئے آیندہ وسائل معاش کی فراہمی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب خالص فنی ہر جن لوگون کو اس قسم کے مسائل سے دلچسپی ہو، ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

حقیقتِ نفاق از جناب مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ محصول ڈاک سے، پتہ :- اقبال اکاڈیمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور،

اس کتاب مین آیاتِ قرآنی سے نفاق کی حقیقت، منافقین کے اقسام نفاق کی علامتین اور منافقین کے بارہ مین اسلام کے دنیوی اور اُخروی احکام بیان کئے گئے ہین، اور اس کا مصداق اس زمانہ کے بے عمل اور متساہل مسلمانون کو بتایا گیا ہے، درحقیقت وہ نفاق جس کا ذکر کلام مجید مین ہے، خلافت راشدہ کے زمانہ مین ختم ہوگیا، یا زیادہ سے زیادہ اس زمانہ تک رہا جب تک مسلمانون مین حکومت اور ان مین حرارت دینی باقی رہی، کہ بعض غیر مسلم جاہ و منصب کے حصول یا مسلمانون مین فتنہ انگیزی کے لئے اپنے کو اسلام کے لباس مین ظاہر کرنے پر مجبور تھے، جس کی مثالین ابتدائی عباسی دور تک ملتی ہین، لیکن اس آزادی کے زمانہ مین جب "گرجو گنہ کیجئے ثواب ہے آج" کی سند حاصل ہے، نفاق کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، عمل مین سستی کے لئے فسق

کی شرعی اصطلاح موجود ہے، البتہ جزوی اور مجازی طور سے بے عمل پر منافق کا اطلاق ہوسکتا ہے نفاق کفر وشرک سے بھی زیادہ مکروہ ہے، اس کے اطلاق مین بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، البتہ ان نام نہاد مسلمانون کو منافق کہہ سکتے ہین جن کو اسلامی عقائد سے کوئی علاقہ نہین، اور وہ محض نام سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہین، تاہم یہ کتاب فائدہ سے خالی نہین ہے،

قرآن اور پیغمبر صلعم از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر علاوہ محصول ڈاک، پتہ:- ادارۂ دعوت الحق نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن،

دوسری قومون اور امتون کی دینی گمراہیون کا ایک بڑا سبب اپنے پیغمبرون اور صلحار واخیار کی حیثیت کے متعلق ان کے عقیدہ کی افراط و تفریط ہے، بعضون نے ان کو اتنا بڑھایا، کہ الوہیت کا درجہ دیدیا، بعضون نے اتنا گھٹایا کہ عام انسانون کی سطح سے بھی نیچے گرادیا، لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خود کلام مجید نے واضح کردی ہے جس کے بعد اس بارہ مین کسی گمراہی کا امکان باقی نہین رہ جاتا، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے ترجمان القرآن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی حیثیت پر ایک مضمون لکھا تھا، اس مین پیغمبرون کی حیثیت کے متعلق ان کی امتون کی افراط و تفریط کو دکھا کر آیات قرآنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت، نبوت، فرائض واختیارات وغیرہ مختلف حیثیتون کی تشریح کی تھی جس سے آپ کی صحیح حیثیت متعین ہوجاتی ہے، ادارۂ دعوت الحق نے اس مضمون کو افادۂ عام کے لئے کتابی صورت مین شائع کردیا ہے،

حبیب خدا از جناب الیاس احمد خان صاحب مجیبی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۸، صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۶ر، پتہ بچون کا بک ڈپو کلان محل دہلی،

بچون کے مطالعہ کی مذہبی کتابون کی تالیف مین مصنف کی شہرت محتاجِ تعارف نہین، ان کے نام کے ساتھ ہی "مصنف الصبیان" کا تصور ذہن مین آجاتا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے سیرت نبوی پر متعدد چھوٹی چھوٹی کتابین لکھی ہین، حبیب خدا اس سلسلہ کا تازہ تبرک ہے، اس مین سوانح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اخلاق و شمائل کے سبق آموز واقعات سہل وسادہ زبان اور دلنشین انداز مین لکھے ہین، واقعات سب مستند ہین، کتاب کے آخر مین اکتالیس حدیثون کا ترجمہ دیدیا ہے، یہ گویا اردو کی چہل حدیث ہے، یہ کتاب نہ صرف بچون بلکہ معمولی پڑھے لکھے لوگون کے بھی مطالعہ کے لائق ہے،

اسرارِ حیات از جناب ایشورا ٹوپا ڈی فل جامعہ عثمانیہ تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ تلنگو اکیڈمی حیدرآباد،

ویما جوگی جنوبی ہند کا حکیم وصوفی شاعر تھا تلنگی زبان مین اس کی شاعری کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندی مین کبیر کے کلام کی ہے، اس کی اخلاقی تعلیمات بھی کبیر کی تعلیمات سے بہت مشابہ اور دونوں یک ہی کے چراغ دو پر تو معلوم ہوتے ہین، دونون کا زمانہ بھی قریب ہی قریب تھا، ویما کا زمانہ پندرہوین صدی عیسوی ہے، اور کبیر کا بھی اسی کے قریب قریب ہے، ویما کے کلام کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے، جناب ایشورا ٹوپا نے اسرارِ حیات کے نام سے اردو مین ترجمہ کیا ہے، ترجمہ خصوصاً اشعار کے ترجمہ مین اصل زبان کی خوبی باقی نہین رہتی، لیکن اصل خیالات پر اس کا اثر نہین پڑتا، چنانچہ یہ ترجمہ ویما کے حکیمانہ خیالات کا پورا ترجمان ہے جن لوگون کو اس قسم کی حکیمانہ شاعری اور حکیمانہ خیالات سے دلچسپی ہو، ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

سنگ وخشت از جناب کنہیا لال کپور، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ مکتبہ جدید لاہور،

مصنف دورِ جدید کے مشہور افسانہ نگار ہین، سنگ وخشت ان کے سولہ افسانون کا مجموعہ ہے خیالات کی ندرت وجدت کے ساتھ طنز ومزاح کی لطیف آمیزش مصنف کی خصوصیت ہے، جو ان تمام افسانون مین موجود ہے، سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ افسانے ترقی پسند ادیبون کی بے اعتدالیون سے پاک ہین، بلکہ ان مین دورِ جدید کی نام نہاد جدتون اور خامیون پر نہایت لطیف انداز مین تنقید کی گئی ہے، زبان سلیس و انداز بیان دلکش ہے،

گورستان از جناب احسان بن دانش تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہر، پتہ مکتبہ دانش مزنگ لاہور،

مصنف نے اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر دلی تاثر سے یہ نظم لکھی ہے، اس لئے نہایت موثر ہے اور اس مین درد والم بے ثباتی دنیا انسانی بے بسی وبے چارگی موت وفنا وغیرہ عبرت وبصیرت کے ان تمام جذبات کی تصویرین ہین جو ایسے حوادث کے وقت انسانی قلب پر طاری ہوتے ہین، نظم کے شروع مین متعدد اصحابِ علم کے قلم سے نظم کے مختلف پہلوؤن پر تبصرے ہین،